بجواب

"قادیانی مذہب"

مصنفہ

جناب مولانا علی محمد صاحب اجمیری مولوی فاضل

جس میں پروفیسر الیاس برنی صاحب کے رسائل اربعہ
قادیانی مذہب ایڈیشن اول و ایڈیشن دوم۔ قادیانی جماعت۔
اور قادیانی حساب کا مکمل ومدلل جواب دیا گیا ہے۔

جسے
زیر ہدایت نظارت تالیف وتصنیف قادیان
بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے شائع کیا

بار اول — دسمبر ۱۹۳۴ء — تعداد ایکہزار

طالبِ دُعا قاضی نور محمّد کاتب قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم والصلوٰۃ والسلام علی المسیح الموعود

تالیفِ برنی پر سرسری نظر

و

تبصرہ

"تالیف برنی" کا نام بے معنی ہے

حیدرآباد سے چھوٹی تقطیع کے ۱۱۶ صفحہ کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس کے مؤلف صاحب کا نام جیسا کہ کتاب کے صفحہ اول سے ظاہر ہے۔ الحاج صلاح الدین محمد الیاس صاحب برنی ہے۔ اور جو علاوہ چشتی۔ قادری۔ فاروقی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) ہونے کے ایک کم دو درجن کتابوں کے مصنف و مؤلف و مترجم بھی بتائے گئے ہیں۔ آپ نے اس مختصر سی کتاب کے دو نام رکھے ہیں۔ پہلا نام جو سرورق پر لکھا ہے۔ "قادیانی مذہب" ہے۔ اور یہ ایسا نام ہے۔ جس کے مسمّیٰ کا کوئی وجود نہیں؟۔

کیونکہ قادیان تو مختلف المذاہب لوگوں کی آبادی کے ایک قصبہ کا نام ہے نہ کسی مذہب کا۔ پس ساکنان قادیان میں سے کسی گروہ کے خلاف کوئی کتاب لکھکر اس کا نام "قادیانی مذہب" رکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ غیر ملکیوں میں سے کوئی شخص باشندگان ہندوستان میں سے کسی گروہ کے خلاف کوئی تحریر قلم بند کرکے اس کا نام "ہندوستانی مذہب" یا ساکنان ایران و افغانستان میں سے کسی کے خلاف کچھ لکھکر اس کا نام "ایرانی مذہب" اور "افغانستانی مذہب" رکھ دے۔ یا صوبہ ہائے ہندوستان کی سکونت کے لحاظ سے مختلف فرقوں کے خلاف رسائل تالیف کرکے کسی کا نام "مدراسی مذہب" اور کسی کا "بنگالی مذہب" رکھ دیا جائے۔ یا علاقہ جات کی سکونت کے لحاظ سے کسی فرقہ کے متعلقہ رسالہ کا نام "روہیل کھنڈی مذہب" اور کسی کا "بندیل کھنڈی مذہب" یا شہروں اور قصبوں کی سکونت کے لحاظ سے کسی رسالہ کا نام "بلند شہری مذہب" اور کسی کا "برنی مذہب" یا سمتوں کی رعایت سے "شرقی مذہب" "غربی مذہب" - "شمالی مذہب" - "جنوبی مذہب"۔ اور یہ امر جسقدر بے محل اور ناموزوں ہے۔ اصحاب عقل و دانش سے پوشیدہ نہیں ؛

اگر یہ کہا جائے۔ کہ چونکہ جس سلسلہ کے خلاف یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کے بانی کی سکونت قادیان میں تھی۔ اس لئے اس کا نام "قادیانی مذہب" رکھنا درست ہے۔ تو پھر یہ نام رکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ حضرات قادریہ کرام اور حنفیہ عظام کی تحریروں میں قطع و برید کرکے اور ان کے کلام سے غلط مفہوم نکال کر اور ان پر طرح طرح کے بہتان باندھ کر اور قسم قسم کے اتہام لگا کر جو لغویات و مزخرفات شائع کی جائیں۔ ان کا نام "جیلانی مذہب" - "بغدادی مذہب" یا "عراقی مذہب" اور "کوفی مذہب" رکھدیا جائے۔ اور اس کی غیر معقولیت

بھی اظہر من الشمس ہے۔ پس بوجوہ مذکورہ جو صورت کسی کتاب کا نام "بغدادی مذہب" یا "کوفی مذہب" رکھنے کی ہے۔ بالکل وہی صورت "قادیانی مذہب" رکھنے کی بھی ہے۔

مؤلف صاحب نے اپنی اسی تالیف کا دوسرا نام "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" رکھا ہے۔ اور یہ نام بھی ویسا ہی بے محل و بے حقیقت ہے جیسا کہ پہلا نام۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ "قادیانی" کوئی مذہب نہیں ہے۔ اور اگر حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء وسیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی حقہ وصادقہ اور عقائد صحیحہ اسلامیہ کا نام "قادیانی مذہب" رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں اسلام کا نام "صابی مذہب" رکھا گیا تھا۔ تو اس کا کوئی علمی محاسبہ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ لارڈ ولیم میور اور پادری فنڈر وغیرہ معاندین اسلام نے اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جو زہر اُگلا ہے۔ اس کتاب میں درپردہ اُس کی تائید و تصدیق کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے ؛

مؤلف "قادیانی مذہب" کی "علمی تحقیقات" کی حقیقت

چونکہ جناب مؤلف صاحب نے اپنے اس کارنامہ کو نہایت فخر و ناز سے "علمی تحقیقات" کا معزز لقب بھی عطا فرمایا ہے۔ (تالیف ہٰذا کے صے سطر ۱۰) اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی محققانہ حیثیت کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

ایک ایسے مذہبی محقق کے جو کسی مصنف کے دعاوی اور عقائد مذہبی کی تحقیقات اس کی تصانیف کے ذریعہ کرنی چاہے۔ بہت سے فرائض ہیں منجملہ ان کے سب سے اہم اور اوّلین فرض یہ ہے۔ کہ وہ اس مصنف کی کل تصانیف

کا مطالعہ کرے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم اتنی تصانیف کا نہایت احتیاط اور دیانت کے ساتھ مطالعہ کرے۔ جن کا مطالعہ تکمیل تحقیقات کے لئے ازروئے عقل و انصاف ضروری ہو۔ مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حقیقی محقق کے اس نہایت ہی اہم اور اولین فرض کی برنی صاحب نے اپنی تالیف میں قطعاً پرواہ نہیں کی ہے۔ اور باوجود تحقیق کے دعوے اور اسی مناسبت سے اپنی تالیف کو "علمی تحقیقات" قرار دینے کے آپ نے حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری تصانیف تو کیا بدرجہ اقل صرف اس قدر تصانیف کا بھی مطالعہ نہیں فرمایا ہے۔ جس کے مختلف حوالہ جات پر آپ نے اپنی اس "عجیب و غریب انکشافات" سے پُر "علمی تحقیقات" کی بنیاد رکھی ہے۔ پھر یہیں تک بس نہیں۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز یا بعض دوسرے اصحاب کی جن کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ انہیں بھی اصل سے ملاکر پڑھنے بلکہ دیکھنے تک کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی ہے۔ پس کیا باوجود ایسی عظیم الشان اور اصولی فروگذاشت کے کوئی صاحب فہم و بصیرت اپنے آپ کو یا ایسی ہی فروگذاشت کرنے والے کسی دوسرے شخص کو محقق کے معزز لقب سے ملقب کرنے کا حق رکھتا ہے؟

سطور بالا میں جس امر کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس کا ثبوت تالیف جناب برنی صاحب سے کئی طور پر مل سکتا ہے

اوّل یہ کہ آپ نے حوالہ جات غلط دئے ہیں *

دوم یہ کہ کم صفحات کی کتابوں کے زیادہ صفحات ظاہر کئے ہیں *

سوئم یہ کہ تصنیف کسی کی ہے اور آپ نے منسوب کسی اور کی طرف کر دی ہے *

چہارم یہ کہ عبارتیں صحیح طور پر درج نہیں کی ہیں ؛
پنجم یہ کہ ایسی عبارتیں بھی پیش کی ہیں - جو ان کتابوں میں جن کے حوالے سے پیش کی ہیں قطعاً موجود نہیں ہیں - نہ لفظاً اور نہ معناً ؛

امر اوّل کا ثبوت

حوالہ جات غلط درج کرنے کے متعلق ہم تالیف جناب برنی صاحب کی صرف فصل اول کا حال بطور نمونہ پیش کرتے ہیں - جس سے نہایت صفائی سے ظاہر ہو جائے گا - کہ آپ نے اپنی تالیف میں حوالہ جات کس قدر غلط دیئے ہیں :-

نمبر شمار	نمبر صفحہ تالیف جناب برنی جسمیں حوالہ غلط دیا ہے	نام کتاب جس کا حوالہ غلط دیا ہے	نمبر صفحہ جو تالیف جناب برنی میں غلط درج کیا گیا ہے	صحیح نمبر صفحہ جسمیں حوالہ موجود ہے
۱	۲۱	حمامۃ البشریٰ	۴۹	۲۰
۲	۲۴	سراج منیر	۳۸۳	۳
۳	۲۵	نشان آسمانی	۱۲۸	۲۸
۴	۲۵	شہادۃ القرآن	۲۷	۲۸
۵	۲۵	ازالہ اوہام	۴۲۱	۴۲۲
۶	۲۷	آئینہ کمالات اسلام	۳۴	۲۴۱
۷	۳۰	چشمہ مسیحی	۴۰	حاشیہ صـ۴۱
۸	۳۳	ازالہ اوہام	۵۷۹	۵۷۵
۹	۳۹	حقیقۃ الوحی	۱۴۸	تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۱۴۸ و ۱۴۹

جناب پروفیسر صاحب بالقابہ نے اپنے آپ کو "جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں"

میں سے بتایا۔ اور اپنی تالیف کو ایک "علمی تحقیقات" کا نام عطا فرمایا ہے۔ (تالیف برنی صٹ) لیکن حوالہ جات منقولہ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق نے اپنے اس "علمی تحقیقات" کے کارنامہ کی بنا جن کتابوں پہ رکھنی ظاہر کی ہے۔ "بغور و غوض" ان کے مطالعہ کا تو ذکر ہی کیا۔ سرے سے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ کیونکہ سرسری طور پہ دیکھ لینے میں بھی اغلاط کا وہ عالم کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جو نقشہ اغلاط حوالجات سے ظاہر ہو رہا ہے :
یہ صحیح ہے کہ سہوِ کاتب بھی کتابت کی غلطیوں کا موجب ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے۔ کہ تالیف جناب برنی صاحب کی غلطیاں اس قسم کی نہیں ہیں۔ جن کا بارِ ناگوار کاتب کے سر پر لادا جا سکے۔ اول تو کاتب سے اندراج اعداد میں اتنی غلطیاں کیا معنی رکھتی ہیں۔ دوسرے کاتب ان ہندسوں کے اندراج میں غلطی کر سکتا ہے۔ جو باہم مشابہت رکھتے ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کاتب صفحہ ۲۰ کی بجائے صفحہ ۴۹ اور صفحہ ۳ کی بجائے ۳۵۲۔ اور صفحہ ۷۷ کی جگہ ۱۹۰۔ اور صفحہ ۱۸ کی جگہ صفحہ ۱۹۹ لکھ دے۔ جیسا کہ محقق برنی صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات میں کیا گیا ہے۔ یہ تو اس قسم کی غلطیاں ہیں۔ جو سہوِ کتابت پر کسی طرح محمول نہیں کی جا سکتیں۔

امر دوم کا ثبوت

اور ان غلطیوں پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی بات یہ موجود ہے۔ کہ حوالہ دینے میں بعض کتب کے صفحات زیادہ ظاہر کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ان کے صفحات کم اور بعض کے تو بہت ہی کم ہیں۔ کیا یہ امر بھی سہوِ کاتب پر محمول ہو سکتا ہے۔ کہ ۲۷ صفحہ کی کتاب کے کم از کم ۶۰ صفحہ اور ۱۰۰ صفحہ کی کتاب کے

۳۵۲ صفحہ اور ۱۳۸ صفحہ کی کتابوں کے ۶۰۵ صفحہ لکھ دئے جائیں۔ اور ہر کتاب کے صفحہ زیادہ ہی لکھنے کی غلطیاں کاتب سے وقوع میں آئے۔ کم صفحات لکھنے کی غلطی ایک بار بھی سرزد نہ ہو جیسا کہ نقشہ مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے :

نمبر شمار	نمبر صفحہ تالیف جناب برنی جسمیں حوالہ غلط دیا گیا ہے	نام کتاب جسکا حوالہ برنی صاحب نے دیا ہے	غلط تعداد صفحات کتب جو برنی صاحب نے ظاہر فرمائی ہے	صحیح تعداد صفحات کتب
۱	۳۱	کشف الغطاء	۴۶	۲۰۶
۲	۲۴	سراج منیر	۳۵۲	۱۰۰
۳	۴۹	سیرۃ الابدال	۱۹۳	۱۵
۴	۵۷	براہین احمدیہ	۵۸۵	۵۶۲
۵	۵۷	برکات خلافت	۶۰۵	۱۲۸
۶	۶۳	کلمۃ الفصل	۱۸۵	۹۴
۷	۶۸	نجم الہدیٰ	۶۰	۲۷

اگرچہ نقشہ بالا سے بھی اچھی طرح ثابت ہے۔ کہ محقق صاحب نے خود ان کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اور مخالفین سلسلہ احمدیہ کی لغو و باطل تحریروں میں سے ان کے حوالجات نقل کر لئے ہیں۔

امر سوم کا ثبوت لیکن اس پر بھی بس نہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑا ثبوت کتابیں نہ دیکھنے کا یہ ہے۔ کہ آپ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف ایسی کتابیں منسوب کر دی ہیں۔ جو حضور کی تصنیف کردہ نہیں ہیں۔ مثلاً "کلمۃ الفصل" اور "عقائد محمودیہ" کے متعلق تالیف برنی کے صفحہ ۶۳ میں اور صرف "کلمۃ الفصل" کے

متعلق صفحہ ۹۰ و ۹۱ میں لکھا ہے۔ "مصنفہ مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان"۔ حالانکہ ان میں سے "کلمۃ الفصل" تو صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی تالیف ہے۔ اور "عقائد محمودیہ" ہمارے ایک سخت مخالف میر مدثر شاہ صاحب کی تصنیف۔ اب کیا یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ جناب محقق برنی صاحب۔ چشتی۔ قادری۔ فاروقی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) پروفیسر معاشیات نے دوسروں کی بلکہ ایک مشہور مخالف کی کتاب "سید نا خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف منسوب کر دی ہیں تامل نہیں فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ مطالعہ کرنا تو کجا ان کتابوں کی شکل بھی جناب موصوف نے نہیں دیکھی۔ اور آپ کا یہ جدید کارنامہ "علمی تحقیقات" سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کتب کے "بغور و خوض" مطالعہ کرنے پر مبنی نہیں۔ بلکہ مخالفین و معاندین کے ان رسائل (دانستہ) را ت کا بے معنی نتیجہ ہے۔ جن میں کتب سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عبارتیں نہایت عامیانہ و سوقیانہ قطع و برید کے ساتھ درج کیجاتی ہیں۔ اور جو ایک منصف مزاج و حق پسند انسان کے لئے لائق اعتبار تو کیا قابل توجہ بھی نہیں۔

امر چہارم کا ثبوت

محقق برنی صاحب بالقابہ کی تالیف سے غلط عبارتیں درج کرنے کا ثبوت دو طریق پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح بھی کہ عبارت تو ہے کسی اور کتاب یا کسی اور مقام کی۔ مگر آپ نے حوالہ دے دیا ہے کسی اور کتاب یا کسی اور مقام کا۔ اور اس طرح بھی کہ عبارت اصل کتاب میں تو ہے کچھ اور۔ مگر آپ نے درج کی ہے کچھ اور۔ دونوں طریق کی چند مثالیں بطور نمونہ یہ ہیں :-

برنی صاحب بالقابہ اپنی تالیف کے صفحہ ۹۴ پر سیرۃ الابدال سنہ ۱۹۳ کے حوالے سے ایک عبارت نقل فرماتے ہیں۔ حالانکہ صرف یہی نہیں۔ کہ سیرۃ الابدال میں وہ عبارت موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں خیر سے صفحہ ۱۹۳ ہی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے صفحات تو صرف پندرہ ہی ہیں۔ پھر طرہ یہ کہ عبارت درج کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے۔ "سیرۃ الابدال سنہ ۱۹۳ ترجمہ" اب دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سیرت الابدال مترجم ہو۔ اور اس ترجمہ کی عبارت لے کر آپ نے اپنی کتاب میں درج کر دی ہو۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ سیرت الابدال کا ترجمہ ہوا ہی نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ لفظ ترجمہ لکھنے سے محقق صاحب کا مطلب یہ ظاہر کرنا ہو۔ کہ جو اردو عبارت انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ وہ سیرت الابدال کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ہے۔ جو خود انہوں نے کیا ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ سیرۃ الابدال میں کوئی ایسی عبارت ہی موجود نہیں ہے۔ جس کا ترجمہ وہ ہو سکے۔ جو محقق برنی صاحب نے پیش کیا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں دلیل ہیں اس امر کی کہ "بغور و خوض" دیکھنے کا تو ذکر ہی کیا سیرۃ الابدال کی جھلک بھی محقق صاحب نے نہیں دیکھی۔

پھر محقق صاحب بالقابہ اپنی کتاب کے اسی صفحہ میں ایک اور عبارت درج فرماتے ہیں۔ اور خاتمہ عبارت پر نہایت سنجیدگی سے تحریر فرماتے ہیں "قادیانی ریویو ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء" حالانکہ قادیانی ریویو" جیسا کہ جناب محقق صاحب نے انداز تحریر سے ظاہر فرمایا ہے۔ کوئی ماہوار پرچہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اور رسالہ ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد "ریویو آف ریلیجنز" ہو۔ تو پھر عرض ہے۔ کہ ایک دفعہ تو کیا اگر "ریویو آف ریلیجنز" بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

ایک سو دفعہ بھی پڑھا جائے تو اس میں وہ عبارت کبھی نہیں نکل سکتی۔ جو اس کے حوالہ سے محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی (علیگ) چشتی قادری فاروقی نے درج کی ہے۔

پس ہمارا کچھ نہ کہنا اور کچھ کہنا دونوں ہی ثبوت ہیں ہمارے اس دعوے کا کہ محقق برنی صاحب نے "ریویو آف ریلیجنز" بابت ماہ جون ۱۹۲۹ء کا نام تو کہیں لکھا دیکھ لیا ہے۔ لیکن بارگاہِ تحقیق سے اس سے زیادہ کوئی عزت اُس کو نہیں بخشی گئی ہے۔ یعنی اس کے مطالعہ کی تکلیف بالکل نہیں فرمائی گئی ہے۔

پھر جناب محقق صاحب برنی بالقابہ نے اپنی اسی کتاب یعنی تالیف برنی کے اسی صفحہ ۹۴ میں بحوالہ ازالہ اوہام ص۱۷۳ یہ عبارت لکھی ہے۔ کہ "آیت ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد۔ قرآن کریم میں احمد کی جو بشارت ہے وہ احمد میں ہوں۔" حالانکہ ہم نے کتاب ازالہ اوہام تقطیع خورد ایڈیشن اول بھی دیکھی۔ اور تقطیع کلان ایڈیشن دوم وسوم بھی۔ لیکن ہم کو کسی ایڈیشن کے ص۱۷۳ میں یہ عبارت نہیں ملی۔ اور ص۱۷۳ پر ہی منحصر نہیں۔ اس ترتیب اور ان الفاظ میں تو یہ عبارت ازالہ اوہام کے کسی صفحہ میں بلکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی کتاب میں بھی نہیں نکل سکتی۔

پھر جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب برنی بالقابہ نے اپنی کتاب کے ص۵۷ میں ایک عبارت درج کر کے براہین احمدیہ صفحہ ۵۸۵ کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ براہین احمدیہ کل ۵۶۲ صفحہ کی کتاب ہے۔ یہ عبارت قطع و بُرید کے ساتھ ایک اور مقام سے لی گئی ہے۔ نہ کہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۸۵ سے۔ کہ یہ صفحہ اس میں ہے ہی نہیں۔

امرِ پنجم کا ثبوت

ایم۔ اے محقق برنی صاحب علیگ بالقابہ نے اپنی اسی کتاب کے اسی صفحہ ۷۵ میں "برکاتِ خلافت" صفحہ ۵۔۱ کے حوالے سے جو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ایک تقریر ہے۔ یہ عبارت نقل کی ہے۔ کہ "ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ اب حج کا مقام قادیان ہے"۔ اس عبارت کے تین فقرے ہیں۔ پہلا فقرہ تو آٹھ صفحہ کے اس خطبۂ جمعہ میں ہے۔ جو کتاب "برکات خلافت" میں شامل ہے۔ اور اس میں جلسہ سالانہ قادیان کو جس میں ہر سال تمام اطرافِ عالم سے احمدی احباب ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر اپنے مقدس امام اور دیگر بزرگان سلسلہ کے وعظ و نصائح سے مستفید ہوتے ہیں۔ حج سے مشابہت دی گئی۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ جس طرح حج کا اجتماع دینی اغراض کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جلسہ بھی دینی اغراض کے ماتحت منعقد کیا جاتا ہے۔ لہذا اسے دیگر دنیاوی اجتماعات اور میلوں کی طرح نہ سمجھا جائے۔ دوسرا فقرہ نہ تو پہلے فقرہ کے بعد اس کے اس طرح ملا ہوا واقع ہوا ہے۔ جس طرح کہ تالیف برنی صاحب میں دکھایا گیا ہے۔ اور نہ ان معنی میں ہے۔ کہ خدا نے حج کے لئے قادیان کو مقرر کیا ہے۔ بلکہ پہلے فقرہ سے علیحدہ ہے۔ اور ان معنوں میں ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس زمانہ میں قومی ترقی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور تیسرا یعنی یہ فقرہ کہ "اب حج کا مقام قادیان ہے"۔ یہ چشتی۔ قادری۔ فاروقی۔ ام۔ اے ایل ایل۔ بی۔ جدید تعلیمیافتہ نوجوان محقق برنی صاحب علیگ پروفیسر معاشیات کے بے جا جوشِ تحقیق کا باطل نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو اس موقع پر ہے۔ اور نہ کسی اور کتاب میں۔ یہ بالکل ہی غلط ہے۔ ایسا کہ برنی صاحب بالقابہ کو کبھی وہ

دن میسر نہیں آسکتا۔ جس میں آنجناب فضیلت مآب یہ فقرہ "برکات خلافت" یا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کسی کتاب میں بھی دکھا سکیں۔ اور جیسا کہ حضور کی طرف فقرہ مذکورہ منسوب کیا جانا لغو و باطل ہے۔ ویسا ہی اس فقرہ کے لئے "برکات خلافت" کے صفحہ ۱۰۵ کا حوالہ دیا جانا بھی لغو و باطل ہے۔ کیونکہ "برکات خلافت" صرف ۱۳۸ صفحہ کی کتاب ہے۔ پھر اس میں صفحہ ۱۰۵ کہاں سے آسکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو خطبہ شامل ہے۔ وہ صرف آٹھ صفحہ کا ہے۔

پھر محقق صاحب بالقابہ نے "تالیف برنی کے صفحہ ۲۰۵ میں معیار الاخبار صفحہ ۱۱ کے حوالے سے ایک عبارت پیش کی ہے۔ لیکن وہ معیار الاخبار کے اس صفحہ میں موجود نہیں ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہے۔ کہ محقق برنی صاحب چشتی۔ قادری فاروقی۔ ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی علیگ نے کتابوں کے حوالجات ایسے غلط اور فرضی دئے ہیں۔ کہ جو کتابیں بچشم خود دیکھی ہوں۔ انسان ان کے حوالے دینے میں ایسی غلطیاں کبھی نہیں کیا کرتا۔

"علمی تحقیقات" کا دعویٰ سراسر باطل ہے

یہ پانچوں ثبوت دیکھ لینے کے بعد ہر منصف مزاج و حق پسند اس اقرار پر مجبور ہوگا۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی (علیگ) پروفیسر معاشیات نے وہ کتابیں جن کے مطالعہ پر آپ کی "علمی تحقیقات" کا دارومدار تھا دیکھی تک نہیں ہیں۔ اور ان کے جو حوالے آپ نے دئے ہیں۔ وہ اصل کتابوں میں دیکھ کر نہیں دئے۔ بلکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ناقابل التفات مخالفوں کی باطل تحریروں میں

جو کچھ پایا وہ بے تامل نقل کر دیا ہے۔

محقق برنی صاحب کے عذرات خام

عالی جناب محقق برنی صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰ و ۱۱ پر بڑے کرّوفر اور طمطراق سے یہ تعلیانہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ آپ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لٹریچر کا "بصبر و استقلال" اور "غور و خوض" سے مطالعہ کر کے "خود بانی مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے وہ مخصوص اعتقادات جو لوگوں سے تقریباً مخفی ہیں پیش کئے ہیں۔ مگر جب آپ کے اس دعوے کی حقیقت آپ کی کتاب کے چند غلط حوالے ایک رسالہ میں شائع کر کے پبلک پر ظاہر کی گئی۔ تو آپ نے اس پر پردہ ڈالنے کی غرض سے ایک اور رسالہ "قادیانی جماعت" کے نام سے شائع کیا۔ جس کے صفحہ ۱۵ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"قادیانی صاحبان نے بڑی چھان بین کر کے چند حوالے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ فلاں مقام پر صفحہ کا نمبر غلط ہے فلاں لفظ کے نقطے چھوٹ گئے ہیں۔ فلاں جملہ کے اعراب رہ گئے ہیں۔ اور فلاں لفظ کا املا بدل گیا ہے۔ اگر قادیانی صاحبان انصاف پسند ہوتے۔ تو ہم کو داد دیتے۔ کہ بر وقت کتابیں نہ ملنے پر بھی تھوڑے سے عرصہ میں ہم نے اتنے صحیح اقتباسات حاصل کر لئے۔ کہ پوری کتاب میں بڑی تلاش کے بعد صرف چند سرسری غلطیاں مخالفین کو مل سکیں۔ اگر وہ خود بھی تالیف و طباعت کا کچھ ذاتی تجربہ رکھتے۔ تو ایسے خفیف اعتراض تحریر میں نہ لاتے۔ اگر کتابیں ملنے میں دقت

نہ ہوتی۔ تو ایسی تکلیف فرمائی کی نوبت نہ آتی"!

ناظرین آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ پہلے تو جناب محقق صاحب کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ آپ "جو عجیب وغریب انکشافات" اور "راز سربستہ" پبلک میں لا رہے ہیں۔ وہ ایسے ہیں۔ جن کا سوائے آپ ایسے گہری نگاہ رکھنے والے محقق کے کسی دوسرے کو "قادیانی لٹریچر" سے پتہ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ اس میں "اس درجہ تضاد۔ ابہام اور التباس ہے۔ کہ اکثر مباحث، بھول بھلیاں نظر آتے ہیں۔ عقل حیران اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے"۔ (تالیف برقی صفحہ ۱۰ و ۱۱) اور یہ صرف آپ ہی کا کام تھا۔ کہ یہ حقائق معلوم کر لئے۔ ورنہ اور کسی کی کیا مجال تھی۔ کہ اس دشت پُر خار کو طے کر کے کامیابی کا منہ دیکھتا۔ لیکن جب یہ عرض کیا گیا۔ کہ آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ کی کتاب کے غلط حوالہ جات پیش کر کے یہ حقیقت بے نقاب کر دی گئی۔ کہ آپ نے اصل کتابیں پڑھنے کا تو کیا ذکر، دیکھی بھی نہیں ہیں۔ تو آپ اس سے اپنے مذکورہ بالا دعوے پر کاری ضرب لگتے ہوئے دیکھکر اس کی حیثیت اور اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس نہایت وزنی اور معقول اعتراض کو "خفیف" قرار دینے کے لئے انتہائی سادگی سے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر چند حوالے غلط ہیں تو کیا ہوا۔ بلکہ اُلٹا ہم سے داد کے طالب ہیں گویا ہمیں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا۔ کہ آپ نے صرف اسی قدر حوالے غلط درج کئے۔ ورنہ اگر آپ اس سے بہت زیادہ حوالے بھی غلط درج فرماتے تو بھی کیا مضائقہ تھا۔ اور جیسا کہ آپ نے ۱۳۸ صفحہ کی کتاب "برکات خلافت" کے صفحہ ۵۰۱ کا حوالہ دیکر یہ فقرہ تصنیف فرما دیا ہے۔ کہ "اب حج کا مقام قادیان ہے"۔ یا صرف ۱۵ صفحہ کی کتاب

سیرۃ الابدال کے صفحہ ۱۹۳ کا حوالہ دے کر ایک ایسی عبارت درج کر دی ہے۔ جس کا اس میں کہیں پتہ نہیں۔ یا میر مدثر شاہ صاحب کے رسالہ "عقائدِ محمودیہ" کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا مصنفہ قرار دے دیا ہے۔ یا اسی قسم کی اور کارروائیاں کی ہیں۔ اسی طرح اگر اور فقرے تصنیف فرما کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کے کسی اور رسالہ کا حوالہ دیدیتے۔ اور مخالفین کی کتابوں کو حضور کی مصنفہ کتب بنا دیتے۔ تو کون روک سکتا تھا۔ اور اس سے آنجناب کی شانِ محققیت پر کون سا حرف آ جاتا۔ یہ تو آنجناب کا سراسر احسان ہے۔ کہ اس قدر غیر معمولی درگذر سے کام لیا۔

اب ہر صاحب انصاف آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب علیگ چشتی قادری فاروقی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کی یہ طرزِ عمل اپنے اندر کہاں تک معقولیت رکھتی ہے۔ اور اس کو دیانت و محققیت سے کون سا تعلق ہے۔ حوالہ جات درج کرنے میں آپ کی جو غلطیاں ظاہر کی گئی تھیں۔ ان سے مقصد یہ تھا۔ کہ آپ کے اس ادعائے باطل کی اصلیت آشکار ہو جائے۔ کہ آپ نے سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر "غور و خوض" اور "صبر و استقلال" سے پڑھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے آپ کی کتاب کے غلط حوالہ جات کا پبلک کے سامنے رکھ دینا ہی سب سے بڑا اور بہتر ذریعہ تھا۔ چنانچہ اسی سے کام لیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں حوالجات کے متعلق آپ کی ایسی دُور از انصاف اور لغو و باطل کارروائیاں پیش کی گئیں۔ کہ کسی حق پسند و منصف مزاج کے لئے لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لیکن باوجود اس کے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب بالقابہ فرماتے ہیں۔ کہ "پوری کتاب میں بڑی تلاش کے بعد صرف چند سرسری غلطیاں مخالفین کو

نہ ہوتی۔ تو ایسی تکلیف فرمائی کی نوبت نہ آتی"!!

ناظرین آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ پہلے تو جناب محقق صاحب کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ آپ "جو عجیب وغریب انکشافات" اور "راز سربستہ" پبلک میں لا رہے ہیں۔ وہ ایسے ہیں۔ جن کا سوائے آپ ایسے گہری نگاہ رکھنے والے محقق کے کسی دوسرے کو" قادیانی لٹریچر" سے پتہ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ اس میں" اس درجہ تضاد۔ ابہام اور التباس ہے۔ کہ اکثر مباحث بھول بھلیاں نظر آتے ہیں۔ عقل حیران اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے"۔ (تالیف ہذا صفحہ ۱۰۱) اور یہ صرف آپ ہی کا کام تھا کہ یہ حقائق معلوم کرتے۔ ورنہ اور کسی کی کیا مجال تھی۔ کہ اس دشت پُرخار کو طے کر کے کامیابی کا منہ دیکھتا۔ لیکن جب یہ عرض کیا گیا۔ کہ آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ کی کتاب سے غلط حوالہ جات پیش کر کے یہ حقیقت بے نقاب کر دی گئی۔ کہ آپ نے اصل کتابیں پڑھنے کا تو کیا ذکر دیکھی بھی نہیں ہیں۔ تو آپ اس سے اپنے مذکورہ بالا دعوے پر کاری ضرب لگتے ہوئے دیکھکر اس کی حیثیت اور اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس نہایت وزنی اور معقول اعتراض کو" خفیف" قرار دینے کے لئے انتہائی سادگی سے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر چند حوالے غلط ہیں تو کیا ہوا۔ بلکہ اُلٹا ہم سے داد کے طالب ہیں گویا ہمیں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا۔ کہ آپ نے صرف اسی قدر حوالے غلط درج کئے۔ ورنہ اگر آپ اس سے بہت زیادہ حوالے بھی غلط درج فرماتے تو بھی کیا مضائقہ تھا۔ اور جیسا کہ آپ نے ۱۳۸ صفحہ کی کتاب" برکات خلافت" کے صفحہ ۴۰۵ کا حوالہ دیکر یہ فقرہ تصنیف فرما دیا ہے۔ کہ" اب حج کا مقام قادیان ہے"۔ یا صرف ۱۵ صفحہ کی کتاب

سیرۃ الابدال کے صفحہ ۱۹۳ کا حوالہ دے کر ایک ایسی عبارت درج کر دی ہے۔ جس کا اس میں کہیں پتہ نہیں۔ یا میر مدثر شاہ صاحب کے رسالہ "عقائد محمودیہ" کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا مصنفہ قرار دے دیا ہے یا اسی قسم کی اور کارروائیاں کی ہیں۔ اسی طرح اگر اور فقرے تصنیف فرما کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کے کسی اور رسالہ کا حوالہ دیدیتے۔ اور مخالفین کی کتابوں کو حضور کی مصنفہ کتب بتا دیتے۔ تو کون روک سکتا تھا۔ اور اس سے آنجناب کی شان محققیت پر کون ساحرف آجاتا۔ یہ تو آنجناب کا سراسر احسان ہے۔ کہ اس قدر غیر معمولی درگزر سے کام لیا۔

اب ہر صاحب الانصاف آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب علیگ چشتی قادری فاروقی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کی یہ طرز عمل اپنے اندر کہاں تک معقولیت رکھتی ہے۔ اور اس کو دیانت و محققیت سے کون سا تعلق ہے۔ حوالہ جات درج کرنے میں آپ کی جو غلطیاں ظاہر کی گئی تھیں۔ ان سے مقصد یہ تھا۔ کہ آپ کے اس ادعائے باطل کی اصلیت آشکار ہو جائے۔ کہ آپ نے سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر "غور و خوض" اور "صبر و استقلال" سے پڑھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے آپکی کتاب کے غلط حوالہ جات کا پبلک کے سامنے رکھ دینا ہی سب سے بڑا اور بہتر ذریعہ تھا۔ چنانچہ اسی سے کام لیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں حوالجات کے متعلق آپ کی ایسی دور از انصاف اور لغو و باطل کارروائیاں پیش کی گئیں۔ کہ کسی حق پسند و منصف مزاج کے لئے لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن باوجود اس کے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب بالقابہ فرماتے ہیں۔ کہ "پوری کتاب میں بڑی تلاش کے بعد صرف چند سرسری غلطیاں مخالفین کو

ل سکیں۔ اگر وہ خود بھی تالیف و طباعت کا کچھ ذاتی تجربہ رکھتے۔ تو ایسی خفیف اعتراض تحریر میں نہ لاتے ۔"

عذر گناہ بدتر از گناہ

لیکن آنجناب کا یہ ارشاد بے بنیاد عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کیونکہ چھوٹی تقطیع کے ۱۱۶ صفحہ کے رسالہ میں حوالجات کی اس قدر غلطیوں کو جن میں سے بعض کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اور بعض کا ذکر انشاء اللہ آئندہ بھی کیا جائے گا "چند سرسری اور پھر" تالیف و طباعت" کی غلطیاں قرار دینا جناب برنی صاحب جیسے محقق ہی کی شان محققانہ کا کرشمہ ہو سکتا ہے ۔

اب ان جدید تعلیم یافتہ محقق اور علمی محاسب، اور تالیف و طباعت کے ذاتی تجربہ کار صاحب سے کون پوچھے۔ کہ تالیف و طباعت کی سرسری غلطیاں کیا ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ کہ مقابل کی تحریر میں وہ باتیں بتادی جائیں۔ جن کا ان میں کہیں نام و نشان بھی نہ ہو۔ پوری کی پوری کتابیں جو ہوں تو کسی اور کی تصنیف اور منسوب کر دی جائیں کسی اور کی طرف۔ اگر یہی کتابت کی سرسری غلطیاں ہیں۔ اور ان کو دنیا کے سامنے رکھنے کا نام خفیف اعتراض کرنا ہے۔ تو پھر محققیت بہت ہی آسان چیز ہے۔ ناظرین ذرا محقق صاحب بالقابہ کے اغلاط حوالجات کو جو بطور نمونہ ہم نے اوپر پیش کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور پھر آنجناب کے اس ارشاد پر نظر ڈالیں۔ کہ قادیانی صاحبان نے بڑی کوشش کے بعد پوری کتاب میں صرف چند سرسری غلطیاں نکال پائی ہیں۔ کہ فلاں مقام پر صفحہ کا نمبر غلط ہے۔ فلاں لفظ کے نقطے چھوٹ گئے ہیں۔ فلاں جملہ کے اعراب رہ گئے اور فلاں لفظ کا املا بدل گیا ہے۔ تا یہ امر اچھی طرح ظاہر ہو جائے۔ کہ محقق صاحب کو تحقیق ہی میں کمال حاصل نہیں ہے۔ بلکہ

راست گوئی میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند ہے ؎

قابلِ شرم تو ہے ذکرِ جفائے بیجا
مگر آتا بھی ہو جب اُنکو پشیماں ہونا

عُذرِ نامعقول

رہا یہ عذر کہ" اگر کتابیں ملنے میں دِقّت نہ ہوتی - تو ایسی تکلیف فرمائی کی نوبت نہ آتی" اس کے متعلق گذارش ہے - کہ یہ عذر تو صرف اسی وقت تک معقول ہو سکتا تھا - جب تک کہ آپ کو کتابیں نہیں ملی تھیں - مگر جب مل گئیں - (خواہ بقول خود بہ دِقّت ہی ملیں) اور آپ نے ان کا بغور و خوض مطالعہ بھی فرما لیا - تو پھر ان کے حوالہ جات غلط درج کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے - مثلاً جب" برکات خلافت" آپ کو مل گئی تھی - تو آپ نے اس کے حوالے سے یہ فقرہ کہ" اب حج کا مقام قادیان ہے" کس طرح درج کیا - اور جبکہ وہ صرف ۱۳۸ صفحہ کی کتاب ہے - آپ نے اس کے صفحہ ۶۰۵ کا حوالہ کہاں سے دیا - یا" کلمۃ الفصل" اور" عقائد محمودیہ" جب آپ کے ہاتھ آگئی تھیں - تو آپ نے ان کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصانیف کیوں بتایا - کیا" برکات خلافت" میں یہ فقرہ درحقیقت موجود ہے - کہ" اب حج کا مقام قادیان ہے" - اور" خدا تعالےٰ نے قادیان کو اس کام (یعنی حج) کے لئے مقرر کیا ہے - اور کیا" کلمۃ الفصل" اور" عقائد محمودیہ" واقعی حضرت خلیفۃ المسیح کی کتابیں ہیں ؟ پس یا تو آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا - کہ آپ کے پاس سلسلہ عالیہ احمدیہ کی وہ کتابیں جن سے آپ نے اپنی کتاب میں حوالہ جات درج کئے ہیں موجود نہیں تھیں - اور اس صورت میں آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ نے" بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے صاحبزادے میاں مرزا

بشیر الدین محمود احمدؐ صاحب خلیفہ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے وہ مخصوص اعتقادات جو لوگوں سے تقریباً مخفی ہیں "پیش کئے ہیں۔ غلط اور باطل ٹھہرے گا۔ اور یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آپ کے پاس کتابیں تو موجود تھیں۔ مگر آپ نے حوالہ جات عمداً غلط نقل کئے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خود فقرات تصنیف فرما کر دوسروں کی طرف منسوب کر دئے ہیں۔ کیونکہ غلط حوالہ جات کی تعداد اتنی زیادہ ہے۔ اور وہ اس قسم کے ہیں کہ نہ تو ان میں نسیانِ مصنف کا امکان ہے۔ نہ سہو کاتب کا۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جو بھی آپ تسلیم کریں گے۔ وہ آپ کی شانِ محققانہ کا آئینہ بن کر رہے گی ؛

"رسّی جل گئی پر بل نہ جلا" ایڈیشن دوم میں آپ نے بالآخر اپنی مذکورہ بالا غلطیوں کا اقرار کر لیا ہے۔ چنانچہ اس کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا ایڈیشن بدرجہ مجبوری عجلت میں شائع ہوا۔ اس لئے نسبتاً سرسری اور نامکمل تھا۔ چنانچہ خود قادیانی صاحبان کو بھی اس کے متعلق قلّتِ تحقیق کی شکایت تھی۔ اب دوسرے ایڈیشن میں . . . . . . کتابت کی غلطیاں اور طباعت کی خامیاں رفع ہو گئیں۔ . . . . حوالہ جات بھی بخوبی واضح ہو گئے۔"

دیکھا آپ نے ہمارے نوجوان محقق کو اپنی تحقیق کے سرسری اور نامکمل ہونے کا کس طرح بادل نخواستہ چار و ناچار اقرار کرنا ہی پڑا۔ مگر اس بات پر اب بھی آپ کو اصرار ہے۔ کہ حوالہ جات کی غلطیوں کا باعث کتابت اور طباعت کی خامیاں ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ رسّی جل گئی پر بل نہ جلا۔

ناظرین انصاف فرمائیں۔ کہ کیا یہ مثل پروفیسر برنی صاحب پر صادق نہیں آتی؟ دوسرے ایڈیشن میں گو آپ نے ایک حد تک پہلے ایڈیشن کے اغلاط درست کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کی بجائے اور بہت سی ایسی ہی غلطیاں کی ہیں۔ اور اگر کتاب کا حجم بڑھ جانے کا خیال مانع نہ ہوتا۔ تو ہم ان کے بھی اسی قسم کے نقشے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے جس قسم کے پہلے ایڈیشن کی اغلاطیوں کے پیش کر چکے ہیں۔ پس جیسے ہمیں پہلے ایڈیشن کے متعلق عدم تحقیق کی شکایت تھی ویسے ہی دوسرے ایڈیشن کے متعلق ہے۔ اور یہ شکایت اس وقت تک قائم رہے گی۔ جب تک کہ جناب پروفیسر برنی صاحب ایک محقق کے حقیقی فرائض ادا نہیں کریں گے:

ایک محقق کے فرائض اور برنی صاحب کی کوتاہیاں

یہاں تک ہم نے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ برنی صاحب بالقابہ نے ایک حقیقی محقق کے فرائض میں سے جو سب سے اہم اور اوّلین فرض تھا۔ وہ بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مگر جیسا کہ اصحاب علم و فہم پر روشن ہے۔ ایک حقیقی محقق کے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فرائض ہیں۔ اور وہ بھی اپنی اپنی جگہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے۔ مگر نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ جناب برنی صاحب محقق (علیگ) نے ان کے ساتھ بھی یہی ناجائز سلوک کیا ہے۔ اور وہ فرائض مختصراً حسب ذیل ہیں:

۱۔ دوران تحقیق میں مخالفت و موافقت دونوں سے خالی الذہن رہنا۔ اور خواہ کیسی ہی موافقت یا مخالفت کیوں نہ ہو معاملۂ زیر تحقیق میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا:

۲۔ کسی فقرے کے معنی کرنے میں اسکے سابقہ و لاحقہ مضامین کو ملحوظ رکھنا:

۳۔ کسی محتمل کلام یا محتمل عبارت کے وہ معنی نہ لینا جو منشائے متکلم و منشائے صاحب عبارت کے خلاف ہوں۔ اور انہیں معنی کو منشائے متکلم کے موافق سمجھنا جو اس کے متفرق مقامات کی تصریحات سے ثابت ہوتے ہوں۔

۴۔ جس کے دعاوی اور عقائد کی تحقیقات منظور ہو۔ اس کی تحریر و تقریر کو بنیاد قرار دے کر فرض تحقیقات ادا کرنا۔ دوسروں کی تحریر و تقریر اور خاصکر اسکے دشمنوں کے بیان و کلام کو اس معاملہ میں قابل اعتبار نہ سمجھنا ؛

۵۔ اسی عقیدہ اور مذہب کو کسی کا عقیدہ اور مذہب سمجھنا۔ جو خاص اس کی تحریروں یا اس کے اقوال سے ثابت ہوتا ہو۔ نہ اس کو جو اسکے دشمن اس کی طرف منسوب کر رہے ہوں ؛

۶۔ کسی کے کلام یا عبارت کے متعلق جب تک یہ شرح صدر نہ ہو جائے۔ کہ اس کے جو معنی میں سمجھا ہوں۔ وہی صحیح اور منشائے متکلم کے موافق ہیں۔ اور اس کا جو عقیدہ و مذہب میرے نزدیک ہے۔ وہی فی الحقیقت اس کا عقیدہ و مذہب ہے۔ اس وقت تک اس کے متعلق کوئی خیال قائم اور رائے ظاہر نہ کرنا ؛

ایک محقق کے فرائض کے متعلق امور تو اور بھی ہو سکتے ہیں لیکن مذکورہ بالا فرائض ایسے ہیں۔ کہ بغیر ان کے کسی مصنف کے عقیدہ و مذہب کی تحقیقات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان فرائض کے خلاف عمل کرے اس کو اور تو خواہ کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ لیکن محقق نہیں کہا جا سکتا۔ اور صفحات آئندہ میں ہم انشاء اللہ اپنے ناظرین کو یہ بتائیں گے۔ کہ جناب مؤلف صاحب برنی نے ایک حقیقی محقق کے ان فرائض سے کس طرح بے پروائی اور بے اعتنائی برتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ خود بآسانی اس امر کا

فیصلہ کر سکیں گے۔ کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ مدعی تحقیق نوجوان جناب برنی صاحب ایم۔اے (علیگ) کو کہاں تک حق پہنچتا ہے۔ کہ محقق کے معزز لقب کا اپنے آپ کو مصداق و مورد قرار دیں۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم علیہ توکلنا نعم المولیٰ ونعم النصیر ؂

تالیف برنی کے مضامین کا خلاصہ

جناب برنی صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب ایک مقدمہ۔ ایک تمہید۔ پانچ فصلوں اور ایک تتمہ پر تقسیم کی ہے۔ تمہید میں کتاب کی فصلوں کے مضامین اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ مقدمہ کا مضمون وہی ہے۔ جو آگے چل کر فصل اول و فصل دوئم میں مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے مقدمہ کے علیحدہ جواب کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کا جتنا حصہ فصل اول سے متعلق ہے۔ اس کا جواب فصل اول کے جواب میں آ جائے گا۔ اور جتنا حصہ فصل دوئم سے متعلق ہے۔ اس کا جواب فصل دوئم کے جواب ہیں۔

فصل اول میں بارہ مختلف عنوان قائم کر کے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصانیف سے حوالہ جات پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابتدار میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا دروازہ بند سمجھتے تھے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ ولایت مجددیت۔ محدثیت اور مختلف قسم کی نبوتوں کا دعویٰ کیا۔ اور بالآخر اپنی وحی کو قرآن کریم کے مساوی اور اس کے ہم پلہ قرار دے دیا۔ اور اپنی نبوت کے بغیر نبوت محمدیہ کو ناقص بنایا۔ اور اپنے انکار و تردد کی وجہ سے

مسلمانوں کو کافر گردانا۔ یہ فصل اپنے مضامین کے لحاظ سے دوسری فصلوں سے اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ جناب مؤلف صاحب نے سب سے زیادہ اسی کے مضامین پر حاشیے چڑھائے ہیں ؛

فصل دوئم میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کے متعلق چند اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔ یہ فصل درحقیقت فصل اول کا ضمیمہ ہے ؛

فصل سوئم اور چہارم میں کسی ایک مسئلہ پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی چند ایسی تحریریں درج کی گئی ہیں۔ جن میں مختلف مسائل اور عقائد بیان ہوئے ہیں۔ اور جناب مؤلف صاحب کو ان سے اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "آخری فیصلہ" کا بھی ذکر کیا گیا ہے ؛

فصل پنجم کو جناب مؤلف صاحب نے خاتمۂ کتاب قرار دیا ہے۔ اور اس میں نہ صرف جماعت احمدیہ کے دو فریقوں یعنی غیر مبائعین اور مبائعین کے عقائد کا فرق ظاہر کیا ہے۔ اور آخر میں "قرآنی تنبیہہ" کے عنوان سے سورہ توبہ ع۱۳ کی آیت نمبر ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ لکھ کر یہ بتایا ہے۔ کہ آپ نے "ایک خاص وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر مرزائی صاحبان کے بارہ میں قرآن کریم سے حقیقت حال دریافت کی" تو یہ آیات بطور فال نکلیں ؛

تتمہ میں وہ حوالجات درج کئے ہیں۔ جو بقول جناب مؤلف صاحب

"غفلت کار کی وجہ سے اصل کتاب میں درج ہونے سے رہ گئے تھے"
اور اس میں گذشتہ فصلوں کے مضامین دُہرائے گئے ہیں۔ کوئی نئی بات پیش نہیں کی گئی۔ اس لئے اس کا جواب بھی علیحدہ دئے جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کا جو حصہ جس فصل سے متعلق ہے۔ اسی کے جواب میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

دوسرے ایڈیشن میں آپ نے مذکورہ بالا ترتیب تبدیل کر دی ہے اس کا حجم بھی پہلے کی نسبت بڑھا دیا ہے۔ اور فصلیں پانچ کی بجائے گیارہ کر دی ہیں۔ ان میں بے معنی عنوانات کی بھرمار تو بے شک ہے۔ مگر مضامین میں کوئی خاص زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ تاہم زائد مضامین کا جواب ضمناً مناسب موقعہ پر شامل کر دیا گیا ہے۔ اور بعض کا جواب علیحدہ بطور ضمیمہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اصولی طور پر آپ کا کوئی اعتراض بلاجواب نہیں رہ گیا۔ گویا حساب بالکل بے باق ہو گیا ہے ؎

تالیف برنی کی نُدرت

تالیف جناب محقق برنی صاحب کی بڑی نُدرت یہ ہے۔ کہ اسمیں کوئی ترتیب مدنظر نہیں رکھی گئی۔ اور اکثر مقامات پر صرف دل خراش اور دل آزار عنوان قائم کر کے اُن کے ذیل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز یا دیگر اصحاب کی تحریروں سے قطع و بُرید کے ساتھ اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ اور اس امر کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔ کہ ان تحریروں پر کس لحاظ سے اعتراض ہے۔ آخر ایک مصنّف یا مؤلف کا صرف یہی فرض تو نہیں ہے۔ کہ قطع و برید کے ساتھ چند اقتباسات جمع کر کے ان پر دلآزار عنوان قائم کر دے۔ بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ

جس مقصد سے وہ اقتباسات نقل کئے ہوں۔ وہ بھی ظاہر کرے۔ اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کی تحریر مقولہ مشہورہ المعنی فی بطن القائل کا مصداق ہوگی۔ چنانچہ یہی حال محقق برنی صاحب بالقابہ کی تالیف کا ہے۔ اسے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بغیر اظہار مطلب مختلف کتابوں کی اقتباسات منتشر اور پراگندہ حالت میں پیش کر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور جہاں جس بات کا خیال آگیا ہے۔ بلا لحاظ مناسبت مقام و موقعہ وہ وہیں درج کر دی ہے۔ حالانکہ تالیف برنی میں جناب محقق صاحب ایک مشاق مصنف و مؤلف اور مترجم ظاہر کئے گئے ہیں۔ محقق صاحب بالقابہ کی پراگندگیٔ تحریر کی وجہ یہ ہے۔ کہ آنجناب نے خود کتب سلسلہ عالیہ احمدیہ کا مطالعہ کرکے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی ہے۔ بلکہ مخالفین سلسلہ کی چند نہایت ہی عامیانہ و سوقیانہ کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ اور جو اُمور ان میں ہمارے خلاف زیادہ نفرت خیز و اشتعال انگیز نظر آئے ہیں۔ وہ بغیر کسی تفتیش و تحقیق کے نوٹ کر لئے۔ اور بلا کسی ترتیب و نظام کے کتابی صورت میں شائع کر دئے ہیں۔ یہ تو معلوم ہی تھا۔ کہ "قادیانی صاحبان" کے خلاف جو کچھ بھی لکھا جائے گا۔ وہ خواہ کیسا ہی بے حقیقت کیوں نہ ہو۔ مگر اس طبقہ میں تو ضرور ہی مقبول ہوگا۔ جس کو حق و باطل کی تحقیق سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور جو اپنے مخالف کے خلاف ہر بات پر خواہ وہ کیسی ہی لچر اور رکیک کیوں نہ ہو واہ واہ کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اس لئے کتاب کو بامعنی بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور یہ زحمت اُٹھانے کے بغیر ہی آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔ چنانچہ جہاں آپ اپنی کتاب کی خود تعریف فرماتے ہیں۔ وہاں دوسروں کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ "مسلمانوں میں اس کی دھوم مچ گئی۔"

اور" انصاف پسند لوگوں نے اس کی متانت اور جامعیت کی داد دی "
(رسالہ قادیانی جماعت صفحہ ۷ و ٹائٹل پیج)

محقق صاحب کی شان تحقیق کا جب یہ عالم ہے۔ کہ آنجناب مخالف کی تحریروں میں صرف قطع و برید کرنے اور اس کے منشا کے خلاف معنی لینے پر ہی اکتفا نہیں فرماتے۔ بلکہ اس کی طرف لغو و باطل عقائد منسوب کرنے کے شوق میں خلاف تعلیم اسلام خود کفر یہ فقرے گھڑ کر اس پر ان فقروں کے لکھنے کا اتہام لگاتے ہیں۔ اور پھر اس پر بھی تسکین نہ پاکر دوسروں کی لکھی ہوئی پوری پوری کتابیں اس کی طرف منسوب کرتے یعنی اس کی مصنفہ بتاتے ہیں۔ تو پھر اگر وہ اپنی اس کتاب کی جو ان تمام کارروائیوں کا مجموعہ ہے اپنی ہی زبان سے تعریف بھی فرمائیں۔ تو اس پر کسی کو کیا تعجب ہو سکتا ہے:

رہا محقق صاحب کا یہ ارشاد کہ "مسلمانوں میں اس کی دھوم مچ گئی" اور" انصاف پسند لوگوں نے اس کی متانت و جامعیت کی داد دی" تو یہ دھوم انہیں مسلمانوں میں مچی ہوگی۔ اور انہیں انصاف پسندوں نے اس کی متانت و جامعیت کی داد دی ہوگی۔ جو اختلاف عقیدہ رکھنے والے کے خلاف ہر اعتراض پر خواہ وہ کیسا ہی لغو و بے بنیاد کیوں نہ ہو۔ بیجا و درست کی دھوم مچانے کو سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ یا پھر یہ دھوم اُن میں مچی ہوگی اور محقق صاحب کو دادِ متانت و جامعیت اُن حضرات نے دی ہوگی جنہوں نے سادگی یا حُسن ظن سے یہ خیال کر لیا ہوگا۔ کہ تالیف برنی میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ دیانت و انصاف سے لکھا گیا ہے۔ ورنہ منصف مزاج و حق پسند اور فریقین کے اقوال کا مقابلہ کرکے فیصلہ کرنے والوں میں سے کسی کا تالیف برنی جیسی کتاب پر جس کی حالت بطور نمونہ اوپر ظاہر ہو چکی ہے۔

اور تفصیل کے ساتھ اب سامنے آئے گی۔ دھوم مچانا اور دادِ متانت و جامعیت دینا تو معلوم ؛

تالیف برنی کے اُلٹے نتائج

دوسرے ایڈیشن میں آپ نے اپنی تالیف کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے ایک نہایت مزے کی بات لکھی ہے۔ جس سے ناظرین کو روشناس کرانا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مارچ ۱۹۳۴ء میں ایک خطبہ جمعہ کے دوران میں اپنی جماعت کو بیدار کرتے ہوئے فرمایا: "آجکل احمدیوں کی جس قدر مخالفت ہو رہی ہے ابتدا میں بھی شاید اتنی نہ ہوئی ہو۔ . . . .
مگر جماعت بوجہ ان فتوحات کے جو اللہ تعالٰی کے فضل سے اُسے نصیب ہو رہی ہیں۔ اسے محسوس نہیں کرتی . . . .
سب چھوٹے اور بڑے اس وقت ہماری مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ احمدیت کے ابتدا میں انگریز مخالف نہ تھے سوائے چند ابتدائی ایام کے جبکہ وہ مہدی کے لفظ سے گھبراتے تھے۔ مگر اب تو وہ بھی مخالف ہو رہے ہیں . . . .
پھر خود ہمارے اندر منافقوں کا ایک جال ہے۔ جو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ . . . . . ان سب چیزوں کو دیکھکر میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں۔ کہ گویا ایک چھوٹی سی جماعت کو چاروں طرف سے ایک فوج گھیرتی چلی آرہی ہے۔"

یہ خطبہ تفصیل سے اخبار الفضل مجریہ ۱۵ / مارچ ۱۹۳۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جو کہیں سے محقق برنی صاحب بالقابہ کے ہاتھ بھی لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ آپ کو اپنی کتاب کی اہمیت جتلانے کے لئے اچھا خاصہ مواد مل گیا۔

چنانچہ آپ اس مخالفت کو اپنی تالیف کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"بڑے بڑے نیک خیال چونک پڑے۔ عام طبقوں میں بیداری پیدا ہو گئی۔ مزید برآں ملک کے معتبر اور مقتدر اخبارات و رسائل نے بھی ہلچل ڈالدی۔ چنانچہ خاصی زد پڑی۔ ہوا پلٹ گئی۔ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان سے بڑھکر قادیانی جماعت کی اندرونی حالت سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ صاحب موصوف نے موجودہ حالت کا جو فوٹو کھینچا ہے۔ واقعی قابل عبرت ہے۔" (تالیف برنی طبع دوئم ص۱۲)

اور اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مذکورہ بالا خطبہ سے اقتباس درج کر کے لکھتے ہیں:-

"اوپر جو کچھ بیان ہوا اس کا منشا یہ ہے۔ کہ کتاب کی اشاعت کے بعد اب تک اندرون سال جو حالات رُونما ہوئے۔ اُن کی مختصر کیفیت پیش نظر ہو جائے۔ اور آئندہ تاریخ کے سلسلہ میں کام آئے۔" (تالیف برنی طبع دوئم ص۱۴)

اللہ اللہ ایک بے معنی اور بے ربط مجموعۂ اباطیل پر اس قدر فخر و ناز۔ اور اس کے نتائج کے متعلق اتنی مبالغہ آمیزی کہ اسے ایک تاریخی کارنامہ اور جماعت احمدیہ کی عام مخالفت کا واحد سبب قرار دیا جا رہا ہے۔ ہم حیران ہیں۔ کہ جناب محقق صاحب برنی بالقابہ کے اس ناز بے جا کے اظہار کو آپ کی سادگیٔ طبع پر محمول کریں یا بے باکی پر۔ کیونکہ ایسی حرکت کا مرتکب یا تو انتہائی سادہ لوح اور بر خود غلط انسان ہو سکتا ہے۔ اور یا پھر انتہائی چالاک جسے پبلک کو دھوکہ دینے کے لئے شرم و حیا بالائے طاق

رکھ کر کذب جیسی نجس اور مکروہ چیز پر مُنہ مارنے سے بھی باک نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے مذکورہ بالا خطبہ میں جماعت احمدیہ سے انگریزوں کے مخالف ہو جانیکا ذکر بھی کیا ہے۔ اب اگر خدا تعالےٰ جدید تعلیم یافتہ پروفیسر برنی صاحب کو سوچنے کی توفیق دے۔ تو وہ غور کریں۔ کہ جماعت احمدیہ سے انگریزوں کی مخالفت کا باعث آپکی تصنیف لطیف کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں تو آپنے کسی خاص مقصد کے پیش نظر جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن خدمات کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے ملک میں قیام امن اور حکومتِ وقت سے وفاداری کے جذبات پھیلانے کیلئے سرانجام دی ہیں۔ اس سے اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ حضور وائسرائے ہند اور دوسرے ارکان حکومت نے جناب پروفیسر برنی صاحب کی بلند پایہ شخصیت کیوجہ سے آپ کے رسالہ کو اسقدر اہم سمجھا۔ کہ اُسے اوّل سے آخر تک نہایت توجہ اور غور سے پڑھا۔ تو اسکا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ جماعت احمدیہ کی حمایت کرتے۔ نہ کہ اسکی مخالفت۔ کیونکہ جب وہ یہ دیکھتے۔ کہ پروفیسر صاحب موصوف جیسے لوگ بھی اب اس جماعت کو حکومت کی وفاداری کیوجہ سے مطعون کرنے لگے ہیں۔ تو طبعاً اُنکے دلوں میں اُسکی ہمدردی پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ پھر یہ کیا اُلٹی بات ہے۔ کہ بجائے ہمدردی اور حمایت کرنیکے وہ اُسکے دشمن اور مخالف ہو گئے۔ یہ تو ایسا فلسفہ ہے۔ جسے محقق برنی صاحب بالقابہ کے سوا کوئی دوسرا سمجھنے سے قاصر ہے۔ کیا ہم امید کریں۔ کہ وہ اس پر روشنی ڈالینگے۔ دیدہ باید

اس مختصر تمہید اور تالیف برنی صاحب بالقابہ کے دونوں ایڈیشنوں پر سرسری نظر اور تبصرہ کے بعد ہم خدا تعالےٰ کے فضل و کرم اور اُسکی مدد اور نصرت پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کا جواب لکھنا شروع کرتے ہیں۔

ربِّ تمِّم ما اردتُ واجعل برکۃً فیما قصدتُ
وآتنی ما فقدتُ وانت ارحم الراحمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و الصلوٰۃ والسلام علی عبدہ المسیح الموعود

فصل اوّل

اور اس سے متعلقہ مضامین پر تنقید

محقق برنی صاحب کا سب سے پہلا اور اہم اعتراض

جناب محقق برنی صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کی فصل اوّل و تتمۂ فصل اوّل اور مقدمہ و تمہید کے ان حصوں میں جو فصل اوّل سے متعلق ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے بڑا امر یہ بیان کیا ہے۔ کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مذہبی زندگی کے "دو دور ہیں" (تالیف برنی ص‍) اور آپ نے ان دونوں دوروں کا بار بار ذکر کر کے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ ۱۹۰۱ء میں پہلا دور ختم ہو کر دوسرا شروع ہوا ہے۔ اور اس امر کی تائید و تصدیق کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کتاب لاجواب "حقیقۃ النبوت" سے وہ ارشاد جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عقیدے کی تبدیلی کا ذکر

ہے۔ پیش کیا ہے۔ اور وہ ارشاد یہ ہے کہ" ۱۹۰۱ء میں آپ (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے عقیدے میں تبدیلی کی ہے۔ اور سن ۱۹۰۱ء ایک درمیانی عرصہ ہے۔ جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے"۔ اور اس اہتمام سے جناب محقق صاحب کا مقصود یہ ہے۔ کہ آپ دونوں دَوروں کی عبارتیں نقل کر کے ان میں اختلافات دکھائیں۔ اور اس اختلاف کو حضرت اقدس کے صادق نہ ہونے کی دلیل ٹھہرائیں۔ چنانچہ آپ نے اسی غرض سے ہر دَور کی طرف منسوب کر کے چند ایسی عبارتیں جن میں آپ کے نزدیک اختلاف و تناقض پایا گیا۔ پیش کی ہیں۔ اور ان کے پیش کرنے سے پہلے یہ لکھا ہے کہ" جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں کے مندرجہ ذیل اقتباسات پر غور کرنے سے قادیانی مذہب کے نفسیات اور باقاعدہ ارتقار کا نقشہ بخوبی ذہن میں آتا ہے۔ کہ جناب مرزا صاحب کیا تھے۔ اور ہوتے ہوتے کہاں سے کیا ہو گئے" (تالیف برقی ص۱۷) اور پھر یہ فقرہ چست کیا ہے۔ کہ " صاحب موصوف نے کیسے کیسے جدید حقائق و معارف اپنی اُمّت کو مرحمت فرمائے"۔ اور اس کے بعد حضرت اقدس کے دونوں دَوروں کے متعلق یہ ظاہر کر کے کہ ایک دَور میں خیالات کیا تھے اور دوسرے میں کیا ہو گئے۔ تالیف برقی صفحہ ۱۸ میں یہ طنز کی ہے۔ کہ" ارتقائی نبوت کی کیسی اچھی تصویر ہے"۔ اور آپ نے اپنی اس طرزِ عمل سے پوری کوشش کے ساتھ ناواقفوں میں یہ غلط فہمی پھیلانی چاہی ہے۔ کہ کسی مدعیٔ نبوت کی مذہبی زندگی کے دو دَور ہونا۔ اور دونوں دوروں کے خیالات واعتقادات میں فرق اختلاف پایا جانا۔ اور اس کا ابتدا میں کچھ ہونا۔ اور پھر ہوتے ہوتے کچھ سے کچھ ہو جانا۔

اس کے صادق نہ ہونے کی قطعی دلیل۔ اور اس کے کاذب ہونیکا یقینی ثبوت ہے۔ اور جدید تعلیمیافتہ محقق برنی صاحب بالقابہ کی یہ وہ کارروائی ہے۔ کہ یا تو مذہبیات سے اول درجہ کا ناواقف اس کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ یا پھر تمام انبیاء علیہم السلام سے عموماً اور حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً بغض و عناد رکھنے والا۔ کیونکہ نہ تو کسی مدعی نبوت کی زندگی کے دو دَور ہونا کوئی نئی بات ہے۔ اور نہ "کیا سے کیا ہو جانا" کوئی انوکھا معاملہ۔ بلکہ دنیا میں جتنے بھی نبی آئے ہیں۔ وہ سب ہوتے ہی ہوتے کیا سے کیا ہوئے ہیں۔ ایک نبی بھی ایسا نہیں۔ جس کی مذہبی زندگی کے دو دَور نہ ہوں۔ اور ان دونوں میں خیالات و عقائد کا اختلاف نہ ہو۔ یا جو ہوتے ہی ہوتے کیا سے کیا نہ ہوا ہو۔ بلکہ بیک دفعہ سب کچھ ہو گیا ہو۔

ہر نبی کی زندگی کے دو دَور ہیں

ہمارے لئے اور ان تمام لوگوں کے لئے جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور پھر ان میں سب سے بڑھ کر اور خاص طور پر حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات باصفات و بابرکات اسوۂ حسنہ ہے۔ لیکن کیا جدید تعلیم یافتہ برنی صاحب کے سوا کوئی ہے۔ جو یہ کہہ سکے۔ کہ کسی نبی یا حضرت سید النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی مذہبی زندگی کے دو دَور نہیں تھے۔ یا ان دونوں دَوروں کے خیالات و اعتقادات میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یا حضور علیہ السلام کی علمی و عملی ترقیاں تدریجی نہیں تھیں۔ اور وہ تمام علوم اور حقائق و معارف جن کے حاصل فرمانے کے بعد حضور دنیا سے رحلت فرما ہوئے ہیں۔ پہلے ہی روز حضور کو حاصل ہو گئے تھے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اور جب کوئی یہ نہیں

کہہ سکتا۔ تو پھر کس قدر قلق اور اندوہ کی بات ہے۔ کہ کوئی شخص مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوکر۔ اور مسلمانوں کی ذرّیت کہلا کر۔ ایک صادق و راستباز برگزیدۂ خدا کی مخالفت اور مخلوق کو اس سے بدظن اور متنفر کرنے کے جوش میں اس کی ایسی باتوں پر زبان طعن دراز کرے۔ اور انہیں مکروہ اور قابل نفرت پیرایہ میں دکھائے۔ جن میں تمام انبیاء شریک ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی ؂

انبیاء علیہم السلام سے اور تو خواہ کیسے ہی مطالبات کئے جائیں۔ لیکن اس مطالبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ کہ ان کے ابتدائی خیالات و اعتقادات میں اور اس کے بعد کے خیالات و اعتقادات میں اختلاف کیوں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے ارتقائی مدارج

بات یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی مرضی سے اس کی گم کردہ راہ مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے آتے ہیں۔ وہ اسی کے بُلائے بولتے۔ اور اُسی کے سمجھائے سمجھتے ہیں۔ اور وہ کسی امر کو ترک یا اختیار نہیں کرتے۔ جب تک اسے ترک یا اختیار کرنے کا انہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے حکم نہ پہنچے۔ وہ کفر و شرک اور قتل و غارت اور خلاف انصاف و دیانت امور سے تو فطرۃً ہی پاک ہوتے ہیں۔ اور ہمارے عقیدے میں یہ امور قبل از نبوت بھی ان سے سرزد نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے سوا بعض اور اعتقادی و عملی امور میں وہ اپنے زمانے کے اُس فرقہ کے ساتھ متفق ہوتے ہیں۔ جو اور فرقوں کی نسبت حق سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کی طرف سے جیسے جیسے کسی امر کے ترک یا اختیار کرنے کا حکم ملتا جاتا ہے۔ ویسے ہی ویسے وہ اُسے ترک یا اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے امور

جن کو وہ ابتداءً روایات عامہ یا اجتہادات ذاتیہ کی بنا پر صحیح سمجھتے۔ اور مان رہے ہوتے ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن کے غلط ہونے کا علم پانے کے بعد انہیں غلط سمجھنے لگتے۔ اور ترک کر دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے امور جو پہلے نہیں مانتے تھے۔ بعد کو بامر الٰہی ماننے لگتے ہیں۔ ایک امر کی حقیقت ابتدا میں تو ان کی نظر میں کچھ اور ہوتی ہے۔ اور خدا کی طرف سے انکشاف ہونے کے بعد اس کی حقیقت کچھ اور سمجھنے لگتے ہیں۔ اور یہ امر ذرا بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا ؎

اگرچہ یہ حالات کم و بیش تمام انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کی زندگیوں سے ہم بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لئے اس موقعہ پر صرف اپنے آقا و مولیٰ حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ سے چند باتیں بطور نمونہ پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتقائی حالات

بخاری شریف کتاب الایمان میں حضور علیہ السلام کی ابتدار اور انتہائے نبوت کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ حضورؐ پر نزول وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ حضورؐ جو خواب دیکھتے تھے۔ وہ طلوع صبح کی طرح سچا نکلتا تھا۔ اس کے بعد حضورؐ کو خلوت پسند ہوگئی۔ اور حضورؐ تنہا غار حرا میں جا کر رہنے لگے۔ وہاں کچھ راتیں عبادت میں بسر فرماتے۔ اور اتنے عرصہ کے لئے سامان خورد و نوش بھی ساتھ لیجاتے تھے۔ اور جب وہ ختم ہو جاتا تو واپس آکر اور سامان لے جاتے۔ حتیٰ کہ غار حرا میں ہی حضورؐ پر

امرِ حق (وحیِ الٰہی) کا ظہور ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ اور تین بار بغلگیر ہو کر حضور کو خوب بھینچا۔ اور ہر بار چھوڑ کر کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ یہ جبرائیل ہیں۔ اور وحی لے کر نازل ہوئے ہیں۔ اور میں خدا کا نبی ہوں۔ چنانچہ آپ اس واقعہ کے بعد بہت ترساں و لرزاں واپس ہوئے۔ اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگے۔ کہ مجھے کچھ اُڑھاؤ۔ مجھے کچھ اُڑھاؤ۔ اور پھر تسلّی پانے کے بعد حال بیان کر کے فرمایا۔ کہ مجھے اپنی جان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو گیا ہے۔ بی بی خدیجہ رض نے سارا حال سُنکر آپ کو تسکین دی۔ اور آپ کے اوصافِ حمیدہ بیان کر کے عرض کیا۔ کہ خدا تعالیٰ ہرگز آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور پھر وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو زمانۂ جاہلیّت میں بُت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ اور حالاتِ یہود و نصاریٰ کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حال سُننے کے بعد کہا۔ کہ جس نے آپ سے کلام کیا ہے۔ یہ وہی فرشتہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ پر نازل فرمایا تھا۔

چونکہ یہ وحی جو آپ پر نازل کی گئی تھی۔ اس میں دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ صرف آپؐ ہی سے ارشاد تھا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ یعنے پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس لئے حضورؐ نے دوسروں کو تبلیغ شروع نہیں فرمائی۔ اور مختلف روایات کے مطابق اس کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ اڑھائی یا تین سال تک بند رہا۔ (عمدۃ القاری جلد اول صفحہ ۷۳۔ و ارشاد الساری جلد اول صفحہ ۸۹) پھر جب

دوبارہ یہ سلسلہ شروع ہوا۔ اور سب سے پہلے آیت شریفہ یَاأَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک نازل ہوئی (یعنی اے کپڑے میں لپٹے ہوئے اُٹھ اور ڈرا) تو اس حکم کے بعد آپ نے دوسروں کو بھی تبلیغ شروع فرما دی۔ لیکن علانیہ نہیں بلکہ مخفی طور پر۔ اور اس مخفی تبلیغ کا سلسلہ تین برس تک جاری رہا ؛

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ عینی اور علامہ قسطلانی جو بلند پایہ محدث اور بخاری شریف کے صاحب امتیاز شارحین میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ اگر یہ سوال ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بشیر و نذیر دونوں ہی تھے۔ پھر حضورؐ کو سب سے پہلے صرف انذار یعنی ڈرانے کا حکم کیوں ہوا۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ بشارت تو ماننے والوں کے لئے ہوتی ہے۔ اور ماننے والا اس وقت کوئی تھا نہیں اس لئے صرف انذار کا حکم ہوا۔ (ارشاد الساری جلد اوّل صفحہ ۸۷ وعمدۃ القاری جلد اوّل صفحہ ۹) گویا ایک وقت تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف نذیر تھے۔ اور وہ بھی مخفی طور پر۔ پھر جب اللہ تعالٰے نے یہ حکم دیا۔ کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ؕ یعنی سنا دے کھول کر جو تجھے حکم ہوا۔ اور پرواہ نہ کر مشرکین کی۔ (سورۃ الحجر ع ۶) تو حضورؐ علانیہ لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے لگے۔ (زاد المعاد صفحہ ۲۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منازلِ ارتقا اور علامہ حافظ ابن قیم رح

اور اللہ تعالٰے نے حضورؐ پر جس طرح بتدریج احکام نازل فرمائے۔ اور پھر جس طرح حضورؐ نے ان پر عمل فرمایا۔ علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

پہلے تو آپ کو یہ حکم ہُوا۔ کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o وَذَالِكَ اَوَّلُ نُبُوَّتِہٖ ۔ اور یہ آپ کی نبوت کا آغاز تھا۔ اُس وقت آپ کو دوسروں کی تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ صرف آپ ہی کو حکم ہُوا۔ کہ پڑھو۔ پھر ارشاد ہُوا۔ یَآاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ الآیہ۔ اس میں دوسروں کے ڈرانے کا بھی حکم دیا گیا۔ ثُمَّ اُمِرَ اَنْ یُّنْذِرَ عَشِیْرَتَہٗ الْاَقْرَبِیْنَ ۔ یعنے پھر حضور کو اپنے قریبیوں کے ڈرانے کا حکم ہُوا۔ جیسا کہ آیت شریفہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ o سے ظاہر ہے۔ ثُمَّ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ ثُمَّ اَنْذَرَ مَنْ حَوْلَھُمْ مِنَ الْعَرَبِ ثُمَّ اَنْذَرَ الْعَرَبَ قَاطِبَۃً ثُمَّ اَنْذَرَ الْعَالَمِیْنَ ۔ یعنے پھر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ پھر اس کے اردگرد رہنے والے عربوں کو۔ پھر تمام عرب کو۔ جیسا کہ آیت شریفہ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰھُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ سے پایا جاتا ہے۔ پھر آپ نے تمام جہان کو ڈرایا۔ جیسا کہ آیت شریفہ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔ سے ثابت ہوتا ہے۔ فَاَقَامَ بِضْعَ عَشَرَ سَنَۃً بَعْدَ نُبُوَّتِہٖ یُنْذِرُ بِالدَّعْوَۃِ بِغَیْرِ قِتَالٍ وَّلَا جِزْیَۃٍ وَّیُؤْمَرُ بِالْکَفِّ وَالصَّبْرِ وَالصَّفْحِ ثُمَّ اُذِنَ لَہٗ فِی الْھِجْرَۃِ وَاُذِنَ لَہٗ فِی الْقِتَالِ ثُمَّ اُمِرَ اَنْ یُّقَاتِلَ مَنْ قَاتَلَہٗ وَیَکُفَّ عَمَّنْ اَعْتَزَلَہٗ وَلَمْ یُقَاتِلْہُ ثُمَّ اَمَرَہٗ بِقِتَالِ الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ الخ۔ (زاد المعاد صفحہ ۲۳۲)

یعنی پھر آپ اپنی نبوت کے تیرہ [۱۳] سال بعد تک بغیر جنگ اور جزیہ کے اپنا دعوے سُنا کر لوگوں کو ڈراتے رہے۔ اور آپ کو لڑائی سے اجتناب اور صبر اور درگذر سے کام لینے کا حکم ملتا رہا۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔

پھر یہ کہ جو آپ سے جنگ کرے۔ آپ بھی اس سے جنگ کریں۔ اور جو آپ سے جنگ نہ کرے۔ آپ بھی اس سے جنگ نہ کریں۔ پھر آپ کو مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہاں تک دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے ؛

سرورِ کائنات کی دو بعثتیں

انہیں تدریجی ترقیات پر نظر کر کے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی مشہور عالم کتاب " حجۃ اللہ البالغہ " کے صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲ میں زیر عنوان " باب اسباب اختلافات دین نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و دین الیہودیہ والنصرانیہ " تحریر فرمایا ہے۔ " اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثَ بِعْثَۃً تَتَضَمَّنُ بِعْثَۃً اُخْرٰی فَالْاُوْلٰی اِنَّمَا کَانَتْ اِلٰی بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُھُمْ فَھُمْ غَافِلُوْنَ . . . وَالثَّانِیَۃُ کَانَتْ اِلٰی جَمِیْعِ اَھْلِ الْاَرْضِ عَامَّۃً " یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت درحقیقت دو بعثتوں پر مشتمل تھی۔ پہلی بعثت تو صرف بنی اسمٰعیل کی طرف تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ (سورہ جمعہ ع) یعنی اللہ تعالےٰ نے اَن پڑھوں میں رسول بھیجا انہیں میں سے۔ اور فرمایا لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُھُمْ فَھُمْ غَافِلُوْنَ (تا اے رسول تو ڈراوے اس قوم کو جس کے باپ دادے ڈرائے نہیں گئے۔ اور وہ غافل ہے۔) اور دوسری بعثت حضورؐ کی تمام عالم کی طرف تھی ؛

:۸۸

ارتقائی ترقیات کی لطیف وجہ

اور علامہ قسطلانیؒ اور علامہ عینیؒ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیک دفعہ مقام نبوت پر فائز نہ ہونے بلکہ رویا رصالحہ اور دیگر نظاروں سے اس کی ابتدا کی ایک نہایت لطیف وجہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ بشری قویٰ یکایک نبوت کا بارگراں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے پہلے آپ پر خوابوں میں تجلّی ہوئی۔ اور نبوت کی ابتدائی باتیں پیش آئیں مثلاً خوابوں کا سچا ہونا۔ شجر و حجر کا سلام کرنا۔ اور روشنی وغیرہ کا نظارہ۔ اور جب آپ روحانی توجہ سے واقف ہو گئے۔ تو ثُمَّ اَکْمَلَ اللّٰہُ لَہٗ النُّبُوَّۃَ بِاِرْسَالِ الْمَلَکِ فِی الْیَقْظَۃِ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے بیداری میں فرشتہ بھیجکر آپ کی نبوت مکمل کر دی (عمدۃ القاری جلد اول صفحہ ۲ وارشاد الساری جلد اول صفحہ ۸۲)

مندرجہ بالا ترتیب حالات سے اچھی طرح ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی علمی و عملی ترقی فوری نہیں۔ بلکہ تدریجی طور پر آہستہ آہستہ ہوئی ہے۔ اور اکابر علما رامّت کو یہ امر مسلّم ہے :۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل کتاب سے موافقت فرمانا

علاوہ اس کے یہ امر بھی قابل لحاظ ہے۔ کہ جب تک وحی الٰہی نے فیصلہ نہ کیا۔ حضورؐ نے اکثر امور میں اہل کتاب سے موافقت فرمائی ہے۔ چنانچہ مسلم میں ہے۔ کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (باب سدل النبی شعرہ) یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان معاملات میں جن میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی علم نہ ملتا۔ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے چنانچہ جبتک

بیت اللہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم نہ ہو لیا۔ حضورؐ اہل کتاب کی طرح بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اور اسی کو قبلہ بنائے رکھا۔ بخاری شریف میں ہے۔ اِنَّہٗ صَلّٰی قِبَلَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا اَوْ سَبْعَۃَ عَشَرَ شَھْرًا (کتاب الصلوۃ باب التوجہ نحو القبلۃ) یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔

سید الانبیاءؐ کے دعاوی فضیلت میں ارتقاء

احادیث مندرجہ ذیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی ترقی تدریجی تھی۔ نہ کہ فوری چنانچہ فرمایا :-

(۱) لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۷) یعنی تم اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو۔ اور فرمایا

(۲) لَا تُخَیِّرُوْنِیْ بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ (بخاری جلد ۴۔ کتاب الدیات باب اذا لطم المسلم یہودیاً) یعنے تم مجھے دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دیا کرو۔ اور اسی سلسلہ میں فرمایا :-

(۳) مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۳ - و ترمذی جلد ۲ کتاب التفسیر سورۃ زمر) یعنی جس نے مجھے یونس بن متی سے افضل کہا۔ وہ جھوٹ بولا۔ اور حضور نے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوکر۔ جہاں یہود بکثرت آباد تھے فرمایا :-

(۴) لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی فَاِنَّ النَّاسَ یُصْعَقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاُصْعَقُ مَعَھُمْ فَاَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ یُّفِیْقُ وَاِذَا مُوْسٰی بَاطِشٌ

جَانِبَ الْعَرْشِ (بخاری جلد ۲ - باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھودی) یعنے تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ جب قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہوں گے۔ اور میں بھی اُن کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ اور میں دیکھوں گا۔ کہ موسیٰؑ عرش کے ایک پہلو کو پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور جب ایک شخص نے آپ کو" اے تمام مخلوق سے افضل" کہکر پکارا۔ تو آپ نے فرمایا:-

(۵) ذَالِکَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ (مسلم جلد ۲۔ باب فضائل ابراہیم الخلیلؑ)

یعنے تمام جہان سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور ایک اور موقعہ پر جب آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ تمام انسانوں سے زیادہ معزز و مکرّم کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا:-

(۶) اَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ (بخاری جلد ۳ کتاب التفسیر سورہ یوسف)

یعنے تمام انسانوں سے زیادہ معزز و مکرّم یوسف علیہ السلام ہیں ؟

حالانکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صرف انبیائے مذکورہ ہی سے نہیں۔ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ لیکن باوجود اس کے جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو اپنی فضیلت کا علم حاصل نہیں ہو لیا۔ آپ یہی فرماتے رہے۔ کہ ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ اور جس نے یونس بن متی سے مجھ کو افضل کہا۔ وہ جھوٹ بولا۔ اور مجھے حضرت موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔ لیکن جیسے جیسے آپ کو اپنی فضیلت کے متعلق علم ہوتا گیا۔ آپ دوسرے انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر فرماتے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

(۱) وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْبَدَا لَکُمْ مُوْسٰے

فَاتَّبَعْتُمُوْهُ ضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْكَانَ حَيًّا وَّ اَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَاتَّبَعَنِيْ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴) یعنی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر تمہارے لئے حضرت موسےٰ ظاہر ہوں۔ اور تم ان کی پیروی کرو۔ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ۔ اور اگر وہ زندہ ہوتے۔ اور میرا زمانہ نبوت پاتے۔ تو ضرور میری پیروی کرتے۔ اور فرماتے ہیں۔

(۲) لَوْكَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ[۵] یعنے اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے۔ تو بجز میری متابعت کے چارہ نہیں تھا۔ اور فرماتے ہیں :-

(۳) لَوْكَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اِتِّبَاعِيْ (ابن کثیر جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۲۴۶) والیواقیت والجواہر صفحہ ۴۹-و شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ صفحہ ۵۴ و تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۲) یعنی اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے۔ تو اُن کیلئے بجز میری متابعت کے چارہ نہ تھا۔ اور فرماتے ہیں :-

(۴) اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں آدم کے تمام بیٹوں کا سردار ہوں۔ اور میرا یہ کہنا فخریہ نہیں۔ بلکہ اظہار حقیقت الامر کے طور پر ہے۔ اور فرماتے ہیں :-

(۵) اَنَا سَيِّدُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ النَّبِيِّيْنَ (رواہ الدیلمی) یعنی میں پہلے اور پچھلے تمام انبیاء کا سردار ہوں۔ اور فرماتے ہیں :-

(۶) اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ

[۵] مرقات جلد ۵ صفحہ ۳۹۳-

بِسَوَاۂٗ تَحْتَ لِوَائِیْ (ترمذی جلد ۲۔ ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی میں قیامت کے روز تمام بنی آدم کا سردار ہوں۔ اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ اور آدم اور اس کے سوا جس قدر انبیاء ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور فرماتے ہیں:۔

(۷) اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۱۴ بحوالہ ترمذی) یعنی میں تمام رسولوں کا قائد ہوں۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ اور میں خاتم النبیین ہوں۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ اور میں ایسا شافع ہوں۔ کہ جس کی شفاعت منظور فرمائی جائے گی۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ اور فرماتے ہیں:۔

(۸) اَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰی رَبِّیْ وَلَا فَخْرَ (ترمذی جلد ۲ ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی علیہ وسلم) یعنی میں خدا کے نزدیک تمام بنی نوع انسان سے معزز و مکرم ہوں۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں ؂

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتقائی مدارج کا خلاصہ

یہ وہ حالات ارتقاء ہیں۔ جو کسی اور نبی کو نہیں۔ خاص حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے ہیں۔

ایک وہ وقت تھا۔ کہ حضورؐ کو صرف سچے خواب نظر آتے تھے۔ پھر ایک وہ وقت آیا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام آپ پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور تین بار

معانقہ کرکے وحی الٰہی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ آپ کو پہنچا چکے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو اپنے نبی ہونے کا کچھ علم نہیں۔ اور آپ بی بی خدیجہ رضؓ سے محض اپنے ملہم ہونے کا ذکر فرماتے ہیں۔ پھر ایک وقت وہ آتا ہے۔ کہ نبی ہونے کا علم بھی آپ کو ہو جاتا ہے لیکن مبلغ اور نذیر ہونے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ پھر مبلغ و نذیر ہونے کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ مگر صرف اپنے خاندانی قریبیوں کے لئے مبلغ و نذیر ہونے کا علم ہوتا ہے۔ دوسروں کے لئے مبلغ ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ پھر ارد گرد جو عرب آباد تھے۔ اُن کے لئے مبلغ و نذیر ہونے کا علم ہوتا ہے۔ پھر تمام عرب اور بالآخر تمام جہانوں کے لئے نبی اور مبلغ و نذیر بنا کر بھیجے جانے کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح تیرہ سال جنگ کرنے کے متعلق کوئی علم نہیں دیا جاتا۔ بلکہ صبر و درگذر سے کام لینے اور بغیر جنگ و جزیہ تبلیغ کرتے رہنے کا حکم ہوتا ہے۔ پھر ہجرت کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جو آپ سے جنگ کرے صرف اس سے جنگ کرنے کا۔ پھر مشرکین سے ایسی جنگ کرنے کا کہ دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے ؛

اسی طرح ایک وہ وقت ہے۔ کہ جس امر کے متعلق اللہ تعالےٰ کی طرف سے علم نہیں عطا کیا جاتا۔ آپؐ اس میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی موافقت فرماتے ہیں۔ حتےٰ کہ عبادت کے معاملہ میں بھی۔ چنانچہ جب تک بیت اللہ کی طرف مُنہ کرکے عبادت کرنے کا حکم نہیں ہُوا۔ آپؐ اس معاملہ میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے رہے۔ یعنی بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے رہے ہیں۔ اسی طرح ایک وقت تھا۔ کہ آپ ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دینے کی مخالفت

فرماتے تھے۔ اور اس مجمل حکم پر ہی بس نہیں۔ بلکہ صراحت کے ساتھ فرما دیا۔ کہ حضرت موسیٰؑ پر مجھ کو فضیلت نہ دو۔ اور جس نے مجھے یونس بن متی سے افضل کہا۔ وہ جھوٹ بولا۔ اور خیر البریہ حضرت ابراہیم اور اکرم الناس حضرت یوسفؑ ہیں۔ لیکن ایک وقت آگیا۔ کہ آپ نے حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور پھر رفتہ رفتہ تمام انبیاء سے افضل و اکرم ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اسی طرح ایک وہ وقت تھا۔ کہ آپؐ کو اپنے نبی ہونے کا بھی علم نہیں تھا۔ اور پھر ایک وہ وقت آیا۔ کہ آپؐ نے ۵ھ ہجری میں خاتم النبیین ہونے کا عظیم الشان دعوےٰ فرمایا ⁂

محقق برنی صاحب کا اعتراض باطل ہے

محقق صاحب بالقابہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے دو دَور اور ان دونوں کے خیالات و اعتقادات میں اختلاف پیش کر کے اور یہ دکھا کر کہ پہلے دَور میں تو آپ کچھ فرماتے تھے۔ اور دوسرے میں اس کے خلاف کچھ اور فرمانے لگے۔ اور پھر اسی بناء پر یہ سُنا کر کہ " وہ کیا تھے۔ اور ہوتے ہوتے کیا سے کیا ہو گئے " یہ امر ذہن نشین کرنے کی خطرناک کوشش کی ہے۔ کہ یہ حضرت اقدس کے اپنے دعوے میں صادق نہ ہونے کی دلیل ہے۔ ہم اِس وقت اِس بحث سے کہ محقق صاحب نے حضرت اقدس کے اقوال میں جو اختلاف دکھائے ہیں۔ وہ درحقیقت تھے بھی یا نہیں۔ اعراض کر کے صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ اگر یہ امور یعنے کسی مدعی نبوت کی زندگی کے دو دَور ہونا۔ اور ان دونوں دَوروں کے خیالات و اعتقادات میں

اختلاف پایا جانا۔ اور اس کا پہلے دَور کے خلاف دوسرے میں کچھ اور فرمانا۔ یا بالفاظ محقق صاحب بالقابہ ابتدا میں کیا ہونا۔ اور پھر ہوتے ہوتے کیا سے کیا ہو جانا۔ ایسے ناقص اور خراب امور تھے۔ کہ بغیر کسی قید و شرط کے جس میں بھی پائے جائیں۔ اس کا اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ کاذب ہونا۔ ضروری و لازمی ہو۔ تو پھر بلا استثنا یہ سب کے سب امور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود صادق و مصدوق میں کس طرح جمع ہو گئے۔ کسی مسلمان اور پھر قریبًا دو درجن کتابوں کے مصنف و مؤلف و مترجم اور عربی و انگریزی وغیرہ زبانوں کے واقف ایم۔ اے ایل ایل۔ بی (علیگ) پھر ایک چشتی۔ نادری۔ فاروقی کا تو کسی طرح یہ کام نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ ان امور کو جو بلا استثنا سب کے سب حضرت سید الصادقین افضل المقدسین صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات میں موجود تھے۔ کا ذب ہونے کی دلیل قرار دے کر ناواقف مخلوق کی اعتقادی و ایمانی تباہی کا سامان مہیا کرے۔

لیکن افسوس کہ مخالفت ناروا کے جوش میں کچھ خیال نہ کیا گیا۔ کہ جو امور حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات بابرکات میں موجود ہیں۔ ان کو عدم صداقت کی دلیل قرار دینے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور اس حملۂ ناروا کا اثر کہاں تک پہنچے گا۔ اور یہ کارروائی ایک محقق کی شان سے کہاں تک تعلق رکھتی ہے۔ اور بلا تردد ان امور کو جنھیں عیسائیوں وغیرہ مخالفین اسلام نے حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر موجب طعن قرار دیا تھا۔ محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر موجب طعن قرار دیا ہے ؛

محقق برنی صاحب دشمنان اسلام کے نقش قدم پر

اس بحث کا یہ حصہ نامکمل رہیگا۔ اگر ہم یہ نہ دکھائیں۔ کہ جناب محقق صاحب کا حضرت اقدس پر یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ عیسائی وغیرہ دشمنان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی اعتراض کر چکے ہیں۔ اور محقق صاحب بالمقابلہ نے حضرت اقدس پر یہ اعتراض کرکے در پردہ ان کی ہم نوائی۔ بلکہ تائید و تصدیق کی ہے

(۱) سر ولیم میور اپنی انگریزی تصنیف لائف آف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مطبوعہ ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۴۴ و ۶۴ میں لکھتا ہے "پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے الہام اور وحی کے متعلق شبہات میں تھے۔ کہ رحمانی ہے یا شیطانی۔ اور اس شک میں خودکشی کرنے اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ مگر بعد میں یقین ہوا"

(۲) پھر صفحہ ۱۴۵ میں لکھتا ہے "ابتداءً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف پہلی کتب توریت و انجیل وغیرہ کی تصدیق پر انحصار کرتے تھے۔ بعد میں ان کو خیال آنے لگا۔ کہ وہ خود نبی ہیں۔ اسواسطے وہ خود احکام جاری کرنے لگے"

(۳) اور صفحہ ۱۵۳ میں لکھتا ہے "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی اور اخلاق کے مختلف مدارج ہیں پہلے یہودیوں کا بہت ذکر کرتے تھے۔ عیسائیوں سے بھی اظہار محبت کرتے۔ مگر جب طاقت بڑھ گئی۔ تو ہر دو کے مخالف ہو گئے"

(۴) اور صفحہ ۵۰۶ میں لکھتا ہے "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ایک بات پر قرار نہ تھا۔ متضاد حالات میں رہتے۔ کبھی کچھ اور کبھی کچھ"

(۵) پامر صاحب اپنے دیباچہ ترجمۂ قرآن مطبوعہ سنہ ۱۹۰۰ئ کے صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شروع میں یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف میلان رکھتے تھے۔ مگر آخر میں ان ہر دو کے مخالف ہو گئے۔ اور ان کے خلاف جنگ جائز قرار دی۔"

اسی طرح مسٹر اے۔ ڈبلیو لین صاحب وغیرہ معاندین نے بھی اس سلسلہ میں بہت سی زہر افشانی کی ہے۔ اور اس قسم کے بیسیوں حوالے معاندین اسلام و دشمنان حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں سے نقل کئے جا سکتے ہیں۔

محقق برنی صاحب کے حملۂ ناروا کا اثر

اب اہل انصاف دیکھ لیں۔ کہ جدید تعلیم یافتہ محقق برنی صاحب نے چشتی۔ قادری۔ فاروقی کہلا کر مخالفین اسلام کا تتبع کرنے۔ اور اُن کے ان اعتراضات کی جو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارتقائے مدارج کے متعلق کرتے ہیں۔ اُصولاً تائید و تصدیق میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔ اور جو شخص بے علمی و ناواقفی کی وجہ سے محقق صاحب بالقابہ کے اِس باطل خیال کو صحیح سمجھ لے گا۔ کہ کسی مدعیٔ نبوت کی مذہبی زندگی کے دو دور ہونا۔ اور ان دونوں دوروں کے خیالات و اعتقادات میں اختلاف پایا جانا۔ اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مذہبی زندگی کے بھی دو دَور دیکھ کر۔ اور ان دونوں دَوروں کے خیالات و اعتقادات میں اختلاف پا کر۔ اور پھر اس پر سر ولیم میور۔ پامر صاحب۔ اور اے ڈبلیو لین وغیرہ دشمنان اسلام کے ویسے ہی اعتراضات ملاحظہ کر کے۔ جیسے برنی صاحب نے مدعیٔ نبوت کے دو دَوروں

اور ان دونوں میں اختلاف خیالات و اعتقادات پائے جانے پر کئے ہیں۔ کس نتیجہ پر پہنچے گا۔ اور جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب کی یہ بے محل طراریاں اُس کو کونسا راستہ دکھائینگی۔ اور کہاں سے کہاں لے جائینگی۔ کاش محقق صاحب نے مذہبیات میں دخل دینے کی جگہ اپنے مناسب حال کوئی اور کام اختیار فرمایا ہوتا ؛

مسئلہ ارتقاء پر جو تفصیلی روشنی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ و مقدسہ کے حالات، و واقعات سے ڈالی ہے۔ اس نے اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے۔ کہ محقق صاحب کا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے دو دوروں میں اختلاف خیالات و اعتقادات بتا کر اس کو حضور کی عدم صداقت کا ثبوت قرار دینا قطعاً باطل۔ اور عدل و انصاف کے بالکل ہی خلاف تھا۔ اور بحیثیت ایک مسلمان کے کسی طرح یہ نہیں چاہیئے تھا۔ کہ وہ ایک ایسے امر کو جو حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ و مطہرہ میں بھی موجود ہے۔ عدم صداقت کی دلیل قرار دے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکذیب کے لئے پیش کرتے ؛

محقق برنی صاحب کی ناکامی

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جس قسم کا ارتقاء آپ حضرت اقدس کے دعاوی میں دکھانا چاہتے تھے۔ وہ قطعاً دکھا نہیں سکے۔ اور اس میں آپ کو ایسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور ہمیں معلوم نہیں۔ کہ وہ آپ جیسے کسی اور مصنف و مؤلف کو بھی دیکھنی پڑی ہو۔ حالانکہ نقل عبارات میں دیانت و انصاف کو بالائے طاق رکھ

دینے میں بھی آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے ؛

محقق برنی صاحب کا پہلا مزعومہ اتہام

آپ نے حضرت اقدس کی زندگی کے پہلے دور کو خوش اعتقادی کا دور قرار دیا ہے۔ اور دوسرے دور کو نعوذ باللہ بد اعتقادی کا دور۔ جیسا کہ آپ کی مندرجہ ذیل تحریروں سے ظاہر ہے:۔

"واقعہ یہ ہے کہ قادیانی مذہب کا ایک بڑا اصول ہے۔ جس سے تمام تو کیا خاص لوگ بھی بے خبر ہیں۔ وہ یہ کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مذہبی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلے دور میں تو وہ خوب خوش اعتقاد اور عقیدتمند نظر آتے ہیں۔ انبیاء اولیاء سب کو اپنا بڑا مانتے ہیں۔ سب کی عظمت کرتے ہیں۔ اتباع کا دم بھرتے ہیں۔"

(تالیف برنی صـ)

اس کے بعد آپ نے حضرت اقدس کی دورِ اوّل کی خوش اعتقادی دکھانے کے لئے چند عبارتیں پیش کر کے دورِ دوم کے متعلق لکھا ہے:۔

"لیکن دوسرے دور میں حالت بالکل برعکس ہے۔ اوّل تو علانیہ نبی بن جاتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے تمام اولیاء انبیاء سے صراحتہً یا کنایتہً بڑھ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دعوے زبان پر لاتے ہیں۔ اچھے اچھوں کو نظروں سے گراتے ہیں۔ اور اپنے واسطے انتہائی عقیدت کے طالب نظر آتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قادیانی صاحبان اپنی تبلیغ میں تمام تر دورِ اوّل کی خوش عقیدگیاں

پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں کافی تراوٹ ہے۔ ناواقف اور روادار مسلمان ان کی خوش عقیدگیوں سے خوش ہوکر خود اُن کی عقیدت میں پھنس جاتے ہیں۔ اور جب اچھی طرح متاثر ہوکر قابو میں آجاتے ہیں۔ تو ان کو دَورِ دوئم کے اعتقاد پر لاتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ منواتے ہیں۔ ایمان کی خوب گت بناتے ہیں قادیانی تبلیغ کا یہ بڑا گُر ہے۔ اچھے اچھے بے خبر ہیں تحقیق کیجئے تو پتا چلتا ہے۔ کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں۔ دکھانے کے اَور۔ (تالیف برنی صفحہ ۹)

محقق برنی صاحب کا رازِ سربستہ

محقق صاحب بالقابہ کے ان اقوال سے بصراحت و وضاحت ثابت ہے۔ کہ آپ نے بڑی کوشش و کاوش سے اس رازِ سربستہ کا پتا جس سے عام تو کیا۔ خاص لوگ بھی بے خبر تھے۔ لگا لیا ہے۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی زندگی کے دو دَور ہیں۔ پہلا خوش اعتقادی کا۔ اور دوسرا بداعتقادی کا۔ احمدی لوگ اپنی تبلیغ میں دَورِ اوّل کی خوش عقیدگیاں پیش کرتے ہیں۔ مگر دَورِ دوئم کے اعتقادات بالکل مخفی رکھتے ہیں۔ وہ کسی کو بھی نہیں دکھاتے۔ جب تک کہ کوئی پکّا قادیانی نہ ہو جائے۔ اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ دَورِ اوّل سن ۱۹۰۱ئ میں ختم ہوکر دوسرا دَور شروع ہُوا۔ جیساکہ تالیف برنی صفحہ ۱۰ میں آپ کے تسلیم کرنے سے ظاہر ہے۔ اور آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ سن ۱۹۰۱ئ سے پہلے کی تحریریں دَورِ اوّل کی ہیں۔ جو آپ کے خیال میں خوش اعتقادی کا دَور تھا۔ اور سن ۱۹۰۱ئ کے بعد سے لیکر حضرت اقدس کے زمانۂ وفات تک کی تمام تحریریں دَورِ دوئم کی ہیں۔ جو

آپ کے نزدیک بد اعتقادی کا دور تھا۔

اب محقق صاحب کی یہ تمام تحقیقات اور یہ سارے اقوال از رُوئے عقل و انصاف اسی حالت میں درست ٹھہر سکتے ہیں۔ جبکہ آپ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ اپنی زندگی کے دَورِ اوّل میں خوش اعتقاد تھے۔ کوئی عبارت پیش کریں۔ تو وہ سن ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں میں سے ہو۔ اور جب اس دعویٰ کے ثبوت میں۔ کہ حضرت اقدس اپنی زندگی کے دَورِ دوئم میں (نعوذ باللہ) بدعقیدہ ہو گئے تھے۔ کوئی عبارت پیش کریں۔ تو وہ سن ۱۹۰۱ء کے بعد سے لے کر حضرت اقدس کے زمانہ وفات تک کی تحریروں میں سے ہو۔ اگر آپ نے عبارتیں اس ترتیب سے پیش کی ہوں۔ تو ثابت ہو جائے گا۔ کہ آپ کا دعویٰ درست ہے۔ اور آپ نے نقل عبارت میں بھی دیانت و امانت سے کام لیا ہے۔ لیکن اگر آپ نے عبارتیں اس ترتیب سے پیش نہ کی ہوں۔ بلکہ دَورِ اوّل کی خوش اعتقادی کے ثبوت میں جو عبارت پیش کی ہو۔ وہ دَورِ دوئم کی کسی تحریر میں ہو۔ اور دَورِ دوئم کی بد اعتقادی کے ثبوت میں جو عبارت پیش کی ہو۔ وہ دَورِ اوّل کی کسی تحریر میں ہو۔ تو نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔ کہ دَورِ دوئم میں حضرت اقدس کے (نعوذ باللہ) بدعقیدہ ہو جانے کے متعلق آپ کا دعوےٰ بالکل غلط اور باطل ہے۔ اور نقل عبارات میں عدل و انصاف اور دیانت و امانت سے مطلق واسطہ نہیں رکھا گیا۔

ہاتھی کے دانت

اور جب یہ دیکھنے کے لئے۔ کہ عبارتیں کس [illegible] نقل کی گئی ہیں۔ تالیف برنی سامنے رکھ دی جا

تو سرسری نظر میں ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ بقول محقق صاحب ؎

ہاتھی ہے جس کا نام عجیب اُس کے طور ہیں
کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہیں

(تالیف برنی صفحہ ۹ سطر ۱۱)

کیونکہ کہیں جناب محقق صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) چشتی قادری۔ فاروقی نے حضرت اقدس کی عبارت تو نقل کی ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ آپ کا دَورِ اوّل بڑی خوش اعتقادی کا دَور تھا۔ لیکن جس تحریر سے وہ عبارت نقل کی ہے۔ وہ ہے دوئم کی۔ جو محقق صاحب کے نزدیک بڑی بد اعتقادی کا دَور تھا۔ اور کہیں آپ نے عبارت تو نقل کی ہے یہ دکھانے کے لئے۔ کہ دَورِ دوئم میں حضرت اقدس (نعوذ باللہ) بہت بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ مگر وہ عبارت ہے۔ حضورؑ کے دَورِ اوّل کی کتابوں میں سے بھی کسی ابتدائی کتاب کی۔ حالانکہ دَورِ اوّل کو آنجناب نے حضرت اقدس کی خوش اعتقادی کا دَور مانا ہے۔

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا پہلا نمونہ

مثلاً آپ نے یہ دکھانے کے لئے کہ دَورِ اوّل میں حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کیسے خوش اعتقاد تھے۔ آپ کی تحریر "تبلیغ الحق" سے ایک عبارت کا کچھ حصّہ تالیف برنی صفحہ ۹ میں نقل کیا ہے۔ اور پھر یہ دکھانے کے لئے کہ دَورِ دوئم میں حضرت اقدس (نعوذ باللہ) کس قدر بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ آپ نے بعض کتابوں سے کچھ عبارتیں تالیف برنی صفحہ ۵۲ و ۵۳ میں نقل کی ہیں۔ مگر پہلی عبارت جو دَورِ اوّل کی خوش اعتقادی دکھانے کے لئے پیش کی ہے۔ وہ تو ہے۔

دَورِ دوئم کی۔ اور جو عبارتیں اس کے بعد کی بد اعتقادی کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ وہ ہیں اس سے پہلے کی ۔

حضرت امام حسین رضؓ سے خوش اعتقادی کا حوالہ

اب ہم پہلے تو حضرت اقدس کی وہ عبارت جس کا ذرا سا حصہ محقق صاحب نے آپ کی خوش اعتقادی کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔ نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ عبارتیں جو محقق صاحب بالمقابل نے حضرت مسیح موعودؑ کی (نعوذ باللہ) بد اعتقادی کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ نقل کریں گے۔ تا دونوں کے مقابلہ اور ان کے زمانۂ طبع کے علم سے ظاہر ہو جائے۔ کہ محقق برنی صاحب نے اپنے فرض تحقیق کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

" ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے۔ وہ معنی اس میں موجود نہیں تھے۔ بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اُس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھے۔ اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے تھے۔ جن کو خدا تعالےٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے۔ اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ایک ذرا کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت

ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدار کرنے والے ہیں۔ جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہوگیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہوگیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقوے واستقامت اور محبت الٰہی کے نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے انکا قدر۔ مگر وہی جو ان میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ اُن کو شناخت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی ہے۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی۔ تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے۔ کہ حسین رضؓ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسین رضی اللہ عنہ کی یا کسی اور بزرگ کی ائمہ مطہرین میں سے تحقیر کرتا۔ یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلشانہٗ اس شخص کا دشمن ہوجاتا ہے۔ جو اُسکے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔" (تبلیغ الحق صفحہ ۲۱ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

حضرت امام حسین رضؓ سے بد اعتقادی کے حوالے

یہ ہے وہ عبارت جس کا صرف اس قدر حصہ جو ہم نے زیر خط کر دیا ہے۔

محقق صاحب بالقابہ نے دَورِ اوّل میں حضرت اقدس کی خوش اعتقادی ثابت کرنے کے لئے "تالیف برنی صفحہ ۸ و ۹ میں درج کیا تھا۔ اس کے بعد دَورِ دوئم کی بداعتقادی ثابت کرنے کیلئے آپنے چند عبارتیں "تالیف برنی صفحہ ۵۲ و ۵۳ میں پیش کی ہیں۔ ان میں سے پہلی عبارت معیار الاخیار کے صفحہ ۱۱ کے حوالے سے ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ عبارت معیار الاخیار صفحہ ۱۱ میں موجود نہیں ہے۔ دوسری عبارت اعجاز احمدی صفحہ ۶۹ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ تیسری عبارت اعجاز احمدی صفحہ ۸۰ کے حوالے سے۔ چوتھی عبارت دافع البلاء سے اور پانچویں درثمین کے حوالے سے پیش کی ہے ؛

محیر العقول "علمی تحقیقات"

جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ جناب محقق صاحب بالقابہ نے یہ سب عبارتیں حضرت اقدس کے دَورِ خوش اعتقادی کے بعد دوسرے دَور میں بداعتقاد ہو جانے کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور معمولی فہم والے بھی بآسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ فاضل محقق صاحب کا یہ مقصد اسی حالت میں ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ عبارتیں جو بداعتقادی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ اس عبارت سے جو خوش اعتقادی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ بعد کی ہوں۔ لیکن یہ کیسی محیر العقول اور عجیب و غریب "علمی تحقیقات" ہے۔ اور کیسا حیرت خیز و تعجب انگیز "علمی محاسبہ" کہ جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی (علیگ) پروفیسر معاشیات بداعتقادی تو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ "تبلیغ الحق" مطبوعہ ۱۹۰۵ء کے بعد کی۔ اور اس کے ثبوت میں عبارتیں پیش فرما رہے ۱۹۰۵ء سے پہلے کی کتب سے۔ کیونکہ اعجاز احمدی نومبر ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہے۔ اور دافع البلاء اور نزول المسیح

ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت
کی اقتدار کرنے والے ہیں۔ جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل
جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں
اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق
اور شجاعت اور تقوے اور استقامت اور محبت الٰہی کے
نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔
جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔
یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے انکا قدر۔
مگر وہی جو ان میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ اُن کو شناخت نہیں
کر سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی
اللہ عنہ کی شہادت کی ہے۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا
گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں
محبت کی۔ تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض
یہ امر نہایت درجہ شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے۔
کہ حسین رضؓ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسین رضی اللہ عنہ
کی یا کسی اور بزرگ کی ائمہ مطہرین میں سے تحقیر کرتا۔ یا
کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔
وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلشانہٗ اس شخص
کا دشمن ہو جاتا ہی۔ جو اُسکے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہی۔" (تبلیغ الحق ص ۱۰/۲ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

حضرت امام حسین رضؓ سے بد اعتقادی کے حوالے

یہ ہے وہ عبارت جس کا صرف اس قدر حصہ جو ہم نے زیر خط کر دیا ہے۔

محقق صاحب بالقابہ نے دَورِ اوّل میں حضرت اقدس کی خوش اعتقادی ثابت کرنے کے لئے "تالیف" برنی صفحہ ۸ و ۹ میں درج کیا تھا۔ اس کے بعد دورِ دوئم کی بداعتقادی ثابت کرنے کیلئے آپنے چند عبارتیں "تالیف" کے صفحہ ۵۲ و ۵۳ میں پیش کی ہیں۔ ان میں سے پہلی عبارت معیار الاخیار کے صفحہ ۱۱ کے حوالے سے ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ عبارت معیار الاخیار صفحہ ۱۱ میں موجود نہیں ہے۔ دوسری عبارت اعجاز احمدی صفحہ ۶۹ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ تیسری عبارت اعجاز احمدی صفحہ ۸۰ کے حوالے سے۔ چوتھی عبارت دافع البلاء سے اور پانچویں درثمین کے حوالے سے پیش کی ہے:

مجیر العقول "علمی" تحقیقات

جیسا کہ ظاہر کیا جاچکا ہے۔ جناب محقق صاحب بالقابہ نے یہ سب عبارتیں حضرت اقدس کے دورِ خوش اعتقادی کے بعد دوسرے دور میں بداعتقاد ہو جانے کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور معمولی فہم والے بھی بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ فاضل محقق صاحب کا یہ مقصد اسی حالت میں ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ عبارتیں جو بداعتقادی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ اس عبارت سے جو خوش اعتقادی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ بعد کی ہوں۔ لیکن یہ کیسی مجیر العقول اور عجیب و غریب "علمی تحقیقات" ہے۔ اور کیسا حیرت خیز و تعجب انگیز "علمی محاسبہ"۔ کہ جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی (علیگ) پروفیسر معاشیات بداعتقادی تو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ "تبلیغ الحق" مطبوعہ ۱۹۰۵ء کے بعد کی۔ اور اس کے ثبوت میں عبارتیں پیش فرما رہے ہیں ۱۹۰۵ء سے پہلے کی کتب سے۔ کیونکہ اعجاز احمدی نومبر ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہے۔ اور دافع البلاء اور نزول المسیح

بھی (جس کی نظم کا شعر در ثمین کے حوالے سے پیش کیا گیا ہی) ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہے
ان سب عبارتوں سے ایک ناواقفِ حقیقت یہ نتیجہ تو نکال سکتا ہے۔ کہ ۱۹۰۵ء سے پہلے یعنے ۱۹۰۲ء میں حضرت اقدس کا عقیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق اچھا نہیں تھا۔ جیسا کہ دافع البلاء اور اعجاز احمدی وغیرہ کی عبارتوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اور ۱۹۰۲ء کے بعد کسی وقت اچھا ہو گیا۔ جیسا کہ "تبلیغ الحق" مطبوعہ ۱۹۰۵ء کی عبارت سے ثابت ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ تو کسی کے نکالے بھی نہیں نکل سکتا۔ کہ ۱۹۰۵ء میں تو حضرت اقدس کا عقیدہ اچھا تھا۔ اور اس کے بعد ۱۹۰۲ء میں خراب ہو گیا۔ کیونکہ ۱۹۰۲ء تو ۱۹۰۵ء سے پہلے ہو چکا ہے۔ اس کا ۱۹۰۵ء کے بعد ہونا نہ تو کبھی ممکن تھا۔ نہ اب ہے۔ اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے ؎

تالیف کی لغویت

انسان کی تالیف و تصنیف اس کے پوشیدہ خصائل اور اندرونی حالات کا آئینہ ہوتی ہے۔ اور انسانی طبائع کی باریک سے باریک اور مخفی سے مخفی خوبیاں تالیف و تصنیف کے ذریعہ اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک سنجیدہ متین اور متدین و امین مؤلف و مصنف کے لئے یہ امر موت سے بھی زیادہ سخت و تلخ رہا ہے۔ کہ اس کی تالیف و تصنیف میں لغویت و بطالت بھی کہیں سے راہ پاسکے۔ گذشتہ زمانوں میں اس قسم کے محتاط لوگ بکثرت ہوئے ہیں کہ اگر انہیں اپنی تالیف و تصنیف کو آمیزشِ لغویت و بطالت سے بچانے کے لئے کوئی مصائب بھی برداشت کرنے پڑے ہیں۔ تو وہ انہوں نے خوشی سے برداشت کر لئے ہیں۔ مگر اپنی تالیف و تصنیف کا نجاستِ کذب و زور سے آلودہ ہونا کسی طرح گوارا نہیں

کیا۔ یا تو یہ حال تھا۔ اور یا اب اخلاقی حالت کی پستی کے باعث نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ اور کئی کئی ڈگریاں پانے اور روشن خیال کہلانے والے اصحاب بھی اس سے معرّا ہو چکے ہیں۔ اور جب کسی سے کوئی اختلاف ہو۔ تو انہیں عدل و انصاف سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ اور وہ صرف ایک ہی مقصود حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن کے مخالف سے کسی طرح ایک عام بدظنی پھیل جائے۔ اِنکی اُن کو کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ کہ اُس کی مخالفت میں ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ صحت سے بھی کچھ تعلق رکھتا ہے۔ یا بالکل ہی دروغ بے فروغ ہے۔ اس معاملہ میں مثال کے طور پر جناب محقق صاحب باتقاہم کی ذات خوش صفات خصوصیت سے قابلِ زیارت ہے۔ کہ آپ نے بھی صرف اتنی بات سے تعلق رکھا ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو کہ حضرت اقدس کی زندگی کے دو دور ثابت ہو جائیں۔ پہلا خوش اعتقادی کا۔ اور دوسرا بداعتقادی کا۔ اس کی آپ نے مطلق پروا نہیں کی۔ کہ خوش اعتقادی یا بداعتقادی کے یہ دونوں دور ثابت کرنے میں آپ کو صدق اور راستی سے کام لینا پڑے۔ یا کذب و زور سے۔ جیسا کہ آپ کے کارنامۂ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ کیسی حیرت خیز و یاس انگیز حالت ہے۔ کہ صدق و کذب کی مطلق پرواہ نہ کرنے پر بھی آپ کا مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ جب اس دعوے کے ثبوت میں کہ حضرت اقدس کا دورِ اوّل خوش اعتقادی کا دور تھا۔ آپ نے عبارت وہ پیش کی ہے۔ جو دور دوئم کی ہے۔ تو آپ کا یہ دوسرا دعویٰ کہ حضرت اقدس کا دور دوئم بداعتقادی کا دور تھا۔ خود آپ ہی کے پیشکردہ ثبوت

سے باطل ہو گیا۔ اور اس سے بڑھکر ناکامی و نامرادی اور کیا ہوگی۔ کہ جو امر انسان اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے۔ وہی اُس کے دعویٰ کو باطل کرنے۔ اور اُس کو اس قول کا مصداق بنا دینے والا ہو۔ ؎

زخمی کرے مجھی کو مری آہ دل خراش
میرا ہی تیر میرے کلیجے کے پار ہو

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ محقق صاحب کی پیش کی ہوئی عبارتوں سے یہ تو واقعی ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت اقدس ۱۹۰۱ء کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام سے نعوذ باللہ بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ اور پھر اپنی وفات تک بد اعتقاد ہی رہے۔ کیونکہ ۱۹۰۵ء کی اس عبارت سے جو خوش اعتقادی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے بعد کی کوئی عبارت، بد اعتقادی کے ثبوت میں پیش نہیں کی گئی۔ جس سے صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ "تبلیغ الحق" کی عبارت کے وقت سے لے کر جو ۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء کی ہے۔ اپنی وفات کے وقت تک جو اس سے دو برس اور چند ہی مہینے بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو واقعہ ہوئی ہے۔ یقینی طور پر خوش اعتقاد رہے ہیں۔ اگر نہ رہے ہوتے۔ تو بد اعتقادی کی کوئی عبارت ضرور پیش کی جاتی۔ لیکن ۱۹۰۲ء میں آپ کا نعوذ باللہ بد اعتقاد ہونا تو قطعی و یقینی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس کے ثبوت میں اعجاز احمدی وغیرہ کی عبارتیں جو ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہیں۔ پیش کی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دَورِ اوّل میں اور سال دو سال اس کے بعد بھی یعنے ۱۹۰۲ء تک تو نعوذ باللہ آپ کا بد اعتقادی کا دَور رہا ہے۔ پھر خوش اعتقادی پیدا ہو گئی ہے۔ جو آخر تک قائم رہی ہے ؛

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے۔ کہ جناب محقق صاحب کی تحقیق کا قلعہ تو یہ ماننے سے بھی بالکل زمین دوز ہو جاتا ہے۔ کہ ابتداء سے ۱۹۰۲ء تک تو نعوذ باللہ حضرت اقدس کی بد اعتقادی کا دَور رہا ہے۔ اس کے بعد سے آخر وقت تک خوش اعتقادی کا۔ کیونکہ آنجناب کا مقصود تو جبھی حاصل ہو سکتا ہے۔ جبکہ دَور اوّل خوش اعتقادی کا دَور۔ اور دورِ دوئم اوّل سے لے کر آخر تک بد اعتقادی کا دَور ثابت ہو۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہو۔ بلکہ جو فقرات حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحقیر کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد بھی آپکے بڑے بڑے محامد و اوصاف حضرت اقدس کی تحریروں میں موجود ہوں۔ جیسے کہ "تبلیغ الحق" میں موجود ہیں۔ تو پھر محقق صاحب کا مقصود کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں تو جو فقرات بغرض تحقیر بتائے جاتے ہیں۔ اگر اُن کا حضرت امام حسین رضؓ کی تحقیر کی غرض سے ہونا ثابت[۵] بھی ہو جائے۔ تو اس سے صرف اتنا ہی ظاہر ہو گا۔ کہ حضرت اقدس کا خیال پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق اچھا نہیں تھا۔ بعد کو اچھا ہو گیا۔ اور پھر آخر تک اچھا رہا۔ اور چونکہ حکم آخر پر لگایا جاتا ہے۔ اس لئے اس پر کوئی اعتراض وارد ہونے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ امر واقع ہے۔ اور کسی مقدس کے سوانح عمری اس سے خالی نہیں۔ کہ ابتداء میں بعض امور کے متعلق خیال کچھ اور رہا ہے۔ بعد کو کچھ اور ہو گیا ہے۔

[۵] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اعجاز احمدی وغیرہ سے جو فقرات حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان پر مفصل بحث دوسری فصل پر تنقید کے سلسلہ میں آئے گی۔ اور ہم انشاء اللہ العزیز ثابت کریں گے۔ کہ انہیں حضرت امام حسین رضؓ کی توہین ہرگز مقصود نہیں۔ ناظرین اس کتاب کا صفحہ ۱۴۴ تا ۱۸۱ ملاحظہ فرمائیں ؎

اور صحیح وہ خیال سمجھا گیا ہے۔ جو بعد میں قائم ہوا ہے ؛

محقق صاحب کے کارنامہ "علمی تحقیق" کا دوسرا نمونہ

محقق صاحب بالقابہ کے اس عجیب وغریب "علمی محاسبہ" کی دوسری مثال یہ ہے۔ کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ "قادیانی صاحبان" اپنی تبلیغ میں تمام تر دَور اوّل کی خوش عقیدگیاں پیش کرتے ہیں۔ اور دَور ثانی کے اعتقاد بالکل پیش نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھتے ہیں کسی کو بھی نہیں دکھاتے۔ غیروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ارادتمندوں کے سامنے بھی نہیں لاتے۔ وہ صرف پکے قادیانیوں کو دکھائے جاتے ہیں۔ رسالہ "عقائد احمدیہ" مولفہ جناب محترم سید بشارت احمد صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد کا نام لیا ہے۔ کہ وہ دَور اوّل کی خوش عقیدگیوں کا "سبز باغ" ہے۔ اور دَور دوئم کے اعتقاد میں سے اس میں کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

> "مرزا صاحب کی خوش عقیدگیوں کے مضامین تو مسلمانوں کو بُھانے اور پھسلانے کے واسطے قادیانی صاحبان بڑے شدومد سے شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک رسالہ "عقائد احمدیہ" کے نام سے حیدرآباد میں بھی شائع ہوچکا ہے۔ خوب سبز باغ دکھایا ہے۔ لیکن دَور دوئم کے اعتقادات جو قادیانی مذہب کی جان ہیں۔ رُوح رواں ہیں۔ قادیانیوں کا دین وایمان ہیں۔ وہ غیروں اور ارادتمندوں کے سامنے بھولے سے بھی بیان میں نہیں آتے۔ وہ دراصل پکے قادیانیوں کا حصہ ہیں۔ کچّوں کے واسطے راز سربستہ ہیں۔" (تالیف برنی صفحہ ۱۰۔ ایڈیشن اوّل)

واضح لغو بیانی

لیکن یہ ایک کھُلی ہوئی لغو بیانی ہے۔ جو رسالہ مذکورہ پر نظر ڈالتے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں تقریباً ان تمام کتابوں کے اقتباسات درج ہیں۔ جن سے جناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دَور دوئم کی بدعقیدگی کے ثبوت میں حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ رسالہ موجود ہے۔ جس کا جی چاہے۔ دیکھ لے۔ اور طرفہ یہ کہ اس میں حضرت اقدس کی جن کتابوں کے مضامین نقل کئے گئے ہیں۔ اُن کا سال طبع بھی ہر مضمون کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے۔ جس سے ایک ادنیٰ حرف شناس بھی بہت آسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔ کہ جس کتاب کا یہ مضمون ہے۔ وہ کس سنہ کی مطبوعہ ہے۔ باایں ہمہ اس نے بنیاد دعوے کے ثبوت میں کہ احمدی حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دَور اوّل کی خوش عقیدگیاں ہی دکھاتے ہیں۔ دَور دوئم کے اعتقاد سامنے نہیں لاتے۔ انہیں بڑی احتیاط سے چھپاتے ہیں۔ اسی رسالہ "عقائدِ احمدیہ" کا نام لیا گیا ہے۔ اور یہ کارروائی منکرینِ مسیح موعودؑ میں سے چودھویں صدی کے کسی حد سے گذرے ہوئے متعصب مولوی صاحب کی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی طرف سے ہوئی ہے۔ جو ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) ہونے کے علاوہ خیر سے چشتی قادری فاروقی بھی ہیں۔ کاش محقق صاحب ان بزرگ نسبتوں کا برائے نام ہی لحاظ رکھتے۔ اور ایسی ناجائز اور لغو کارروائی کے مرتکب نہ ہوتے ؛

محقق صاحب بالفاظِ دیگر بے اصولی میں کہتے تو یہ ہیں۔ کہ رسالہ "عقائدِ احمدیہ" حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دَور اوّل کی خوش عقیدگیوں کا "سبز باغ" ہے۔ لیکن کیا حقیقت سے بھی اس کا کوئی تعلق ہے؟ اور کیا وہ

ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ اس میں دَور دوئم کی تصانیف کے اقتباسات نہیں ہیں؟ اور اگر یہ ثابت نہ کر سکیں۔ اور ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے۔ تو کیا خدا سے کچھ خوف اور اس کی مخلوق سے کچھ شرم کریں گے؟

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا دُوسرا پہلو

محقق صاحب کے دَور اوّل میں حضرت اقدس کی خوش اعتقادی دکھانے کے لئے دَور دوئم کے اقتباسات پیش کرنے کی دو مثالیں تو اس مضمون میں ناظرین نے دیکھ لیں۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ آنجناب نے اسی پر بس نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ دَور دوئم میں حضرت اقدس کی بد اعتقادی دکھانے کے لئے دَور اوّل کی عبارتوں کے اقتباسات بھی پیش کر کے اپنے عجوبۂ روزگار "کارنامۂ تحقیق" کو دونوں پہلوؤں سے کما حقہٗ مکمل فرما دیا ہے ؛

محقق صاحب بالقابہ کا دُوسرا امرِ عُومَہ ارتقاء

جیسا کہ تالیف برنی صفحہ ۹ کے حوالہ سے اوپر ذکر آچکا ہے۔ محقق صاحب بالقابہ کا یہ دعوٰے بھی ہے۔ کہ حضرت اقدس کو دَور اوّل میں کسی قسم کی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں تھا۔ اور جو دعوے بھی آپ نے کئے ہیں۔ وہ سب کے سب دور دوئم ہی میں کئے ہیں۔ اور تالیف برنی صفحہ ۱۷ و ۱۸ میں بھی آپ نے اس امر پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ آپ حضرت اقدس کے دَور اوّل کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں۔ کہ "بلا اگر مگر و بلا چون و چرا قرآن و حدیث کے مطابق صراحت و بداہت کے ساتھ خاتم النبیین پر نبوت کا قطعی طور سے ختم ہو جانا یقینی تسلیم کیا جاتا ہے۔ گویا ہر کہ شک آرد کافر گردد" اور حضرت اقدس کے دَور دوئم کے متعلق

یہ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں" درجہ بدرجہ تاویل و تشکیل شروع ہوتی ہے۔ ولایت۔ مجددیت۔ محدثیت۔ لغوی نبوت۔ اصطلاحی نبوت۔ باطنی نبوت۔ جُزوی نبوت۔ ظلی نبوت۔ بروزی نبوت۔ اُمتی نبوت۔ بالآخر مستقل نبوت۔ کہ اس کی وحی قرآن کریم کے مساوی۔ اور ہم پلہ قرار پائے۔ پھر مکمل نبوت۔ کہ اس کے بغیر نبوتِ محمدیؐ ناقص رہ جائے۔ اور لازمی نبوت۔ کہ انکار یا تردد سے ہر مسلمان کافر بن جائے۔"

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا تیسرا نمونہ

مگر جناب محقق صاحب کی یہ تحقیق قطعاً غلط ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب خود بھی اس کو لغو و باطل قرار دے چکے ہیں۔ لیکن جدید قسم کی تحقیقات کے جوش میں آنجناب کو اس کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم اس کے لغو و باطل ہونے کا ثبوت خود اُنھیں کی "علمی تحقیقات" سے پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیف کے صفحہ ۳۲ پر "ختم نبوت کی تاویل اپنی نبوت کی تشکیل" کا عنوان قائم کر کے اس کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۷۵ سے حسب ذیل عبارت نقل فرمائی ہے:۔

" نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوتِ محمدیہؐ سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور نبوت تامہ نہیں رکھتا ہے۔ وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بباعث اتباع و فنافی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے

وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے جزو کل میں داخل ہوتی ہے"

فاضل محقق صاحب ایم۔اے۔ایل ایل۔بی نے حضرت اقدس کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ حضور نے "ختم نبوت کی تاویل اور اپنی نبوت کی تشکیل" دورِ دوئم میں شروع کی ہے۔ اور دورِ اوّل میں جو بقول محقق صاحب بالقابہ حضرت اقدس کی خوش اعتقادی کا دور تھا۔ حضور کسی قسم کی بھی نبوت کے مدعی نہیں تھے۔ لیکن ناظرین یہ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ کہ ازالہ اوہام کی مذکورہ بالا عبارت دورِ اوّل کی ہے۔ نہ کہ دورِ دوئم کی۔ کیونکر یہ کتاب ابتدائے دورِ اوّل یعنی ۱۸۹۱ء کی مطبوعہ ہے۔ اور دورِ دوئم کی ابتداء جناب محقق صاحب نے مانی ہی ۱۹۰۱ء میں ہے۔

پس جب وہ عبارت جو محقق صاحب بالقابہ نے حضرت اقدس کے تشکیلی دعویٰ نبوت کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ دورِ دوئم کی نہیں۔ بلکہ دورِ اوّل کی ہے۔ تو آنجناب کا یہ ظاہر کرنا کہ حضرت اقدس نے دورِ اوّل میں کسی قسم کی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور حضور نے اس کی تشکیل دورِ دوئم ہی میں کی ہے۔ تو آپ ہی کے مسلمات کی رو سے باطل ثابت ہوگیا۔ اور آپ کی پیش کی ہوئی عبارت سے جو آپ نے دورِ دوئم کی عبارت قرار دے کر پیش کی ہے۔ اور جو درحقیقت دورِ اوّل کی ہے۔ ظاہر ہوگیا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی نبوت کے جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے مستفاد ہو۔ اور نبوت تامہ تشریعیہ نہ ہو۔ پہلے ہی دور سے مدعی تھے۔

محقق صاحب کی "علمی تحقیقات" کا ایک اور عجیب کرشمہ

اس موقعہ پر ہم جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق۔ایم۔اے۔ایل ایل۔بی کی "علمی تحقیقات"

کہ گویا حضرت اقدس نے نعوذ باللہ صحیح و غیر صحیح تمام حدیثوں کے متعلق یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم ان کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ لیکن ہم اختصاراً [illegible]ی سے ایک ایسا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت اقدس اس باطل اتہام کی تردید اس سے تقریباً تئیس سال قبل ظاہر فرما چکے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ ان میں سے وہ قبول کرو۔ جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں۔ تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۸)

حق پسند صحافت سے گزارش

جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برقی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ چشتی۔ قادری فاروقی سے تو اس موقعہ پر کچھ عرض کرنا فضول ہے۔ لیکن حق پسند و خدا ترس حضرات سے گزارش ہے۔ کہ جس مضمون میں حضرت اقدس کا یہ ارشاد موجود تھا۔ اس مضمون کے ایک فقرہ سے یہ امر بلا تقویٰ سے ذہن نشین کرنا کہ اس میں صحیح و غیر صحیح تمام احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ ایک معمولی عقل و دیانت والے انسان کے لئے بھی کہاں تک زیبا تھا؟

حضرت اقدس کی وحی و احادیث

بالآخر اس سلسلہ میں یہ کہدینا بھی ضروری ہے۔ کہ اس موقعہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے اپنی وحی کے مقابلہ میں بھی حدیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا اعلان کیا ہے۔ اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔

لیکن یہ معترضین کا محض ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے

جہاں جہاں بھی حدیث کے رد کرنے کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ اسی شرط سے فرمایا ہے۔ کہ وہ حدیث جو مخالف قرآن ہو۔ رد کر دی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ کہیں جو اپنی وحی کو بھی شامل فرمایا ہے۔ تو یہ صرف اس امر کے اظہار کی غرض سے ہے۔ کہ آپ کی وحی بالکل ہی موافق و مطابق قرآن ہے۔ اور آپ نے مخالف قرآن وحی پانے کا کوئی دعوے نہیں کیا۔ بلکہ اپنی وحی کے من کل الوجوہ مطابق قرآن ہونے کا بار بار اعلان کیا ہے۔

محدثین نے سینکڑوں احادیث مردود قرار دی ہیں

علاوہ اس کے یہ بھی تو سوچنا چاہیے۔ کہ حدیثوں کا جو مجموعہ ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ سب کا سب روایتاً ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس میں سینکڑوں موضوع اور جھوٹی روایات ہیں۔ جنہیں محدثین رد کر چکے ہیں۔ پس ایک ایسا ملہم جسے اپنی وحی کے منجانب اللہ اور موافق قرآن ہونے پر کامل یقین ہو۔ وہ اگر اپنی وحی کو ایسی احادیث پر ترجیح دے۔ جن سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے۔ تو اس میں کسی عقلمند کے لئے قابلِ اعتراض امر کونسا ہے۔

حضرت اقدس کا وحی کی بنا پر بعض احادیث کو رد کرنا

اکابر ائمہ و فقہار نے تو صرف اپنے ظاہری علم و فہم کی بنا پر جو احادیث خلافِ قرآن سمجھیں۔ وہ رد کر دی ہیں۔ مگر حضرت اقدس نے ظاہری علم و فہم کی رو سے بھی جو خلاف قرآن پائیں۔ اور اس کے علاوہ اپنی وحی کے رو سے بھی خلاف قرآن معلوم کیں۔ وہ رد فرمائیں۔ اب یہ کس قدر عجیب حالت ہے۔ کہ اگر ہمارے مخالفین کے مقتدار و پیشوا علمار اپنے علم و فہم ظاہری کی رو سے کسی حدیث کو خلاف قرآن سمجھ کر رد کر دیں۔ تو

بجا و درست۔ لیکن اگر حضرت اقدس کسی حدیث کو ظاہری علم و فہم کے علاوہ اپنی وحی کی رُو سے بھی خلاف قرآن سمجھ کر قابل رد قرار دیں۔ تو بے جا اور درست اور قابل اعتراض۔

ان کو یہ کون سمجھائے۔ کہ مخالف قرآن احادیث کو رد کر دینے کے لحاظ سے تو آپ کے مسلّم بزرگ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ایک ہی حالت میں ہیں۔ ہاں ان کا کسی حدیث کو مخالف قرآن سمجھنا صرف ایک لحاظ یعنی ظاہری علم و فہم کی رو سے ہے۔ اور حضرت اقدس کا کسی حدیث کو خلاف قرآن سمجھنا دو لحاظوں سے ہے۔ ایک تو علم و فہم ظاہری کی بنا پر۔ اور دوسرے اپنی وحی کی رو سے۔ اگر آپ حضرت اقدس کو صاحب وحی نہیں مانتے۔ تو اس حدیث کو از روئے وحی مخالف قرآن نہ سمجھئے۔ یہی سمجھ لیجئے۔ کہ ظاہری علم و فہم کی بنا پر مخالف قرآن سمجھکر حضرت اقدس نے یہ حدیث رد کر دی ہے۔ اگر آپ یہی سمجھیں گے۔ تو آپ کی حضور پر کوئی اعتراض وارد نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ آپ کے مسلّم مقتداؤں نے بھی اپنے علم و فہم کی رو سے ہی مخالف قرآن سمجھکر بہت سی حدیثیں رد کر دی ہیں ؂

شر انگیز عنوان

محقق برنی صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل سوم میں ایک نیا عنوان "قادیان کا قرآن" بھی قائم کیا ہے۔ یوں تو آپ کے قائم کردہ سارے عنوانات شر انگیزی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ مگر بعض اس کمال کے انتہائی نقطہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ عنوان بھی ہے۔ اسے قائم کرنے سے پاکیزہ اطوار محقق صاحب کا مقصود صرف یہ ہے۔ کہ آپ پبلک میں "قادیانی صاحبان" کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلائیں۔ کہ ان کا قرآن دیگر مسلمانوں کے قرآن

سے کے سوا کوئی اور ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا صریح بہتان ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ؎

خلاف دیانت کارروائی

جدید تعلیم یافتہ نوجوان جناب برنی صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) کی ایسی خلاف بیانیاں دیکھکر یہ خیال گذرتا ہے۔ کہ شاید آپ کو یوم الحساب پر ایمان نہیں۔ تبھی تو آپ ایسی ذلیل اور قابلِ نفرت دھوکہ بازیوں سے کام لیتے ہوئے ذرّہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتے۔ جس شخص کا اس بات پر ایمان ہو۔ کہ اسے ایک روز خدا تعالےٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنی بداعمالیوں کا جواب دینا ہے۔ وہ اس قدر دیدہ دلیری سے ایسی خلاف دیانت و امانت کارروائیاں کیونکر کر سکتا ہے۔ کہ جان بوجھ کر ایک ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی ساری عمر قرآن مجید اور اسلام کی خدمت میں گذار دی۔ اور جس نے اپنے ماننے والوں میں اشاعت اسلام اور خدمت قرآن کی عدیم النظیر روح پیدا کر دی ہے۔ یہ غلط فہمیاں پھیلائے۔ کہ اس کا قرآن وہ نہیں ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ یا یہ کہ اس نے اسلام سے علیحدگی اختیار کر کے کوئی نئی شریعت دنیا کے سامنے پیش کی ہے ؎

غیر متعلق حوالہ

اس امر کا ثبوت کہ مذکورہ بالا عنوان عمداً محض بطور شرارت لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپکی جماعت سے متنفر کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ ورنہ محقق صاحب بالقابہ کو خود بھی اس کی صحت پر یقین نہیں ہے۔ یہ ہے۔ کہ اس کے ذیل میں جو حوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹۱ سے پیش کیا گیا ہے۔ اس سے ایک جدید تعلیم یافتہ نوجوان۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پروفیسر معاشیات، تو کجا معمولی عقل و فہم کا انسان بھی یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس قرآن کے

سوا جو مسلمانوں کے پاس ہے۔ کوئی اور قرآن۔ یا کوئی اور کتاب شریعت لانے کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور وہ حوالہ یہ ہے :-

"اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے۔ کہ اگر وہ تمام لکھا جائے۔ تو بیس جزو سے کم نہ ہوگا۔"

ناظرین! پہلے محترم محقق برقی صاحب کا قائم کردہ عنوان ملاحظہ فرمائیں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الفاظ پر نگاہ ڈالیں۔ اور انصاف فرمائیں۔ کہ کیا اس حوالہ کو محقق صاحب بالقابہ کے قائم کردہ عنوان سے ایک ذرہ برابر بھی تعلق اور مناسبت ہے ؟

سیاق کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ جس موقع پر واقع ہوئے ہیں۔ اس میں حضور نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے۔ کہ مجھ پر خدا تعالیٰ نے بکثرت وحی و الہام نازل فرمایا ہے :-

"اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس (کثرت مکالمہ و مخاطبہ) کی وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔ اور دوسرے تمام لوگ (اولیاء اُمت) اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔"

مگر چونکہ یہ مقام مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت اور قرآن مجید کی اطاعت کی وجہ سے ملا ہے۔ اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ "ایک پہلو سے میں اُمتی ہوں۔ اور ایک پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں۔" اور اس مضمون کے دوران میں آگے چل کر دیگر اولیائے اُمت کے مقابل میں اپنی وحی کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے

آپ نے وہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں جنہیں محقق صاحب بالتابہ نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ کہ قادیان کا قرآن ہی علیحدہ ہے۔

محض شرارت

اب کیا کسی نیک طینت انسان کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے۔ کہ جس مضمون کے بیان کرنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصد ہی یہ ہے۔ کہ اپنی نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنی شریعت کی پیروی کے برکات کا نتیجہ قرار دیں۔ اس کی ایک سطر میں آپ نے نعوذ باللہ یہ دعوے بھی کیا ہے۔ کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں اپنا کوئی نیا قرآن لایا ہوں۔ بس بات صرف یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فقرہ کہ "خدا کا کلام مجھ پر اس قدر نازل ہوا ہے۔ کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا" دیگر اولیائے امت کے مقابل میں اپنی وحی کی کثرت کے اظہار کے لئے لکھا ہے۔ اور اس سے زیادہ اس کا کوئی اور مطلب لینا محض شرارت ہے ؛

ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے

اس عنوان کے ذیل میں محقق برنی صاحب نے اخبار "پیغام صلح" لاہور سے بھی دو اقتباس نقل کئے ہیں جنہیں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب وغیرہ نے جناب محقق صاحب کی طرح حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور آپ کی جماعت سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے ان پر یہ بے بنیاد الزام لگایا ہے۔ کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کو نعوذ باللہ صاحب شریعت جدیدہ نبی مانتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے نزدیک ہمیں ایسے الزامات دینے میں محقق برنی صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں ہم دونوں کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے سمجھتے ہیں۔

اس لئے محقق برنی صاحب کا اپنے دعوے کے ثبوت میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب وغیرہ معترضین کے اقوال ہمارے سامنے بطور دلیل و حجت پیش کرنا۔ بالکل بے معنی بات ہے۔ کیونکہ کسی الزام کا ثبوت خود وہی الزام نہیں ہو سکتا۔

دشمن کا قول حجت نہیں

بات نہایت صاف اور سیدھی ہے۔ اور ہم یہ خیال نہیں کر سکتے۔ کہ جناب محقق برنی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی کو اسے سمجھنے میں اپنے دماغ پر کوئی زیادہ بوجھ ڈالنا پڑے گا۔ کہ جو الزام آپ ہم پر عائد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ثبوت آپکو ہمارے مسلّمات سے پیش کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ہمارے دشمنوں کے اقوال سے۔ کہ وہ ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتے۔ کیا ایک دشمن کے قول کے لیے دوسرے دشمن کا قول دلیل بن سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دونوں کا مقصد یہ ہو۔ کہ اپنے مخالف کو ہر جائز و ناجائز طریق سے بدنام کریں ؛

ایک اور شر انگیز عنوان

دیانتدار محقق صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے ایڈیشن دوم کی فصل سوم میں ایک اور نیا عنوان" مرزا صاحب کی شریعت" بھی قائم کیا ہے۔ اور یہ عنوان بھی ویسا ہی شر انگیز ہے۔ جیسا کہ گذشتہ عنوان۔ کیونکہ ان دونوں عنوانوں سے آپ کا مقصود ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ پبلک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلے۔ کہ آپ کی شریعت نعوذ باللہ قرآنی شریعت کے علاوہ کوئی اور ہے۔ اور آپ نے صاحب شریعت جدیدہ نبی ہونے کا دعوےٰ کیا ہے ؛

اس عنوان کو گذشتہ عنوان سے ایک اور مناسبت یہ بھی ہے۔

کہ جناب محقق صاحب نے جس طرح اس کے ذیل میں ایک بے تعلق حوالہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح اس کے ذیل میں بھی آپ نے جو حوالے نقل کئے ہیں انہیں اپنے عنوان سے دُور کی بھی نسبت نہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اربعین نمبر ۴ سے تین اقتباس درج کئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی میں بھی اس بات کی طرف اشارہ تک موجود نہیں ہے کہ میں قرآنی شریعت کے علاوہ کوئی اور نئی شریعت لایا ہوں بلکہ اس کے برعکس حضرت مسیح موعودؑ نے صرف یہ فرمایا ہے۔ کہ میری وحی میں جو امر و نہی ہے مشتمل ہے۔ قرآنی احکام ہی بطور "تجدید" نازل ہوتے ہیں۔ اور مثال کے طور پر آپ نے اپنا الہام قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ پیش کیا ہے۔ اور یہ قرآن مجید سورہ نور رکوع ۴ کی آیت ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہہ دو مومنوں سے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی آنکھیں۔ اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ بات ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں دو باتوں کا امر ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہنا درست ہے۔ کہ اس میں شریعت بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں کوئی ایسا امر نہیں ہے۔ جس سے قرآن مجید کے کسی حکم کی تنسیخ لازم آئے۔ بلکہ اس کے احکام کی تاکید کی گئی ہے اس لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو شریعت پیش کی ہے۔ وہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ ہاں اس اعتبار سے کہ اس میں قرآنی احکام بطور تجدید نازل ہوئے ہیں۔ اسے بیانِ شریعت کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی

اسی کتاب یعنی اربعین نمبر ۴ کے صفحہ ۶ و ۷ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہمارا ایمان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا۔ کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے۔ کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ایسا بیان بیان شریعت ہے۔ جو مسیح موعود کا بھی کام ہے"

ناسخ جہاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

جناب محقق برنی صاحب نے اربعین سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عبارت منسوخی جہاد کے متعلق بھی پیش کی ہے۔ جس میں حضور نے حدیث یَضَعُ الحَرب کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ :۔

"مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۳ حاشیہ)

فاضل محقق صاحب کا منشاء اس عبارت کو نقل کرنے سے یہ ہے۔ کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قرآنی حکم جہاد کو منسوخ کرنیکا الزام لگائیں۔ حالانکہ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ آپ نے جہاد کو منسوخ کیا ہے۔ کیونکہ آپ تو صرف ایک حدیث نبوی کا ترجمہ بیان کر رہے ہیں۔ جس میں مسیح موعود کی یہ علامت بیان کی گئی ہے۔ کہ اس کے زمانہ میں جہاد موقوف ہو جائیگا۔ اس سے یہ کیونکر لازم آیا۔ کہ آپ خود ناسخ جہاد ہیں

یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۵۶ میں موجود ہے۔ اور اس کی رو سے مسیح موعود کے وقت جہاد کو منسوخ کرنیوالے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے ہیں۔ نہ کہ مسیح موعود۔

اس حدیث کے الفاظ ایک دوسری روایت میں یَضَعُ الْحَرْبَ کی بجائے یَضَعُ الْجِزْیَۃَ بھی آئے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مسیح موعود جزیہ کو موقوف کر دے گا۔ اور چونکہ اس حدیث پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیح موعود شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کے احکام مثلاً جہاد یا جزیہ کو منسوخ کرے گا۔؟ اس لئے محدثین نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ان احکام کو منسوخ کرنے والے مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ درحقیقت خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۶۔ اور قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۴۹۹ میں لکھا ہے۔ وَلَیْسَ عِیْسٰی بِنَاسِخٍ بَلْ نَبِیُّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الْمُبَیِّنُ لِلنَّسْخِ بِقَوْلِہٖ ھٰذَا۔ یعنی جہاد یا جزیہ کے ناسخ اصل میں مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ حضور ہی نے یَضَعُ الْحَرْبَ یا یَضَعُ الْجِزْیَۃَ فرماکر اس نسخ کو بیان فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے مسیح موعود کی حیثیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ نسخ کے اعلان کرنیوالے کی ہے۔ نہ کہ ناسخ کی۔ پس حضرت اقدس مرزا صاحب کی نسبت اگر کچھ دیانتداری اور ایمان داری سے کہا جا سکتا ہے۔ تو وہ صرف یہ ہے۔ کہ آپنے مسیح موعود کی ایک علامت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی اپنے اوپر چسپاں کی ہے۔ نہ یہ کہ آپ نے جہاد کو منسوخ کیا۔ کیونکہ مسیح موعود کے وقت میں جہاد کی منسوخی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما چکے ہیں۔

اب جو بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریگا۔ وہ لازماً اس بات کا بھی اعلان کریگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ میں جہاد کی ضرورت نہیں؛

اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ مذکورہ بالا حدیث میں مسیح موعود کے زمانہ میں جس قسم کے جہاد کی منسوخی کا ذکر ہے۔ وہ صرف ایسا جہاد ہے۔ جو کفار سے لڑائی اور تلوار کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اور جہاد کی دوسری اقسام مثلاً تبلیغ اسلام وغیرہ۔ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس امر پر کسی قدر بحث فصل چہارم پر تنقید کے سلسلہ میں آئیگی۔

حضرت مسیح موعودؑ پر درود بھیجنا جائز ہے

آنجناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ایک عنوان "مرزا صاحب پر صلوات" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض اصحاب کی ایسی تحریرات نقل کی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر درود بھیجنا جائز ہے۔

محقق صاحب بالقابہ نے جس اعتراض کو مدنظر رکھکر یہ تحریرات درج کی ہیں۔ وہ مع اسکے جواب کے ذیل میں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی تحریر سے درج کیا جاتا ہے۔ حضورؑ اپنی کتاب اربعین نمبر۲ کے صفحہ ۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"بعض بے خبر ایک یہ اعتراض بھی میرے پر کرتے ہیں۔ کہ اس شخص کی جماعت اس پر فقرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اطلاق کرتی ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور دوسروں کا صلوٰۃ یا سلام کہنا تو ایک طرف

یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۵۶ میں موجود ہے۔ اور اس کی رو سے مسیح موعود کے وقت جہاد کو منسوخ کرنیوالے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے ہیں۔ نہ کہ مسیح موعود۔

اس حدیث کے الفاظ ایک دوسری روایت میں یَضَعُ الْحَرْبَ کی بجائے یَضَعُ الْجِزْیَۃَ بھی آئے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مسیح موعود جزیہ کو موقوف کر دے گا۔ اور چونکہ اس حدیث پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیح موعود شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیہ کے احکام مثلاً جہاد یا جزیہ کو منسوخ کرے گا۔؟ اس لئے محدثین نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ان احکام کو منسوخ کرنے والے مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ درحقیقت خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۶۔ اور قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۴۹۹ میں لکھا ہے۔ وَلَیْسَ عِیْسٰی بِنَاسِخٍ بَلْ نَبِیُّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُبَیِّنُ لِلنَّسْخِ بِقَوْلِہٖ هٰذَا۔ یعنی جہاد یا جزیہ کے ناسخ اصل میں مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ حضور ہی نے یَضَعُ الْحَرْبَ یا یَضَعُ الْجِزْیَۃَ فرما کر اس نسخ کو بیان فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے مسیح موعود کی حیثیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ نسخ کے اعلان کرنیوالے کی ہے۔ نہ کہ ناسخ کی۔ پس حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کی نسبت اگر کچھ دیانتداری اور ایمان داری سے کہا جا سکتا ہے۔ تو وہ صرف یہ ہے۔ کہ آپنے مسیح موعود کی ایک علامت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی اپنے اوپر چسپاں کی ہے۔ نہ یہ کہ آپ نے جہاد کو منسوخ کیا۔ کیونکہ مسیح موعود کے وقت میں جہاد کی منسوخی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما چکے ہیں۔

اب جو بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریگا۔ وہ لازماً اس بات کا بھی اعلان کریگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ میں جہاد کی ضرورت نہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں مسیح موعود کے زمانہ میں جس قسم کے جہاد کی منسوخی کا ذکر ہے۔ وہ صرف ایسا جہاد ہے۔ جو کفار سے لڑائی اور تلوار کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اور جہاد کی دوسری اقسام مثلاً تبلیغ اسلام وغیرہ۔ اس سے مستثنٰی ہیں۔ اس امر پر کسی قدر بحث فصل چہارم پر تنقید کے سلسلہ میں آئیگی۔

حضرت مسیح موعودؑ پر درود بھیجنا جائز ہے

آنجناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ایک عنوان "مرزا صاحب پر صلوات" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض اصحاب کی ایسی تحریرات نقل کی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر درود بھیجنا جائز ہے۔

محقق صاحب بالفاظ دیگر اس اعتراض کو مدنظر رکھکر یہ تحریرات درج کی ہیں۔ وہ مع اسکے جواب کے ذیل میں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی تحریر سے درج کیا جاتا ہے۔ حضورؑ اپنی کتاب اربعین نمبر ۲ کے صفحہ ۷ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض بے خبر ایک یہ اعتراض بھی میرے پر کرتے ہیں۔ کہ اس شخص کی جماعت اس پر فقرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اطلاق کرتی ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور دوسروں کا صلوٰۃ یا سلام کہنا تو ایک طرف

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اُسکو پائے۔ میرا سلام[1] اس کو کہے۔ اور احادیث اور تمام شروح احادیث میں مسیح موعود کی نسبت صد ہا جگہ صلوٰۃ وسلام کا لفظ لکھا ہُوا موجود ہے۔ پھر جبکہ میری نسبت نبی علیہ السلام نے یہ لفظ کہا۔ صحابہ نے کہا۔ بلکہ خدا نے کہا۔ تو میری جماعت کا میری نسبت یہ فقرہ بولنا کیوں حرام ہو گیا۔ خود عام طور پر تمام مومنوں کی نسبت قرآن شریف میں صلوٰۃ اور سلام دونوں لفظ آئے ہیں"۔

قرآن مجید سے جواز کا ثبوت قرآن مجید کی وہ آیات جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اُمت کے دیگر افراد پر صلوات بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ یہ ہیں :-

(۱) هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (سورہ احزاب ع ۶)

ترجمہ - وہی خدا ہے۔ جو صلوٰۃ بھیجتا ہے تم (مومنوں) پر اور اُس کے فرشتے بھی۔ تا تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔ اور وہ مومنوں پر مہربان ہے۔

(۲) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورہ توبہ ع ۱۳)

ترجمہ - اے نبی تو مومنوں سے اُن کے مالوں کا صدقہ لیا کر۔ تا تو انہیں اُس کے ذریعہ ظاہری اور باطنی طور پر پاک کرے۔ اور ان پر صلوٰۃ بھیج یقیناً تیرا اُن پر صلوٰۃ بھیجنا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ؛

[1] تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ مصر

(۳۳) اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (سورہ بقرہ ع ۱۹)
ترجمہ۔ ان (مومنوں) پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت بھیجی جاتی ہے۔

احادیث سے جواز کا ثبوت

احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اُمت کے دیگر افراد پر صلوات بھیجنا جائز ہے۔ بخاری شریف جلد ۴ باب هَلْ يُصَلّٰى عَلٰى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں ابن ابی اوفیٰ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی صدقہ لے کر آتا۔ تو آپ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ فرما کر اس پر صلوات بھیجتے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ میرا باپ بھی صدقہ لایا۔ حضور ؐ نے اس کیلئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰى۔ یعنی اے اللہ درود بھیج ابی اوفیٰ کے آل پر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ تمام مومنین اور ان کی اولاد پر درود بھیجنا جائز ہے۔

فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۶ میں اس امر پر بحث کرتے ہوئے۔ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا جائز ہے۔ لکھا ہے۔

> "علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مطلقاً جائز ہے۔ مستقل طور پر جائز نہیں۔ اور یہ قول امام ابو حنیفہ رحؒ اور بعض دوسرے علماء کا ہے۔ اور ایک گروہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر مستقل طور پر صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔ اور حضور ؐ

کی اتباع میں مکروہ نہیں۔ اور ایک گروہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ ہر صورت میں جائز ہے۔ اور حضرت امام بخاریؒ کے فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کا بھی یہی مذہب تھا۔"

فتح الباری میں بخاری شریف کی مذکورہ بالا روایت کے علاوہ بعض دوسری احادیث کی کتب سے بھی ایسی روایات نقل کی گئی ہیں۔ جن سے اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے بزرگوں اور ان کی اولاد پر بھی صلوات بھیجنا جائز ہے۔ ومن اراد التفصیل فلیرجع الیہ۔

مسئلہ بروز پر بحث

"تالیف برقی کے دوسرے ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن کی فصل اول پر جن مضامین کا اضافہ ہوا ہے۔ ان کے جوابات سے فارغ ہو کر ہم پھر پہلے ایڈیشن کی فصل اول کے بقیہ متفرق اعتراضات کا جواب دینے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جناب محقق صاحب نے اس میں ایک عنوان "بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود رسول اللہ کی ذات" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بعض دوسرے اصحاب کی ایسی تحریریں پیش کی ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظل و بروز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہونیکا ذکر ہے۔ اور ان سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ گویا ان عبارتوں میں یہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات یعنی جسمانی طور پر عین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ؀

بروز سے مراد جسمانی اتحاد نہیں ہے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ محقق

جناب برنی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی۔(علیگ) چشتی قادری فاروقی کو ظل و بروز کی حقیقت کا بالکل علم نہیں ہے۔ اسی لئے آپ ظلیت سے منطقی عینیت مراد لے رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ظلِ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہونے کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ "نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئی ہیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہوئی ہے یعنی فنافی الرسول کی۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ)

اور فرماتے ہیں:۔

۲۔ "اگر کوئی شخص اس خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اُس کا نام پالیا ہو۔ اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرے کا اس میں انعکاس ہو گیا ہو۔ تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائیگا۔ کیونکہ وہ محمد ہے۔ مگر ظلی طور پر۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۶)

اور فرماتے ہیں:۔

۳۔ "میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں۔ کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ مجھ پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۹)

اور فرماتے ہیں:۔

۴۔ "حدیثوں میں لکھا ہے۔ کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہم رنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ اور اس کا نام آنجناب کے اسم سے

مطابق ہوگا۔ یعنی اس کا نام محمد اور احمد ہوگا۔ اور اس کے اہلبیت میں سے ہوگا۔ اور بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مجھ میں سے ہوگا۔ یہ عمیق اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ وہ روحانیت کے لحاظ سے اس نبی میں سے نکلا ہوگا۔ اور اس کی روح کا روپ ہوگا۔ اس پر نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعلق بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ دونوں کے نام ایک کر دئے۔ ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موعود کو اپنا بروز بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ جیسا حضرت موسیٰ کا یشوعا بروز تھا۔ . . . . .
یہ ضرور ہے۔ کہ روحانیت کے تعلقات کے لحاظ سے شخص موردِ بروز صاحبِ بروز میں سے نکلا ہوا ہو۔ اور ازل سے باہمی کشش اور باہمی تعلق درمیان ہو۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱۱ و ۱۲)

بروز سے مراد مقام فنا فی الرسول ہے

اقتباسات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ بروز میں منطقی عینیت مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک روحانی مقامِ محبت ہے۔ جس کے نتیجہ میں محب محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور جیسے ظل یعنی سایہ اپنے اصل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بروز اپنے اصل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ مگر باوجود اس قدر اتحاد کے بھی ظل کو اصل نہیں کہہ سکتے۔ اور اسی طرح بروز کو اصل سے منطقی عینیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یشوعا کی مثال سے اس امر کو اور بھی واضح کر دیا کہ ظل اور اصل نہ تو درجہ میں برابر ہوتے ہیں اور نہ ان میں حقیقی اتحاد مراد ہوتا ہے۔ اور آپ نے اپنے ظل اور بروز ہونے کی تشریح "فنا فی الرسول" کے الفاظ سے بھی کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو فنا فی الرسول ہو۔ وہ رسول کا عین نہیں ہوتا۔ جس طرح وہ جو "فنا فی اللہ" ہو۔ وہ "عین اللہ" نہیں ہوتا۔ اور جو "فنا فی الشیخ" ہو۔ وہ "عین الشیخ" نہیں ہوتا۔

مسئلہ فنا فی الرسول اور صوفیاء کرام

فنا فی الرسول کا مسئلہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے پہلے صوفیائے کرام میں ایک نہایت مشہور و معروف مسئلہ چلا آتا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے ہر تعلیم یافتہ نوجوان کو نقشبندی۔ چشتی۔ قادری فاروقی کو تصوف کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوحات مکیہ باب ۲۲۲ میں فرماتے ہیں:

"غَايَةُ الْوُصْلَةِ اَنْ يَكُوْنَ الشَّيْئُ عَيْنَ مَاظَهَرَ وَلَا يُعْرَفُ كَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَانَقَ ابْنَ حَزْمٍ الْمُحَدِّثَ فَغَابَ اَحَدُهُمَا فِي الْاٰخَرِ فَلَمْ نَرَ اِلَّا وَاحِدًا وَهُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذِهٖ غَايَةُ الْوُصْلَةِ وَهُوَ الْمُعَبَّرُ عَنْهُ بِالْاِتِّحَادِ"

یعنی نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے۔ کہ ایک چیز بعینہٖ وہ چیز بن جائے جس میں وہ ظاہر ہو۔ اور اس میں ایسی گم ہو۔ کہ خود نظر نہ آئے۔ جیسا کہ میں نے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ حضور نے ابن حزم محدث سے معانقہ کیا۔ پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا۔ اور بجز ایک یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دوسرا کوئی نظر نہ آیا۔ اس کا نام نہایت درجہ کا اتصال ہے۔ اور اسی کو اتحاد کہتے ہیں۔"

حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی الدر الثمین میں فرماتے ہیں:۔

"بَلَغَنِیْ عَنْ سَیِّدِی الْعَمِّ اَنَّہٗ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّوْمِ فَلَمْ یَزَلْ یُدْنِیْنِیْ مِنْہُ حَتّٰی صِرْتُ نَفْسَہٗ۔"

یعنی مجھے اپنے چچا صاحب کی نسبت یہ خبر پہنچی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور علیہ السلام مجھے اپنے قریب کرتے گئے۔ حتیٰ کہ میں آپ میں ایسا محو ہوا۔ کہ آپ کا وجود اور میرا وجود ایک ہو گئے۔"

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں:۔

"کمل تابعان انبیاء بجہت کمال محبت و فرط محبت بلکہ بمحض عنایت و موہبت جمیع کمالات انبیاء متبوعہ خود را جذب مے نمایند و بکلیت برنگ ایشاں منصبغ مے گردند۔ حتے کہ فرق نماند درمیان متبوعاں و تابعاں الا بالاصالۃ والتبعیۃ والاولیۃ والاخریۃ۔" (مکتوبات امام ربانی جلد المکتوب نمبر ۲۴۸)

یعنی انبیاء علیہم السلام کے کامل متبع بہ سبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہو جاتے ہیں۔ کہ تابع اور متبوع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اس کے کہ ایک

پہلے ہوتا ہے۔ اور دوسرا بعد میں۔ اور ایک اصل ہوتا ہے۔ اور دوسرا تابع۔
اور ایک دوسرے مقام میں فرماتے ہیں:۔ "مقتضائے کمال محبت، رفع اثنینیت است و اتحاد محب و محبوب" (مکتوبات امام ربانی جلد ۳ مکتوب ۴۹)
یعنی جب محبت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ تو اس کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ محب و محبوب میں سے دوئی اٹھ جائے۔ اور ان کا اتحاد ہو جائے۔"

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ فنافی الرسول کا مقام مسلمان امت تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں۔ کہ محب اور محبوب جسمانی طور پر ایک دوسرے کا عین ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے۔ کہ ان میں روحانی طور پر ایسا اتحاد ہو جاتا ہے۔ کہ محب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ محبوب ہی ہو گیا ہے۔ بالکل درست ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس "ایک غلطی کا ازالہ" صـ ۳ میں فرماتے ہیں۔

"بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری"

مسئلہ بروز کا ذکر قرآن مجید میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ظل و بروز کے مسئلہ کا قرآن مجید کی آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (سورہ جمعہ ع ۱) سے استدلال کیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں دوبارہ مبعوث ہو کر تشریف لانے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ تشریف لانے کی سوائے اس کے اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کہ حضورؐ کے کسی ایسے کامل بروز اور ظل کا ظہور

ہو۔ جو حضورؐ کی ذات میں فنا ہو جائے۔ اور حضور ہی کا نام پاکر آئے۔ اور اس امر کی تائید مہدی موعود کی ان علامات سے بھی ہوتی ہے۔ جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے نہایت لطیف استنباط فرمایا ہے۔ پس جب قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا ایک ظل اور بروز جو حضورؐ کا کامل متبع ہونے کی وجہ سے محبت کے اعلیٰ مقام فنا میں پہنچا ہوا ہوگا۔ ظاہر ہونے والا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر از روئے اعتراض کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ جناب محقق صاحب کو یہ حق تو بے شک پہنچتا تھا۔ کہ وہ دلائل سے یہ ثابت کرتے۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہیں۔ مگر ظل و بروز کے مسئلہ کی جو حقیقت حوالہ جات قرآن مجید، احادیث اور صوفیائے کرام کے اقوال کے مطابق بیان کی ہے۔ اس پر طعنہ زنی کرنے کا انہیں قطعاً حق نہیں تھا۔

بروز اور تناسخ میں فرق

حق پسند و منصف مزاج طالبانِ تحقیق کے لیے تو بات بالکل صاف ہو چکی ہے۔ لیکن اگر جناب محقق برنی صاحب بالقابہ کی طرح کوئی صاحب مجرد اعتراض پسند یہ کہدیں۔ کہ اعتراض تو بروز کے لفظ پر تھا۔ نہ کہ فنافی الرسول کے الفاظ پر۔ اور بزرگان دین کی تحریروں سے جو حوالے دیے گئے ہیں۔ وہ فنافی الرسول کے متعلق ہیں۔ نہ کہ بروز کے متعلق۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ جو فنافی الشیخ ہو۔ وہ جس طرح عین الشیخ نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح جو فنافی الرسول ہو۔ وہ بھی عین رسول نہیں ہو جاتا۔ لیکن بروز تو تناسخ کو کہتے ہیں۔ اور تناسخ نام ہے۔ ایک روح کے بار بار دوسرے جسموں میں پڑ کر دنیا میں آتے رہنے کا۔

پس (حضرت اقدس) مرزا صاحب کے بروز محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرنے کے یہ معنے ہوئے۔ کہ آپ اپنے جسم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور یہ ذات رسول ہونیکا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔ اور محقق صاحب کی پارٹی میں سے ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا بھی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بروز و تناسخ ہرگز ایک نہیں ہیں۔ اور مسئلہ بروز کے جاننے اور ماننے والے یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ بارز یعنی صاحب بروز کی روح مورد بروز میں آجاتی ہے۔ اور جیسا کہ محقق صاحب کے انداز بیان سے پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ بروز کوئی اسلامی مسئلہ نہیں ہے۔ اور صلحاء و عرفاء اسلام میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا۔ بلکہ درحقیقت بروز ایک اسلامی مسئلہ ہے۔ تناسخ کو اسلام رد کرتا۔ اور بروز کو قبول کرتا ہے۔ اور اولیاء امت کی کتابوں میں بہ شدّ و مد اس مسئلہ کا بیان موجود ہے۔ ہم ان میں سے بعض کے حوالہ جات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

پہلا حوالہ | کتاب اقتباس الانوار مصنفہ قطب العالم شیخ المشائخ محمد اکرم صابری قدوسی میں لکھا ہے:-

"روحانیت کمّل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرّف میفرماید۔ کہ فاعل افعال شاں مے گردد و ایں مرتبہ را صوفیاء بروز مے گویند . . . . و در شرح فصوص الحکم می نویسند (یعنی بغرض بیان کردن نظیر بروز مے گوید) کہ نزد محققاں محقق است کہ بر صورت آدم در مبدء ظہور نمود (یعنی بطور بروز در ابتدا عالم روحانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم در آدم متجلی شد) و ہم او

باشد کہ در آخر بہ صورت خاتم ظاہر گردد۔ (یعنی در خاتم الولایت
کہ مہدی است نیز روحانیتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
بروز و ظہور خواہد کرد و تصرف خواہد نمود) و ایں را بروزات کُمّل
گویند نہ تناسخ۔ و بعضے برآنند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز
کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث
کہ لَا مَہْدِیَ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (ابن ماجہ)

یعنے حضرات کاملین کی روحانیت کبھی ارباب ریاضت پر اس قسم کا تصرف کرتی ہے۔ کہ ان کے تمام افعال کی فاعل بن جاتی ہے۔ حضرات صوفیاء کرام نے اس مرتبہ کا نام بروز رکھا ہے۔ اور فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے۔ یعنی بروز کی نظیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ جو ابتداء میں بصورت آدم جلوہ فرمائے ظہور ہوئے۔ یعنی ابتدائے آفرینش عالم میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جناب آدم علیہ السلام میں بروز فرمایا۔ اور وہی مقدس روحانیت بہ صورت خاتم ظاہر ہوگئی۔ یعنی حضرت مہدی علیہ السلام میں بھی جو خاتم الولایت ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت بروز اور تصرف فرمائیگی۔ اور اس کو کاملین بروز کہتے ہیں یہ تناسخ نہیں ہے۔ اور بعض کا مذہب ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کی روح مہدی میں بروز فرمائے گی۔ اور نزول سے یہی بروز مراد ہے۔ حدیث لَا مَہْدِیَ اِلَّا عِیْسیٰ کے مطابق۔ (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور)

دُوسرا حوالہ آخر میں ہم ایک حوالہ اس سے بھی بڑھا ہوا پیش کرتے ہیں۔ شاہ مبارک علی صاحب حیدرآبادی خزائن اسرار الکلم مقدمہ شرح

فصوص الحکم مطبوعہ کانپور کے صفحہ ۷۴ میں فرماتے ہیں :-

"اٹھارواں حاشیہ مسئلہ بروز اور تمثل کے بیان میں بعض نا واقفوں نے اس کو بھی تناسخ جانتے ہیں۔ واضح ہو کہ بروز عبارت ہے تعلق اور تمثل روحی سے بجائے دیگر باوجود قیام اور ثبوت تعلق اپنے کے ساتھ جائے قیام اپنی کے بغیر کسی تغیر اور قیام کے حالت اصلی اپنی میں۔ یا ظہور اور تمثل ایک کا کسی رحم میں باوجود قیام خود بجائے اصل اپنے کے اور کوئی خلل اور نقصان بارز میں نہ ہو۔ اور تناسخ تعلق روحی ہے۔ بجائے دیگر اس عالم میں جائے اول سے تعلق چھوڑ دیوے۔ تمام اہل اسلام اور نصاری اور اکثر ہنود منکر تناسخ کے ہیں۔ نہ بروز اور تمثل کے پس تعلق ارواح صدیقین اور شہداء کا قوالب طیور میں دوسرے عالم میں۔ اور بروز و تمثل جبرئیل اور دیگر ملائکہ علیہم السلام کا بصورت رجال کے تناسخ نہ ہوگا۔ پس بروز اور تمثل تناسخ نہ ہوگا۔ اور ایسا ہی حکم بروز ادریس علیہ السلام کا بنام زد الیاس علیہ السلام کے۔ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے . . . . . اور یہ بروز کبھی بہ سبب غلبہ کسی ایک صفت کے ہوتا ہے۔ اور کبھی بغلبہ جمیع صفات کمالیہ کے۔ اس صورت میں کمال اتحاد مظہر کا بارز کے ساتھ ہوگا۔"

اہل انصاف یہ حوالہ جات پڑھیں۔ اور انصاف فرمائیں۔ کہ محقق صاحب کا اتحاد بروزی یعنی ظلیت کاملہ کو عینیت منطقی قرار دینا

اور ایک تاج المناظر بن قادری صاحب بالمقابل کا بروز سے تناسخ مراد لینا۔ کہاں تک ان حضرت کے شایان شان ہے۔

حضرت مسیح موعود اور اولیاء امت کے درجہ میں فرق

یہاں اس امر کی وضاحت کرنی بھی ضروری ہے۔ کہ جس طرح مقام نبوت اور ولایت پر فائز ہونیوالوں کے مدارج میں باہمی فرق ہوتا ہے۔ یعنی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح مقام بروز پر فائز ہونے والوں کے مدارج میں بھی باہمی فرق ہوتا ہے۔ یعنی بعض جو اس مقام کے ابتدائی یا درمیانی مراحل پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے مقابل میں جو سب سے اعلیٰ مرحلہ پر کھڑے ہوتے ہیں۔ کم مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے گو بعض دیگر اولیاء امت کی طرح بروز آنحضرت صلعم یعنی فنافی الرسول ہونے کا ہی دعویٰ کیا ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ کا مرتبہ دوسرے اولیاء اللہ کے مرتبہ کے مساوی نہیں ہے۔ بلکہ ان سے افضل ہے۔ کیونکہ آپ بوجہ مسیح موعود ہونے کے احادیث نبویہ کے مطابق نبی ہیں۔ اور دوسرے اولیاء اللہ نبوت کے مقام تک نہیں پہنچے تھے۔ اور یہ ایک خاص امتیاز ہے۔ جو مقام بروز پر فائز ہونے والے افراد امت میں سے مسیح موعودؑ کو نمایاں کرتا ہے۔ اور جناب محقق صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی حساب" میں زیر عنوان "بروز کی تشریح" جو اقتباسات بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۱۲ درج کئے ہیں۔ ان میں اسی امتیاز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو نبی ہونے کی وجہ سے جو درجہ حاصل ہے۔ وہ مقام بروز پر پہنچنے والے

دوسرے اولیاء امت کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ یعنی چونکہ آپ کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بروزِ اتم ہونے کے باعث آنحضور کی نبوت ظلیہ کی چادر پہنائی گئی ہے۔ اور دوسرے اولیاء کو یہ نعمت نہیں بخشی گئی۔ اس لئے آپ کا مرتبہ دوسرے اولیاء سے بلند ہے :-

ختم نبوت کے مضمون پر اعتراض

مسئلہ بروز پر اعتراض ناروا کے بعد محقق صاحب بالقابہ نے بہ ذیل عنوانات "ختم نبوت پر الزام اور غیرت کا مقام" اور "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے"۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی تقریروں سے بعض ایسے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ جن میں نبوت غیر تشریعیہ وغیر مستقلہ ظلیہ کا دروازہ کھلا ثابت کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند تسلیم کیا جائے۔ تو اس سے حضرت رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک لازم آتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ انعام جو خدا تعالےٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں پر کرتا چلا آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اگر یہ مانا جائے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور پیروی میں نبوت غیر تشریعیہ وغیر مستقلہ ظلیہ جاری ہے۔ تو اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور فیضان کی برکت کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ اب کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جناب محقق صاحب، کو اس میں کونسی ایسی بات نظر آئی ہے۔ جس سے آپ کے نزدیک "ختم نبوت" پر الزام آتا ہے۔

اور جسے آپ نے "عبرت کا مقام" قرار دیا ہے ؛

نامعقول طرزِ عمل

اگر آپ کو مسئلہ "ختم نبوت" کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مندرجہ بالا خیالات سے اختلاف تھا۔ تو آپ کا فرض تھا۔ کہ پوری کوشش کے ساتھ ان دلائل کو توڑتے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس امر کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ اور آپ از روئے قرآن مجید و احادیث شریف یہ ثابت کر دکھاتے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جس طرح کوئی تشریعی و مستقل نبی نہیں آسکتا۔ اسی طرح غیر تشریعی و غیر مستقل ظلی نبی بھی نہیں آسکتا۔ لیکن آپ نے اس اصولی مسئلہ پر بحث کرنے سے کنارہ کشی ہی مناسب جانی۔ اور اِدھر اُدھر سے حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی کتابوں کے بعض حوالہ جات نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے۔ اور صرف یہی نہیں۔ کہ آپ نے تحریر ہی میں اس مسئلہ پر بحث کرنے سے کنارہ کشی کی ہے۔ بلکہ تقریر میں بھی آپ کو اس بحث سے علیحدہ رہنے میں بہتری نظر آتی ہے۔ حالانکہ اس میں آپ کو بقول خود بغیر کسی تیاری کے بھی ایسی تقریر کرنی آتی ہے۔ جو بھرے مجمعوں میں کام کر جاتی ہے۔ اور دلوں میں اتر جاتی ہے۔ چنانچہ آپ حیدر آباد میں ایک جلسہ میلاد شریف کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

"۲۰۔ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ یوم جمعہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور خلاف معمول اس ناچیز کے مشورے بلکہ اطلاع کے بغیر "ختم نبوت" کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ صرف ایک روز قبل اپنے کو پتہ چلا۔

بہر حال بڑے مجمع کے رُو برو شب کو تقریر ہوئی اپنی بے بضاعتی
تو معلوم ہے۔ خدا کی شان تقریر کام کر گئی۔ دلوں میں اُتر گئی"
(تالیف برنی صفحہ ایڈیشن اول)

تقریر کے کام کر جانے اور دلوں میں اُتر جانے کا اعلان فرمانے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جدید تعلیم کے زیر اثر اظہار انکسار فرمانے کے بعد آپ لکھتے ہیں:-

"قادیانی صاحبان کو تشویش ہوئی۔ کہ ان پر کافی زد پڑی۔
جلسہ ختم ہوتے ہی قادیانی صاحبان کے نمائندے نے آکر
تبادلۂ خیالات کے نام سے مناظرے کی دعوت دی۔ لیکن
عرض کر دیا گیا۔ کہ اپنا یہ منصب نہیں ہے۔ اس کام کے لئے
علماء کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔ تو مناسب ہے"

ناظرین آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ احمدیوں کے نمائندے کا تبادلۂ خیالات کے لئے عرض کرنا۔ تو آپ کو اس لئے نامنظور۔ کہ وہ مناظرے کی دعوت تھی۔ جو آپ کا منصب نہیں ہے۔ اور جلسہ میلاد شریف میں "بیان ختم نبوت" کے پردے میں احمدیوں پر کاری ضرب لگانے کیلئے کھڑے ہو جانا۔ اس لئے مرغوب۔ کہ وہ جلسہ میلاد تھا۔ اور اس میں دوسروں پر حملہ آور ہونا۔ نہایت مناسب اور موزون۔ اور آپ کا مخصوص حق۔ اور اس کے جواب میں اس موقعہ پر لب ہلانے کا خیال بھی نہ کرنا دوسروں کا فرض عین۔

اکابر علماء اُمت اور مسئلہ ختم نبوت

جیسا کہ بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ محقق صاحب نے تو پوری احتیاط کے ساتھ اس مسئلہ سے پہلو بچایا ہے۔ لیکن ہم اکابر علماء و صلحائے اُمت کے کچھ

ایسے اقوال پیش کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہے۔ کہ نبوت تشریعی تو ختم ہو گئی۔ لیکن نبوت غیر تشریعی امت محمدیہ کے لئے باقی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی ظلی کے باقی ہونے کا اعتقاد رکھنا "ختم نبوت پر الزام" کے مترادف ہے۔ تو جناب محقق صاحب ان بزرگوں کی نسبت کیا فرمائیں گے۔ کیا بلحاظ موقع وہی مکرر: مصرع ع

"صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے"

(۱) صحیح ابن ماجہ کتاب الجنائز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل روایت آئی ہے۔ حضور نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر فرمایا۔ لَوْ عَاشَ لَكَانَ نَبِيًّا۔ یعنی اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔ تو ضرور نبی ہوتا۔ اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے بعد مشہور محدث ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب موضوعات کبیر صفحہ ۵۸ و ۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"قُلْتُ مَعَ هٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ ۔ ۔ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذِ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْ نَبِيٌّ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ"

یعنے میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے۔ اور نبی ہو جاتے۔ اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے۔ تو دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔ پس یہ آیت خاتم النبیین کے مخالف نہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔"

(۴) شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے بھی اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں مختلف مقامات پر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ جلد ۲ باب ۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِمَجِیْءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ھِیَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ لَا مَقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا آخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ وَلَا رَسُوْلَ اَیْ لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ بِشَرْعٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ فَھٰذَا ھُوَ الَّذِیْ انْقَطَعَ وَسُدَّ بَابُہٗ لَا مَقَامُ النُّبُوَّۃِ"

یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے جو نبوت بند ہوئی ہے۔ وہ تشریعی نبوت ہے۔ نہ کہ مقام نبوت۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ یا اس میں کسی قسم کی ایزادی کرنے والی کوئی شریعت نہ ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میرے بعد نبوت اور رسالت بند ہوگئی ہے۔ اور میرے بعد کوئی رسول اور نبی نہ ہوگا۔ یہی مطلب ہے۔ کہ کوئی ایسا نبی نہ ہوگا۔ جو میری شریعت کے مخالف ہو۔ بلکہ جب ہوگا۔ میری شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اسی طرح کوئی ایسا رسول نہ ہوگا۔ جو نئی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ پس نبوت کے منقطع ہونے اور اس کے دروازہ کے بند ہونیکے یہ معنی ہیں۔ نہ یہ کہ مقام نبوت اب کسی کو نہیں مل سکتا۔"

(۳) امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" وَقَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ: اَلْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِيْ " یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں مراد یہ ہے۔ کہ حضورؐ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہ ہوگا۔

(۴) عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ " (الانسان الکامل باب ۳۶) یعنی نبوت تشریعی کا حکم بند ہو چکا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں"۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَيْ لَا يُوْجَدُ مَنْ يَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ"۔ (تفہیمات الٰہیہ تفہیم ۵۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ جسے خدا تعالےٰ شریعت دیکر لوگوں کی طرف مامور فرمائے"۔

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

"قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ" (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء تو بے شک کہو۔ مگر یہ نہ کہو۔ کہ حضور کے بعد نبی نہیں"۔

امام محمد طاہر سندھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ قول درج کر کے تحریر فرماتے ہیں:۔

" هٰذَا نَاظِرًا اِلٰى نُزُوْلِ عِيْسٰى وَهٰذَا اَيْضًا لَا يُنَافِيْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِيَّ يَنْسَخُ شَرْعَهٗ" یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے

یہ قول مسیح موعود نبی اللہ کی آمد کو مدنظر رکھ کر فرمایا ہے۔ اور یہ حدیث نبوی لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس حدیث سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہ ہوگا۔ جو حضور کی شریعت کو منسوخ کردے۔"

(۳) مولانا روم رح مثنوی دفتر پنجم میں فرماتے ہیں:۔

"بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود | مثل او نے بود نے خواہند بود
چونکہ در صنعت برد استاد دست | نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

یعنی روحانی فیض کی سخاوت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں۔ نہ آپ کی مانند کوئی کامل پہلے ہُوا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔ کیا جب کوئی شخص کسی صنعت میں کمال حاصل کرے۔ تو تُو یہ نہیں کہتا۔ کہ تم پر یہ صنعت ختم ہوگئی۔"

بزرگان سلف کے مذکورہ بالا اقوال سے ظاہر ہے۔ کہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لانبی بعدی سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت بند ہے۔ اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا مذہب ہے۔ اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ گذشتہ صلحاء اُمت میں سے کسی ایک بھی مسلّم بزرگ کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس میں نبوت غیر تشریعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند قرار دی گئی ہو۔

محقق صاحب کی انصاف پسندی

عنوانات مذکورہ بالا کے بعد جن کے متعلق اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔ جناب محقق صاحب بالقابہ نے عنوان "نبوت و رسالت کا ایقان و اعلان" کے ذیل میں حضرت اقدس کی چند ایسی عبارتیں جن میں حضور کی نبوت کا ذکر ہے۔ نقل کی ہیں۔ اور چونکہ آپ کا مقصود خلق اللہ کو اس مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

(۳) امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں:-
"وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ اَلْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِيْ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں مراد یہ ہے۔ کہ حضورؐ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہ ہوگا۔"

(۴) عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-
"فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" (الانسان الکامل باب ۳۶) یعنی نبوت تشریعی کا حکم بند ہو چکا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں"۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:-
"خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَيْ لَا يُوْجَدُ مَنْ يَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ"۔ (تفہیمات الٰہیہ تفہیم ۵۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ جسے خدا تعالےٰ شریعت دیکر لوگوں کی طرف مامور فرمائے"۔

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-
"قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ"۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء تو بے شک کہو۔ مگر یہ نہ کہو۔ کہ حضور کے بعد نبی نہیں"۔

امام محمد طاہر سندھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول درج کر کے تحریر فرماتے ہیں:-
"هٰذَا نَاظِرًا اِلٰى نُزُوْلِ عِيْسٰى وَهٰذَا اَيْضًا لَا يُنَافِيْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِيَّ يَنْسَخُ شَرْعَهٗ"۔ یعنی ام المومنین حضرت عائشہؓ نے

یہ قول مسیح موعود نبی اللہ کی آمد کو مد نظر رکھ کر فرمایا ہے۔ اور یہ حدیث نبوی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس حدیث سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہ ہوگا۔ جو حضورؐ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔"

(۷) مولانا روم رحمہ مثنوی دفتر پنجم میں فرماتے ہیں:۔

"بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود | مثل او نے بود و نے خواہند بود
چونکہ در صنعت بُرد استاد دست | نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

یعنی روحانی فیض کی سخاوت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں۔ نہ آپ کی مانند کوئی کامل پہلے ہوا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔ کیا جب کوئی شخص کسی صنعت میں کمال حاصل کرے۔ تو تُو یہ نہیں کہتا۔ کہ تم پر یہ صنعت ختم ہو گئی۔"

بزرگانِ سلف کے مذکورہ بالا اقوال سے ظاہر ہے۔ کہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت بند ہے۔ اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا مذہب ہے۔ اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ گذشتہ صلحاء امت میں سے کسی ایک بھی مسلم بزرگ کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس میں نبوت غیر تشریعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند قرار دی گئی ہو۔

محقق صاحب کی انصاف پسندی

عنوانات مذکورہ بالا کے بعد جن کے متعلق اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔ جناب محقق صاحب بالقابہ نے عنوان "نبوت و رسالت کا ایقان و اعلان" کے ذیل میں حضرت اقدس کی چند ایسی عبارتیں جن میں حضورؑ کی نبوت کا ذکر ہے۔ نقل کی ہیں۔ اور چونکہ آپ کا مقصود خلق اللہ کو اس مغالطہ میں ڈالنا ہی

کہ حضرت اقدس نے نبوت تشریعیہ و مستقلہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اس لئے
آپ نے نقل عبارات میں دیانت و امانت کا گلا ناخنوں تک زور لگا کر دونوں
ہاتھوں سے گھونٹا ہے۔ مثلاً اخبار عام کے حوالہ سے جو حضرت اقدس کے مکتوب
گرامی کی عبارت نقل کی ہے۔ تو اس کا وہ حصہ بالکل اڑا دیا ہے۔ جس میں
حضرت اقدس نے یہ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ نبوت تشریعیہ و مستقلہ کے دعویٰ
کا جو الزام میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ وہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ میں نے
ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ میں ایسے دعوے کو کفر سمجھتا ہوں۔ اور عبارت مذکورہ
کا آخری حصہ جس میں یہ تشریح و تفصیل نہیں تھی نقل کر دیا ہے۔ ہم نے
اخبار عام کا وہ حصہ جسے محقق صاحب مکرم نے نقل کرنا پسند نہیں فرمایا
ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹ میں نقل کر دیا ہے۔ ناظرین اس عبارت
کو دیکھیں۔ اور محقق صاحب کو ان کے انصاف کی داد دیں۔ اس عنوان کے
ذیل میں "ایک غلطی کا ازالہ" چشمہ معرفت اور حقیقۃ الوحی سے جو عبارات نقل
کی ہیں۔ وہ بھی اسی خیال سے نقل کی ہیں۔ کہ ناظرین پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے۔
کہ حضرت اقدس کو تشریعی و مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہم نے بھی
ان میں سے اکثر کتابوں سے عبارتیں نقل کی ہیں۔ ناظرین نبوت کی بحث میں
ان کو دیکھ کر اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت اقدسؑ پر نبوت تشریعیہ
و مستقلہ کے دعوے کا الزام بالکل باطل ہے۔

فصل اوّل کے آخری تین عنوانات

عنوان مذکورہ بالا کے بعد "مرزا صاحب کی وحی" کا عنوان ہے۔ اور اس پر بھی ہم
کافی بحث کر آئے ہیں۔ اور ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حضرت اقدس نے اپنی وحی
کی نسبت کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ وہ درجہ و مرتبہ میں قرآنی وحی کے

مساوی و ہم پلہ ہے ؛

پھر محقق صاحب نے ایک عنوان " قادیانی تکفیر کی ترقی " قائم کیا ہے - اور ہم اس کے متعلق سر دست اسی پر اکتفا کرتے ہیں - کہ یہ ترقی تو مکفرین کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے - ورنہ کوئی نہیں دکھا سکتا - کہ حضرت اقدس نے تکفیر میں سبقت کی ہے ؛

محقق صاحب نے فصل اول میں بارھواں عنوان " نبوت کے دعوے کی سرگذشت " رکھا ہے - لیکن اس امر میں وہ معاندین اسلام مثلاً پنڈت دیانند سرستی - اور پنڈت لیکھرام پشاوری - اور پادری فنڈر اور سر ولیم میور سے زیادہ نمبر نہیں لیجا سکے ہیں - اس بارھویں عنوان پر تالیف برنی کی فصل اول ختم ہوگئی ہے -

اب

ہم اس کی فصل دوئم پر نظر کرتے ہیں ؛

اور اُس سے متعلقہ مضامین پر تنقید

مسیح موعودؑ کی فضیلت کا مسئلہ فصل دوئم تتمہ فصل دوئم اور مقدمہ و تمہید کے ان حصوں میں جو فصل دوئم سے متعلق ہیں۔ حضرت اقدس کے دعویٰ فضیلت پر بحث کی گئی ہے۔ حالانکہ بحث ہونی چاہیئے تھی اس مسئلہ پر کہ حضرت اقدس درحقیقت مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ہمارے اور ان حضرات کے درمیان جو ہم سے مخالفت رکھتے ہیں۔ مسیح موعود کے درجہ و مرتبہ کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو درجہ و مرتبہ وہ مانتے ہیں۔ وہی ہم بھی مانتے ہیں۔ ہمارے اور اُن کے درمیان اختلاف تو اس امر میں ہے۔ کہ مسیح موعود کون ہے۔ آیا اسرائیلی حضرت مسیح علیہ السلام جو ہمارے مخالفین کے نزدیک زندہ مع جسم خاکی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ یا ان کے علاوہ اسی امت محمدیہ کا ایک فرد کامل۔ لیکن چونکہ بار بار کے تجربہ نے بتا دیا ہے۔ کہ اس بحث کا نتیجہ ہمارے مخالفین کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ اس پر بحث نہیں کرتے۔ اور ایک ایسے مسئلہ پر بحث شروع کر دیتے ہیں۔ جس میں ہمارے اور اُن کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ محقق صاحب نے بھی یہی طریق اختیار

فرمایا ہے۔ یعنی اصل اختلافی مسئلہ میں تو کہ مسیح موعود کون ہے۔ آپ نے بحث سے گریز کیا ہے۔ اور مسئلہ فضیلت پر بحث چھیڑ دی ہے۔ اور اس کے متعلق پندرہ عنوانوں کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور بعض دیگر اصحاب کی تحریروں سے اقتباس پیش کئے ہیں۔

حضرت اقدس کے دعاوی فضیلت میں ارتقاء

آپ نے سب سے پہلے یہ امر ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس کے دعوئی فضیلت میں ارتقاء پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں تو آپ کسی سے فضیلت کا دعویٰ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے فضیلت کے مختلف دعوے کئے ہیں۔ چونکہ ہم ارتقاء کے متعلق فصل اول کے جواب میں کافی بحث کر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ناظرین ہمارے اس مضمون کا وہ حصہ ملاحظہ فرمالیں۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی ارتقائی حالت دکھائی گئی ہے۔

دعوئی فضیلت مفضل علیہ کی ہتک کو مستلزم نہیں

جناب محقق صاحب بالقابہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اولیاء اور انبیاء پر فضیلت کا دعویٰ کر کے ان کو نظروں سے گرایا ہے۔ یعنی اُن کی ہتک اور توہین کی ہے۔ (تالیف برنی صہ ۹ ایڈیشن اول)

قرآن مجید کا بعض انبیاء پر بعض کو فضیلت دینا

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ایک شخص کا کسی دوسرے سے فضیلت

کا دعویٰ مفضّل علیہ کی ہتک کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یعنی ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اب اگر ایک نبی کا کسی دوسرے نبی پر فضیلت کا دعویٰ مفضل علیہ کی توہین اور ہتک کو مستلزم ہے۔ تو اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قرآن کریم میں اُن انبیاء کی جن پر بعض دوسرے انبیاء کو فضیلت دی گئی ہے۔ توہین کی گئی ہے۔ اور اس کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ لہذا محقق صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریرات پر جن میں آپ نے اپنا مقام اور رُتبہ بیان فرمایا ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ اس سے بعض دوسرے انبیاء یا اولیاء کی توہین ہوئی ہے۔ یا یہ کہ وہ "آپ کی نظر میں نہیں بھرتے" (تالیف برنی صـ۱ ایڈیشن اول) اور آپ ان کو" نظروں سے گراتے ہیں" (تالیف برنی صـ۹ ایڈیشن اول) کس طرح درست ہو سکتا ہے ؟

آنحضرت صلعم کا تمام انبیاء پر دعویٰ فضیلت

قرآن شریف میں بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دئے جانے کے علاوہ سیدنا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے ایک دو پر پھر رفتہ رفتہ تمام انبیاء پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر محقق صاحب کا یہ قاعدہ صحیح ہے۔ کہ فضیلت کے دعوے سے مفضل علیہ کی ہتک لازم آتی ہے۔ تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ حضور علیہ السلام نے بھی تمام انبیاء کی ہتک کی ہے ؛

شیخ عبدالقادر جیلانی رض کے دعاوئ فضیلت

پھر اولیاء امت اور صوفیاء کرام نے بھی اپنی اپنی فضیلت کے بڑے بڑے دعاوی کئے ہیں۔ اور ان میں سب سے ممتاز محبوب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں جو فرماتے ہیں :-

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلَا لَا تَغْرُبُ (قلائد الجواہر ص۳)

یعنی پہلوں کے سورج غائب ہو گئے۔ اور ہمارا سورج ہمیشہ اُفق آسمان پر چمکتا رہے گا۔" اور فتوح الغیب صفحہ ۲۲ میں فرماتے ہیں : " اَنَا مِنْ وَّرَاءِ عُقُوْلِکُمْ فَلَا تَقِیْسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ وَّلَا تَقِیْسُوْا اَحَدًا عَلَیَّ " یعنی میرا مقام اور درجہ اس قدر بلند ہے۔ کہ تمام عقلیں وہاں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ پس تم نہ مجھے کسی دوسرے پر قیاس کرو۔ اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر۔

پھر حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم رض کا ایک ارشاد یہ بھی بہت مشہور ہے۔ " قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیٍّ " (قلائد الجواہر ص۱۹ مطبوعہ مصر) یعنے میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔"

اب محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔ بی چشتی قادری فاروقی فرمائیں۔ کہ کیا وہ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق بھی آنجناب کے مندرجہ بالا دعاوئ فضیلت کے سبب سے ہی فتوے صادر فرمائیں گے۔ کہ آنجناب نے ایسے دعاوی کرکے بلا استثناء تمام اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی توہین کی۔ اور انہیں نظروں سے گرایا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

کیا حضرت اقدس ؑ نے تمام انبیاء پر فضیلت کا دعویٰ کیا؟

جناب محقق صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام حتّٰی کہ حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی نعوذ باللہ فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ اعتراض آپ نے حسب ذیل پانچ عنوانوں کے تحت بیان کیا ہے۔

۱۔ "تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت"
۲۔ "حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت"
۳۔ "حضرت نوح علیہ السلام پر فضیلت"
۴۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت۔"
۵۔ "حضرت سید المرسلین پر فضیلت"

اب ہم ہر عنوان اور اُسکے ذیل کی عبارتوں پر علیحدہ علیحدہ نظر کرتے ہیں۔

محقق صاحب کا پیشکردہ پہلا حوالہ

"تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت" کے عنوان کے تحت میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو فارسی شعر پیش کئے گئے ہیں۔ جن کا اُردو ترجمہ یہ ہے :۔

"اگرچہ خدا تعالےٰ کے نبی بہت ہوئے ہیں۔ مَیں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ کیطرف سے ہر نبی کو جو جام (معرفت) دیا گیا ہے مجھے بھی وہ لبا لب جام عطا کیا گیا ہے۔"

ایک معمولی علم و عقل کا آدمی بھی اس سے یہی سمجھے گا۔ کہ حضرت اقدس کے مذکورہ بالا الفاظ میں جام عرفان کے پانے میں کسی سے کم نہ رہنے کا

دعویٰ کیا گیا ہے۔ نہ کہ تمام انبیاءؑ پر فضیلت کا۔ کون نہیں جانتا۔ کہ کسی امر میں کسی سے کم نہ ہونا۔ اور بات ہے۔ اور اس سے افضل ہونا اور بات۔ مگر کم نہ رہنے کے دعوے سے جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب افضل ہونے کا دعویٰ نکال رہے ہیں۔ اور یہ خاص انہیں کا حصہ ہے۔ کیونکہ کم نہ ہونے سے برابر ہونے کا نتیجہ تو نکل سکتا ہے۔ لیکن افضل ہونے کا کسی طرح نہیں نکل سکتا۔ اب رہا برابر ہونا۔ تو اس سے کُل امور میں برابری کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص اُسی امر میں ثابت ہوتا ہے۔ جس کی تصریح کر دی گئی ہو۔

انبیاء بلحاظ رسالت برابر ہیں

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام بلحاظ رسالت تو برابر ہیں۔ اور آپس میں کوئی تفریق نہیں رکھتے۔ لیکن بلحاظ دیگر مدارج و مراتب اور باعتبار اور خصوصیات کے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ چنانچہ محدث مُلّا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد پنجم صفحہ ۲۴۳ میں فرماتے ہیں "اِنَّهُمْ مُتَسَاوُوْنَ فِيْهَا (نَفْسِ النُّبُوَّةِ) وَاِنَّمَا التَّفَاضُلُ بِخَصَائِصَ وَفَضَائِلَ اُخْرٰى۔ یعنی انبیا نفس نبوت میں تو برابر ہوتے ہیں۔ ہاں دوسرے خصائص و فضائل کی وجہ سے ایک دوسرے سے افضل ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے۔ کہ تمام انسان بلحاظ انسانیت تو مساوی ہیں۔ لیکن روحانی مدارج یا دنیاوی مراتب کے لحاظ سے کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا۔ پس جس طرح بلحاظ انسانیت، تمام انسانوں کے مساوی یا بلحاظ رسالت تمام رسولوں کے مساوی کہنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اور مدارج و مراتب کے لحاظ سے بھی ان کو مساوی قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت اقدس کے

اس ارشاد سے بھی کہ میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ یہ لازم نہیں آتا۔ کہ آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے درجہ و مرتبہ میں مساوات کا دعویٰ کیا ہے ؛

محقق صاحب کا پیشکردہ دُوسرا حوالہ

دوسری عبارت جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت" کا دعویٰ کرنے کے ثبوت میں پیش کیگئی ہے۔ یہ ہے:۔

"میرا قدم ایک ایسے منارہ پر ہے۔ جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے۔"

محقق صاحب نے اس کا حوالہ خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۰ درج کیا ہے (تالیف برنی صفحہ ۴۶۴) لیکن یہ عبارت خطبہ الہامیہ کے صفحہ ۱۸۰ میں نہیں۔ بلکہ صفحہ ۳۵ میں ہے۔ اور جیسا کہ اس کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُمت محمدیہ کے اولیاء پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ نہ کہ تمام انبیاء پر۔ چنانچہ یہ عبارت مع سیاق و سباق ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ناظرین خود غور فرمائیں۔ کہ اس سے تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کے دعویٰ کا استدلال کرنا کہاں تک قرین عقل و انصاف ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"میں ختم ولایت کے مقام پر ہوں۔ جیسا کہ میرے سردار محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ختم نبوت کے مقام پر ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور میں ولیوں کا خاتم ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا۔ مگر وہ جو مجھ سے اور میرے عہد پر ہوگا۔ اور میں اپنے رب کی طرف سے تمام تر قوت اور برکت اور عزت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ اور یہ میرا قدم

(یعنی مقامِ ختمِ ولایت) ایک ایسے منارہ پر ہے۔ جس پر ہر ایک
بلندی ختم کی گئی ہے "

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا ارشاد کے آخری فقرہ
میں " یہ میرا قدم " کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ " یہ " کا لفظ اشارہ قریب کے
لئے ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا سے بوضاحت ثابت ہو رہا
ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سے پیشتر اُمتِ محمدیہ کے اولیاء
پر فضیلت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اور تمام انبیاء پر فضیلت کے مقام کو حضرت
خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے
مخصوص قرار دے رہے ہیں۔ پس اس فقرہ میں " یہ " کے لفظ سے جس
مقام کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اولیاء پر فضیلت کا مقام ہے۔ اور ہمیں نہایت
افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ محقق برنی صاحب نے حوالہ نقل کرتے ہوئے
" یہ " کا لفظ اڑا دیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ لفظ ہے۔ جس سے عبارت کا
صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے ؛

افسوسناک حرکت خطبہ الہامیہ کی مذکورہ بالا عبارت پیش
کرنے میں محقق صاحب محترم سے ایک اور
افسوسناک امر یہ ظاہر ہوا ہے۔ کہ آپ نے اس آخری فقرہ کو تو اپنی کتاب کے
صفحہ ۴۷ میں حضرت مسیح موعودؑ کے " انبیاء علیہم السلام پر فضیلت " کے
دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اور اس کے پہلے حصہ کو صفحہ ۴۵
میں حضرت اقدس کے " امت محمدیہ کے تمام اولیاء پر فضیلت " کے
دعویٰ کے ثبوت میں۔ گویا بیک کرشمہ دو کار کے مضمون کے مطابق ایک
ہی مسلسل عبارت کے ایک حصہ سے تو آپ نے کچھ نتیجہ نکالا ہے۔ اور دوسرے

سے کچھ۔ پھر اس مغالطہ دہی پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک اور مکروہ چال یہ چلی ہے۔ کہ صفحہ ۴۶ میں اس عبارت کا حوالہ خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸ درج کیا ہے۔ جو غلط ہے۔ اور صفحہ ۴۵ میں اس کا حوالہ خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵ درج کیا ہے۔ جو صحیح ہے۔ غالباً اس سے آپ کا مقصود پبلک پر یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ یہ مختلف مقامات کی دو مختلف عبارتیں ہیں۔ جن سے آپ نے دو مختلف استدلال کئے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی مقام کی مسلسل عبارت ہے:

خیانت کا ذمہ دار کون ہے؟

اگر یہ کہا جائے۔ کہ ان تمام خیانتوں کے براہ راست ذمہ دار جناب محقق صاحب نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ وار سلسلہ احمدیہ کے وہ بدنیت مخالفین ہیں۔ جن کی تصنیفات سے صاحب موصوف نے حوالجات نقل کئے ہیں۔ اور جنھیں اصل عبارتوں میں کتر بیونت کر کے صرف وہ الفاظ پبلک میں پیش کرنے کی عادت ہے۔ جن سے عوام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اشتعال اور نفرت پیدا ہو۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ بہت اچھا۔ لیکن محقق صاحب بالقابہ سے یہ کس نے کہا تھا۔ کہ دعوی تو آپ یہ کریں کہ "چونکہ قادیانی لٹریچر میں حد درجہ تضاد۔ ابہام اور التباس ہے۔ اکثر مباحث بھول بھلیاں نظر آتے ہیں۔ عقل حیران اور طبعیت پریشان ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم خود بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباس تلاش کر کے وہ مخصوص اعتقادات جو لوگوں سے تقریباً مخفی ہیں۔ معدودے چند بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں" (تالیف ربّی صفحہ ۱۰ و ۱۱۔ ایڈیشن اوّل)

اور باوجود اس لمبے چوڑے محققانہ دعوے کے حضرت اقدس مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی کتابوں سے حوالے نقل کرنے کی جگہ مخالفین و معاندین کی کتابوں سے حوالے نقل کرنے بیٹھ جائیں۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی کتابوں سے صاف صاف اقتباس تلاش کرکے پیش کرنا اسی کا نام ہے۔ کہ کچھ حوالے مونگھیری صحیفوں سے نقل کرلئے جائیں۔ اور کچھ امرتسری اور پٹیالوی تحریروں سے۔ کبھی کسی ڈاکٹر کی ریزہ چینی کی جائے۔ اور کبھی کسی پوسٹ ماسٹر کی۔ ؟

محقق صاحب کے پیش کردہ بقیہ حوالے

پھر جناب محقق صاحب نے بہ ذیل عنوان "تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت" اپنی تالیف کے صفحہ ۹۰ و ۹۱ میں "کلمۃ الفصل" مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے تین حوالجات ۔ اور "حقیقۃ النبوۃ" مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز سے ایک حوالہ پیش کیا ہے۔ ان سب حوالہ جات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظلِ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہونیکا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کامل ہونے کی وجہ سے ایک "عظیم الشان" نبی ہیں۔ اور بعض "انبیاء بنی اسرائیل" سے افضل۔ نیز یہ کہ چونکہ ظل اپنے اصل سے جدا نہیں ہوسکتا۔ دونوں میں کمال یگانگت ہوتی ہے۔ یعنی ظل میں وہ تمام خصوصیات منعکس ہوجاتی ہیں۔ جو اصل میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مسیح موعود علیہ السلام بوجہ فنا فی الرسول ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے روحانی طور پر علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں انتہائی اتحاد پایا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کا درجہ اکابر امت کے نزدیک

اور یہ وہ مقام ہے۔ جو امتِ محمدیہ میں اس مسیح موعود اور مہدی معہود کے لئے جس کی آمد کی احادیث میں بشارت دی گئی ہے۔ مسلّم ہے۔ لیکن محقق صاحب بالفاظہٖ اس پر بہت برہم ہیں۔ اور مخلوق پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپکو اولیاء بلکہ بعض انبیاء سے بھی افضل بنا کر ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے درجہ و مرتبہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ بحیثیت مسیح موعود و مہدی معہود ہونے کے ہے۔ نہ بلحاظ مرزا صاحب ہونے کے۔ اور اگر محقق صاحب مکرّم کو بلحاظ مسیح موعود و مہدی معہود ہونے کے بھی حضرت اقدس کے مدارج و مراتب سے انکار ہے۔ تو حوالجات مذکورہ میں تو بعض ہی انبیاء سے فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن محقق صاحب کے بزرگ اور مقتدا تو مسیح موعود و مہدی معہود کے مدارج و مراتب کو اس سے بہت زیادہ بیان فرما چکے ہیں۔ چنانچہ

(۱) شرح فصوص الحکم صفحہ ۵۲ و ۵۳ میں لکھا ہے:-

"اَلْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَجِيْئُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِيْقَةِ تَكُوْنُ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ تَابِعِيْنَ لَهٗ كُلُّهُمْ وَلَا تُنَاقِضُ مَا ذَكَرْنَاهُ لِاَنَّ بَاطِنَهٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

یعنے مہدی جو آخری زمانہ میں آئیں گے۔ وہ احکام شرعیہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے۔ اور معارف وعلوم اور حقیقت کے علم میں تمام انبیاء اور اولیاء اس کے تابع ہوں گے۔ کیونکہ اس کا باطن، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا باطن ہے ۔"

(۲) حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶ میں لکھا ہے :-

"قَالَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ فِیْ بَابِ الْمَھْدِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ یَکُوْنُ فِیْ ھٰذِهِ الْاُمَّةِ خَلِیْفَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ قِیْلَ خَیْرٌ مِّنْهُمَا قَالَ قَدْ کَادَ یَفْضُلُ عَلٰی بَعْضِ الْاَنْبِیَاءِ ۔"

یعنی ابن ابی شیبہ نے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مہدی کے باب میں ذکر کیا ہے ۔ کہ انہوں نے فرمایا ۔ اس امت میں ایک خلیفہ ہو گا ۔ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بھی افضل ہو گا ۔ کسی نے کہا ۔ کیا دونوں سے افضل ہو گا؟ تو آپ نے جواب دیا ۔ ہاں وہ تو قریب ہے ۔ کہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو ۔"

(۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مبداء و معاد صفحہ ۵۰ میں فرماتے ہیں :-

"حضرت عیسٰی از حضرت موسٰی افضل است و حدید البصر است و ناقد النظر"

یعنے حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت موسٰی علیہ السلام سے افضل ہیں ۔" حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر مولانا نور الحسن خلیفہ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی لمعہ نور صفحہ ۱۶۳ میں فرماتے ہیں :-

" مبدأ و معاد میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تحریر فرمایا ہے۔ اور مکتوبات شریفہ امام ربانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات نبوت کا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات ولایت کا لکھا ہے۔ تو مطابقت بین القولین اس سے معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول کے اتباع شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمائیں گے۔ اور یہ جامعیت آپ کی بہ نسبت حضرت موسیٰ کے ظاہر و باہر ہے۔"

یہ ہیں مدارج و مراتب اکابر علماء و صلحاء و صوفیاء کے نزدیک مسیح موعود و مہدی معہود کے۔ اب اگر ان حوالجات سے جو "کلمۃ الفصل" اور "حقیقۃ النبوۃ" سے محقق صاحب بالقابہ نے نقل کئے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہتک ہوتی ہے۔ تو ان حوالجات سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان میں تو حضرت مسیح موعود کے بعض ہی انبیاء سے افضل ہونے کا ذکر ہے۔ لیکن ان حوالجات میں کل انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونا بتایا گیا ہے۔ کیا جناب محقق صاحب ان حضرات پر بھی توہین انبیاء کا فتویٰ لگائیں گے۔ یا اس موقع کو ٹال دینا ہی مناسب تصور فرمائیں گے؟

اختلاف مسیح موعود و مہدی معہود کی تعیین میں ہے

اس معاملہ میں ہم میں اور ہمارے مخالفین میں جن میں آج کل پیش پیش جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق جناب برنی صاحب بالقابہ ہیں۔ صرف یہ فرق ہے۔ کہ ہم کہتے ہیں۔ کہ مسیح موعود و مہدی معہود حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ اور مسیح موعود و مہدی معہود کے جو مدارج و مراتب ہیں۔ وہ سب حضرت اقدس کو حاصل ہیں۔ اور

ہمارے مخالفین فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود و مہدی معہود ابھی رونق بخش عالم نہیں ہوئے۔ اور جو مدارج و مراتب ان کے بیان کئے گئے ہیں۔ جب وہ تشریف لائیں گے۔ تو ان کو بلاشبہ حاصل ہوں گے۔ مگر مرزا صاحب کو وہ کہاں حاصل ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے نزدیک مسیح موعود نہیں ہیں۔ اب اہل انصاف دیکھیں۔ کہ ہمارے مخالفین جن امور کو خود ماننے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ انہی اُمور کے ماننے کی وجہ سے ہم کو ادلیا، و انبیاء کی نعوذ باللہ ہتک کرنے والا ٹھہرا رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔ ع

منکرِ مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

حضرت آدمؑ پر دعوےٰ فضیلت کی عبارتیں جناب محقق صاحب نے یہ ذیل عنوان "حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔

"آدم کو شیطان نے پھسلایا۔ اور جنت سے نکلوا دیا۔ اور حکومت اژدہے یعنی شیطان کی طرف لوٹائی گئی۔ اور اس سخت لڑائی میں آخر آدم کو ذلت اور رسوائی نے چھوا۔ . . . .
پس اللہ نے پیدا کیا مسیح موعود کو تا شیطان کو شکست دے۔ آخر زمانہ میں۔ اور یہ وعدہ قرآن میں لکھا ہوا تھا۔"

حوالجات غلط ہیں محقق صاحب نے اس عبارت کا حوالہ صفحات کا نمبر دئے بغیر خطبہ الہامیہ و سیرۃ الابدال درج کیا ہے۔ حالانکہ سیرۃ الابدال ہم نے شروع سے آخر تک پڑھی۔ مگر اس میں ہمیں محولہ بالا عبارت نہ لفظاً ملی۔ اور نہ معناً۔ ہاں خطبۂ الہامیہ کے آخر میں اصل کتاب سے بالکل علیحدہ " ما الفرق بین آدم و المسیح الموعودؑ" کے عنوان کے

ذیل میں ایک مضمون درج ہے۔ جس میں صفحہ فت کے حاشیہ میں ایک عبارت درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس میں قطع و برید سے کام لے کر یہ عبارت گھڑی گئی ہے۔ اصل عبارت عربی میں ہے۔ اس کا ترجمہ مع سیاق وسباق حسب ذیل ہے :-

"اللہ تعالےٰ نے آدم کو پیدا کیا۔ اور اُسے جن وانس کے ہر ذی رُوح فرو کا سردار اور حاکم اور امیر بنایا۔ جیسا کہ آیت قرآنیہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ پہلے شیطان نے اُسے پھسلا دیا۔ اور جنت سے نکلوا دیا۔ اور حکومت اس اژدہے کی طرف لوٹائی گئی۔ اور آدم کو اس جنگ میں ذلت اور رسوائی نے چھوا۔ اور لڑائی ڈول کی طرح ہے۔ (یعنی کبھی کوئی فتح پاتا ہے اور کبھی کوئی) مگر خدا کے نزدیک انجام متقیوں کے حق میں ہوتا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ نے مسیح کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ آخری زمانہ میں شیطان کو شکست دے۔ اور یہ وعدہ قرآن مجید میں لکھا ہے۔"

محولہ عبارت سے ادعاء فضیلت ثابت نہیں ہوتا

اس عبارت میں حضرت مسیح موعود ؑ نے ایک امر واقع کا ذکر کیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے مختلف مقامات میں بیان فرمایا ہے۔ حضور حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی ابتدائی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس میں وقتی طور پر شیطان کو فتح ہوئی۔ مگر خدا تعالےٰ نے ازل سے یہ مقدر کیا تھا۔ کہ وہ آخری زمانہ میں حضرت آدم ؑ کی ذریّت سے مسیح موعود کو پیدا کرے گا۔ جو حضرت آدم ؑ کی شکست کا شیطان سے بدلہ لیگا۔ اور اس طرح پر انجام کار حضرت آدم ؑ کی فتح ہوگی۔ جیسا کہ

حضرت کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔کہ" خدا تعالےٰ کے نزدیک انجام کار فتح متقیوں کے لئے ہے" پس حضرت مسیح موعودؑ اس جگہ حضرت آدمؑ کی شکست کے مبدل بہ فتح ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ نہ کہ حضرت آدمؑ پر اپنی فضیلت کا اظہار۔ چنانچہ حضور اقدس اسی مضمون کے صفحہ الف کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالےٰ نے ازل سے یہ مقدر کیا تھا۔کہ شیطان اور انسان میں دو دفعہ سخت جنگ واقع ہو۔ایک دفعہ پہلے زمانے میں اور دوسری دفعہ آخری زمانے میں۔پس جب پہلا وعدہ آیا۔ تو شیطان نے جو ایک پرانا اژدہا ہے۔حوا کو گمراہ کر دیا۔اور آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔اور ابلیس نے اپنی مراد پا لی۔اور وہ غلبہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ اور جب دوسرا وعدہ آیا۔تو اللہ تعالےٰ نے ارادہ کیا۔ کہ آدم کو ابلیس اور اس کی فوج پر غلبہ عطا کرے۔اور اس کے ایک حربہ سے دجال کو قتل کرے۔ سو اس نے مسیح موعود کو پیدا کیا۔جو ایک لحاظ سے آدم ہی ہے۔ تا کہ سانپ کو ہلاک اور تباہ کرے۔پس مسیح موعود کا آنا ضروری تھا۔تا آدم کو آخر کار فتح حاصل ہو۔اور وعدہ پورا ہو۔چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آدم کی اس فتح عظیم اور دجال قدیم یعنے شیطان کے قتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ یعنے اے ابلیس تجھ کو مہلت دی جاتی ہے (سورۂ اعراف ع ۲) جس سے مراد یہ ہے۔کہ اس کے استیصال تام اور انواع و اقسام کے شرک و کفر و فسق کی ہلاکت اور تباہی کا وقت نہیں آئیگا۔

مگر آخری زمانہ میں یعنے جب مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ پس اے مخاطب تُو اس نکتہ کو سمجھ اگر تو عقلمندوں میں سے ہے۔" (ترجمہ از عربی عبارت)

حضرت مسیح موعودؑ کی یہ عبارت صفحہ ت کی عبارت کے مفہوم کو نہایت وضاحت سے بیان کر رہی ہے۔ اور بتا رہی ہے۔ کہ اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل مقصود حضرت آدمؑ پر اپنی فضیلت کا بیان نہیں۔ بلکہ اس امر واقع کا اظہار ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شیطان کے مقابل میں شکست مسیح موعود کے ذریعہ مبدّل بہ فتح ہوگی۔ نیز یہ کہ مسیح موعود کی یہ فتح دراصل حضرت آدمؑ ہی کی فتح ہوگی ؛

ایک اور حوالہ

محقق صاحب نے خطبہ الہامیہ صفحہ ۱ سے ایک اور عبارت اس امر کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت آدمؑ سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اپنے رسالہ "قادیانی حساب" صفحہ ۴۱ و ۴۲ میں پیش کی ہے۔ اصل عبارت عربی میں ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

"اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ تا وہ انسانوں کو عدم سے وجود میں لانے اور وحدت سے کثرت کی طرف منتقل کرنے کا ذریعہ بنیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے انہیں بہت سے قبائل۔ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ تا اپنی قدرت کے رنگ دکھائے۔ اور انہیں آزمائے۔ کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا۔ اور سابقین میں سے ہوتا ہے۔ اور اس نے آدمؑ کو اپنے اس اسم کا مظہر بنایا۔ جو جہان کا مبدء ہے۔ یعنے الاوّل۔ جیسے کہ اس نے اپنی کتاب مبین قرآن مجید

ہیں اس کے متعلق ھُوَ الاَوَّلُ فرمایا ہے۔ اور چونکہ اوّلیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کچھ ہو۔ اس لئے آدمؑ کے نفس نے بہت سے مردوں اور عورتوں کا تقاضا کیا۔ پس امرِ الٰہی نازل ہُوا۔ اور عورتیں اور مرد بکثرت پیدا ہو گئے۔ اور زمین مخلوقات سے پُر ہو گئی۔ پھر ان پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہو گئے۔ . . . . اور ان میں ہر وہ ضلالت، جو مسیح موعود کے زمانہ کے لوازم میں سے تھی۔ جمع ہو گئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اپنا مسیح بھیجا۔ . . . . تا وہ لوگوں کو اتحاد و محویت کی طرف پھیرے۔ . . . .

پس آدمؑ اس لئے تشریف لائے تھے۔ کہ انسانی نفوس کو فنا سے دنیوی حیات کی طرف لائیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ ان میں تفرقہ و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور مسیح اُمم اس لئے آیا۔ کہ انہیں دوبارہ فنا کے گھر کی طرف لے جائے۔ اور ان کے اختلاف۔ جھگڑے۔ بغض اور تفرقہ کی جڑ دور کرے۔ اور انہیں اتحاد۔ محویت اور نفی غیر اللہ اور صفائی کی طرف لے جائے۔ اور مسیح اللہ تعالےٰ کے اس اسم کا مظہر ہے۔ جو خاتم سلسلہ مخلوقات ہے یعنی آخر۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد ھُوَ الاٰخِر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ (مسیح موعود) کائنات کی انتہا کی علامت ہے۔ اسی لئے مسیح کے نفس نے یہ اقتضا کیا کہ سلسلۂ کثرت کو ختم کر دے۔ یعنی نفسانی خواہشات پر موت وارد کر سکے۔

اور تمام مذاہب کو اس مذہب (اسلام) کی طرف پھیر کر جس میں
انسان کے اہوار اور ارادوں پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اور
لوگوں کو اس فطری شریعت (قرآنیہ) پر چلا کر جو الٰہی مصالح کے
ماتحت جاری ہے۔"

صفات باری کے دو مظاہر کا بیان

محقق صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس عبارت کا صرف وہ حصہ جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ نقل کیا ہے۔ اور باقی حصہ نقل کرنے سے ترک کر دیا ہے۔ تا پڑھنے والے پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا اس بیان سے اصل مدعا اور مقصود کیا ہے۔ اور وہ یہی سمجھے۔ کہ آپ کی غرض اس سے حضرت آدم پر اپنی فضیلت کا اظہار ہے۔ حالانکہ اس پر سرسری نگاہ ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ حضورؑ اس میں خدا تعالےٰ کے صفات اول و آخر کے مظاہر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت آدمؑ اللہ تعالےٰ کی صفت اول کے مظہر تھے۔ یعنی سب سے پہلے اُس نے انہیں کے ذریعہ انسان کو عدم سے وجود بخشا۔ پھر جب ان پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ اور وہ حضرت آدمؑ کی ہدایت کو بھول گئے۔ اور باہمی فساد کرنے لگے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس آخری زمانہ میں اپنی صفتِ آخر کے مظہر یعنے مسیح موعود کو بھیجا۔ تا وہ انہیں دوبارہ فنا کے مقام کی طرف لے جائے۔ یعنی روحانی طور پر ان کی ایسی اصلاح کرے۔ کہ ان کی جسمانی خواہشات پر موت وارد ہو جائے۔ اور وہ محبت الٰہی میں محو ہو کر خدا تعالےٰ کی ذات میں رل جائیں۔ اور دنیا میں ان کی اپنی ہستی کچھ بھی نہ رہے ۔

تقابل سے دعویٰ فضیلت کا استدلال غلط ہے

جسمانی اور روحانی سلسلوں

کی ابتداء و انتہاء کے اس تقابل سے یہ استدلال کرنا کہ اس میں حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت آدمؑ پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ صرف محقق صاحب جیسے فاضل ہی کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ورنہ آپ کے سوا اور کسی کی سمجھ میں تو اس کا آنا مشکل ہے۔ کیا محقق صاحب کے نزدیک خدا تعالےٰ کا اسم آخر اُس کے اسم اوّل سے افضل ہے۔ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں کیونکہ اس پر کوئی حجت شرعیہ قائم نہیں کی جا سکتی۔ تو پھر آپ کا یہ استدلال کہ اسم آخر کا مظہر اسم اوّل کے مظہر سے افضل ہے۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے:۔

حضرت نوحؑ پر دعویٰ فضیلت کی عبارت

جناب محقق صاحب نے "حضرت نوح علیہ السلام پر فضیلت" کے عنوان کے ذیل میں تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۷ سے یہ عبارت نقل کی ہے:۔

"اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے۔ کہ اگر نوحؑ کے زمانے میں وہ نشان دکھلائے جاتے۔ تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔"

محولہ عبارت سے ادعاء فضیلت ثابت نہیں ہوتا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عبارت بھی دعویٰ فضیلت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ اس میں صرف اپنے مخالفین کی نہایت افسوسناک حالت کا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس سے آگے فرماتے ہیں۔" میں ان لوگوں کو کس سے مثال دوں" یعنے یہ تو حضرت نوحؑ کی قوم سے بھی زیادہ سخت دل ہیں۔ ان پر رحم کر کے خدا تعالےٰ نے میرے ہاتھوں پر اتنے نشان دکھائے ہیں۔ کہ اگر حضرت نوحؑ کی قوم کو اتنے نشان دکھائے جاتے۔ تو وہ ضرور ایمان لے آتی۔ مگر انکی یہ حالت ہے:

کہ "روز روشن کو دیکھکر پھر بھی اس بات پر ضد کرتے ہیں۔ کہ شب تاریک ہے"۔
اس عبارت نے صراحت سے ظاہر کر دیا۔ کہ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ
نے اپنے اور حضرت نوحؑ کے منکرین کی خراب حالتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ نہ کہ
اپنا اور حضرت نوح علیہ السلام کا ؎

حضرت علیسیٰؑ پر فضیلت کی بحث محقق صاحب نے اس کے بعد آٹھویں عنوان کے ذیل میں یہ ثابت
کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
پر بھی دعویٰ فضیلت کیا ہے۔ آپ کی تحریرات سے چند ایسے حوالہ جات
پیش کئے ہیں۔ جن میں آپ نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر اپنی فضیلت
کے مندرجہ ذیل تین وجوہ بیان فرمائے ہیں۔

فضیلت کی پہلی وجہ "مسیح ابن مریم آخری خلیفہ موسیٰ
علیہ السلام کا ہے۔ اور میں آخری خلیفہ
اُس نبی کا ہوں۔ جو خیر الرسل ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا۔
کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

فضیلت کی دوسری وجہ "خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ میں ایک ایسے
نبی کا تابع ہوں۔ جو انسانیت کے تمام
کمالات کا جامع تھا۔ اور اس کی شریعت اکمل اور اتم تھی۔ اور
تمام دنیا کی اصلاح کے لئے تھی۔ اس لئے مجھے وہ قوتیں عنایت
کی گئیں۔ جو تمام دنیا کی اصلاح کیلئے ضروری تھیں۔ تو پھر اس امر
میں کیا شک ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ فطرتی طاقتیں
نہیں دی گئیں۔ جو مجھے دی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے

لئے آئے تھے۔ اور اگر وہ میری جگہ ہوتے۔ تو اپنی فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے۔ جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھذا تحدیث النعمۃ ولا فخر۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی علیہ السلام کی جگہ آتے۔ تو اس کام کو انجام نہ دے سکتے۔ اور اگر قرآن شریف کی جگہ توریت ہوتی۔ تو اس کام کو انجام نہ دے سکتی۔ جو قرآن شریف نے دیا۔ انسانی مراتب پردۂ غیب میں ہیں۔ اس بات میں بگڑنا اور مُنہ بنانا اچھا نہیں۔ کیا جس قادرِ مطلق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ وہ ایسا ہی ایک اور انسان یا اس سے بہتر پیدا نہیں کر سکتا؟"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۴)

فضیلت کی تیسری وجہ

"جبکہ خدا نے اور اُس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اُس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ کہ یہ کہا جائے۔ کہ کیوں تم مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں افضل سمجھتے ہو۔

عزیزو! جبکہ میں نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور آنے والا مسیح میں ہُوں۔ تو اس صورت میں جو شخص پہلے مسیح کو افضل سمجھتا ہے۔ اس کو نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ سے ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ آنے والا مسیح کچھ چیز ہی نہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۵)

دین کی بنیاد جذبات پر نہیں ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذکورہ بالا

عبارتوں میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر اپنی فضیلت کے جو وجوہ بیان فرمائے ہیں۔ وہ نہایت معقول اور مدلل ہیں۔ حضور کے اس موجبہ بیان پر اگر کسی کو اعتراض ہو۔ تو اُس کا فرض ہے۔ کہ وہ آپ کے چیلنج کو قبول کرے۔ اور "نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ" سے ان دلائل کو توڑ کر ثابت کرے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے مسیح محمدی افضل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ یونہی عوام کو مشتعل کرنے کے لئے شور مچانا۔ اور یہ کہنا۔ کہ دیکھو مسیح سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کسی معقولیت پسند انسان کے نزدیک قابل اعتنا نہیں ہو سکتا۔ ہاں وہ لوگ جن کے نزدیک دین محض اُن کے جذبات کا نام ہے۔ ان باتوں سے متاثر ہوں۔ تو ہوں۔ ورنہ جو لوگ دین کی بنیاد نقلی اور عقلی دلائل اور خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کے احکام پر رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ایسے اعتراضات کی کچھ بھی قدر اور حیثیت نہیں ؛

محقق صاحب کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے جذبات کی دنیا سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور کرتے۔ اور دیکھتے۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے جن امور کو حضرت مسیح علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ وہ اپنے اندر کہاں تک معقولیت رکھتے ہیں اور پھر غور کرتے۔ کہ ان میں کونسی ایسی بات بیان کی گئی ہے۔ جس کی صحت قابلِ قبول نہیں ہے ؛

آنحضرت صلعم اور حضرت موسیٰ کی پیروی کے برکات مساوی نہیں ہیں

کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسےٰ علیہ السلام سے افضل نہیں۔ اگر ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو پھر اس بات کو ماننے سے انہیں کیوں انکار اور تردد ہے۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری خلیفہ یعنی مسیح ناصریؑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری خلیفہ یعنی مسیح محمدی افضل ہے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے برکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے برکات سے مساوی بلکہ کمتر ہیں۔ اگر نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اپنے اندر تمام انبیاء کی پیروی سے بڑھ کر برکات رکھتی ہے۔ تو حضرت اقدس مرزا صاحبؒ کے ایسا کہنے پر اعتراض کرنا کہاں کی تحقیق اور معقولیت ہے۔ ہمارے مخالفین کے ان اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کرتے وقت عقل وخرد کو بالکل ہی جواب دے دیتے ہیں اور یا دیدہ و دانستہ عوام کو مشتعل کرنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ورنہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ بڑے بڑے فاضل اور بڑی بڑی ڈگریاں والے۔ اور سمجھدار ہونے کے مدعی ایسی غیر معقول باتیں دیانتداری سے کس طرح کر سکتے ہیں ؛

آنحضرت صلعم کی پیروی کے برکات کا ادنےٰ نمونہ

کاش جناب محقق صاحب چشتی۔ قادری حضرت اقدس مرزا صاحبؒ پر اعتراض کرتے وقت ذرا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل ارشاد ہی ملاحظہ فرما لیتے۔ تا انہیں معلوم ہوتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اپنے اندر کس قدر کمالات اور برکات رکھتی ہے۔ سیدنا حضرت غوث اعظمؓ فرماتے ہیں :-

"میرے پاس ابوالعباس خضر علیہ السلام آئے۔ تا ان امور میں میرا امتحان لیں۔ جن میں انھوں نے مجھ سے پہلے اولیاء کا امتحان لیا تھا۔ تو ان کی اندرونی حالت مجھ پر منکشف کی گئی۔ اور مجھ پر

وطریق گفتگو کھولا گیا۔ جس سے مَیں نے انہیں مخاطب کیا۔ میں نے اُن سے کہا۔ جب وہ اپنا سر نیچے کئے ہوئے تھے۔ کہ اے خضر اگر تم نے موسیٰ سے یہ کہا تھا۔ کہ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ یعنے تُو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ اے خضر تُو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ اگر تم اسرائیلی ہو۔ تو میں محمدی ہوں۔ پس آؤ۔ یہ میں اور آپ ہیں۔ اور یہ گیند اور میدان ہے۔ اور یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور خدا بھی ہیں۔ یہ میرا گھوڑا لگام وزین سے کسا ہُوا تیار ہے۔ اور میری تلوار کھچی ہوئی ہے۔ اور میری تلوار برہنہ ہے۔"

(قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر صفحہ ۱۲ ترجمہ از عربی عبارت)

یہ ان برکات کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ جو حضرت سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مل سکتے ہیں۔ پس جب امت محمدیہ کے اولیاء بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہونے کی وجہ سے ایسے کام کر سکتے ہیں۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم الشان نبی نہیں کر سکے تھے۔ تو مسیح موعود و مہدی معہود کے اعلیٰ مدارج و مراتب میں جو تمام اولیاء اللہ سے افضل مانا گیا ہے۔ کیا کلام ہو سکتا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آرزو

افسوس ہے ہمارے زمانہ کے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیوض اور برکات سے بالکل بے بہرہ اور لاعلم ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ حضور علیہ السلام کی اُمت میں سے ہونا کیسے کیسے درجات عالیہ تک پہنچا سکتا ہے۔ انہیں خبر نہیں۔

کہ گذشتہ امتوں کے بڑے بڑے اولوالعزم انبیائؑ نے یہ خواہش اور آرزو کی ہے۔ کہ وہ محمد رسول اللہؐ کی اُمت میں پیدا کئے جائیں۔ تا وہ ان درجات عالیہ اور مراتب روحانیہ کے وارث ہوں ۔ جو محض اس عظیم الشان نبی کی پیروی سے ہی مل سکتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے فضائل کا ذکر کرکے دعا کرتے ہیں ۔ یَا رَبِّ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ یعنی اے خدا مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں کردے ؛

(دلائل النبوۃ جلد اول ص۱۲)

اب بتاؤ۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس خواہش میں سوائے اس کے اور کیا راز ہے ۔ کہ ان پر حضرت سید الانبیاءؐ کے برکاتِ اتباع کی حقیقت منکشف ہو گئی تھی ۔ اس وجہ سے انہوں نے خدا سے یہ دعا کی ۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہونا اس قدر فضائل کا موجب ہے ۔ تو کسی کا کیا حق ہے ۔ کہ وہ ان رحمتوں اور انوار کے دروازوں کو جنہیں خدا تعالےٰ نے اس امت مرحومہ کے کامل افراد کے لئے مخصوص طور پر کھولا ہے ۔ بند کرے ۔

امت محمدیہ کا بلند مقام

اے بھائیو! اس مقام اور درجہ کو سمجھو۔ جس پر تم کھڑے کئے گئے ہو۔ پستی کی طرف نہ جھکو۔ بلکہ اپنی ہمتوں کو بلند کرو ۔ جس عظیم الشان نبی کی امت میں ہونے کا تمہیں فخر ہے ۔ اس کی پیروی کے برکات تمہارے قیاسات سے بہت بڑھکر ہیں ۔ اور حقیقت تو یہ ہے ۔ کہ تم اس نبی کی حقیقی شان کو نہیں سمجھے ۔ اس کی امت کے لئے خدا تعالیٰ نے بہت بلند مقامات کا وعدہ فرمایا ہے ؛

بعثتِ مسیح موعودؑ کی ایک اہم غرض

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی ایک اہم غرض یہ بھی ہے - کہ آپ ان برکات روحانیہ اور انوار الٰہیہ کو کامل طور پر جذب کرکے دنیا کے سامنے اپنے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان ظاہر کریں - اور اپنوں بیگانوں سب کو بتائیں - کہ اس پاک نبی کی پیروی انسان کو روحانیت کے بلند سے بلند مقام تک پہنچا سکتی ہے - چنانچہ آپؑ کے تمام دعاوی اسی ایک مرکزی نقطہ کے گرد چکر لگاتے ہیں - کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی تمام انسانی ترقیات کی کنجی ہے - اور خدا تعالیٰ سے انتہائی قرب کا یہی ایک زینہ ہے - جس پر چڑھے بغیر وصال الٰہی ناممکن ہے - اور آپ نے دنیا کے سامنے جو پیغام پیش کیا ہے اس کا خلاصہ حضرت محمد رسول اللہؐ سے نسبت غلامی کا اظہار ہے - چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

عجب نوریست در جانِ محمدؐ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسول اللہؐ کہ ہستم نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرّۂ من کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ
دِگر استاد را نامے ندانم کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

بدیگر دلبرے کارے ندارم | کہ ہستم کشتۂ آنِ محمدؐ
من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم | کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ
توجانِ ما منور کردی از عشق | فدایت جانم اے جانِ محمدؐ
رہِ مولیٰ کہ گم کردند مردم | بجو در آل و اعوانِ محمدؐ
الا اے منکر از شانِ محمدؐ | ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام ونشان ست | بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

انتہائی دلآزار عنوان

فصل دوئم میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت پر بحث کرتے ہوئے جناب محقق صاحب نے جو سب سے زیادہ تکلیف دہ اور دلآزار عنوان قائم کیا ہے۔ وہ "حضرت سید المرسلینؐ پر فضیلت" کا عنوان ہے۔ اور اس کی دلآزاری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آنمکرم نے حضرت اقدس کا حضرت سید المرسلینؐ پر دعوئی فضیلت ثابت کرنے کے لئے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ ان میں اصول دیانت کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس عنوان کے ذیل میں اپنی تالیف کے صفحہ ۴۹ و ۹۳ میں چار عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں سے پہلی عبارت کا حوالہ "اعجاز احمدی ص۱۷" درج کیا ہے۔ اور دوسری کا "سیرۃ الابدال صفحہ ۱۹۳ ترجمہ" اور تیسری کا "قادیانی ریویو بابت جون ۲۹ء" اور چوتھی کا ازالہ اوہام حصہ دوئم ص۲۸۳"۔

ان میں سے سیرۃ الابدال ص۱۹۳ کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے۔ اس کی نسبت ہم اس سے پیشتر بھی ذکر کر چکے ہیں۔ کہ سیرت الابدال میں وہ عبارت نہ لفظاً موجود ہے نہ معناً۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ

سیرت الابدال میں صفحہ ۱۹۳ ہی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے صفحات تو کُل پندرہ ہی ہیں۔ لہذا جب تک جناب محقق صاحب صحیح حوالہ پیش نہ کریں۔ جواب کس طرح دیا جا سکتا ہے۔

محقق صاحب کو چیلنج

اسی طرح قادیانی ریویو بابت جون ۲۹ء کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس کے متعلق بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اول تو قادیانی ریویو بابت جون ۲۹ء نہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کوئی تصنیف ہے۔ نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور نہ کسی اور احمدی مصنف کی۔ لیکن اگر اس سے مراد رسالہ ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جون ۲۹ء ہو۔ تو اس میں بھی محولہ عبارت نہیں پائی جاتی۔ اور ہم جناب محقق صاحب کو پُر زور چیلنج کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے قادیانی ریویو بابت جون ۲۹ء کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی ہے۔ اسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کسی تصنیف سے دکھائیں۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکیں۔ تو پبلک پر واضح ہو جائے گا۔ کہ انہوں نے ایک ایسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ جو جامعہ عثمانیہ جیسی مشہور و معروف درسگاہ کے ایک معزز پروفیسر کی اعلیٰ شان کے شایاں تو کجا۔ کسی معمولی اخلاق و دیانت کے انسان کی شان کے شایاں بھی نہیں ہو سکتی ؂

بے جا تعلّی اور محقق صاحب کی شخصیت

کس قدر افسوسناک امر ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب نے اپنی کتاب کے شروع میں تعلّی تو یہ کی ہے۔ کہ آپ "قادیانی مذہب کے نفسیات" اور "مخصوص اعتقادات" کے متعلق "سربستہ" رازوں کا جو انکشاف کریں گے۔

انھیں آپ نے بڑی محنت اور کدو کاوش کے بعد "خود بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں سے صاف صاف اقتباسات تلاش کرکے پیش کیا ہے۔ مگر کتاب میں جابجا ایسے حوالہ جات درج کردیئے ہیں۔ جو نہ تو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تحریروں میں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ پبلک کا وہ حصہ جو ہماری کتابوں اور عقائد سے ناواقف ہے۔ جناب محقق صاحب کی اعلیٰ شخصیت پر اعتماد کرکے آپکے پیشکردہ حوالہ جات کو درست سمجھ لے گا۔ اور ہمارے متعلق قسم قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر ہم سے ناحق متنفر ہو جائے گا۔ اور اس کی ساری ذمہ واری محقق صاحب محترم کی گردن پر ہے۔ اور وہی خدا کے سامنے اس کیلئے جواب دہ ہیں۔

حوالہ جس پر چیلنج کیا گیا ہے

ذیل میں ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ جسے حضرت مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کسی تحریر سے ثابت کرنے کا چیلنج مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی اور یہ جزوی فضیلت ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے"

محقق صاحب کا دعویٰ اور دلیل

فاضل محقق صاحب نے یہ عبارت

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے - جو انہوں نے اپنی کتاب کی تمہید کے صفحہ ۱۸ میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے متعلق بایں الفاظ کیا ہے:- کہ "خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اوّل جزئی فضیلت پاتے ہیں" لہٰذا اُن کا فرض ہے - کہ وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کریں - اور بتائیں - کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جزئی فضیلت پانے کا دعویٰ کہاں کیا ہے اور محولہ بالا عبارت حضورؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کس تصنیف میں ہے -

عقائد میں قابلِ حجت اقوال کون سے ہیں

چونکہ عقائد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضورؑ کے خلفاء ہی کا ارشاد ہمارے لئے قابلِ حجت و استناد ہو سکتا ہے - ہر شخص کا نہیں - اس لئے ایسے دعووں کا ثبوت دینے کے واسطے حضرت اقدسؑ یا حضور کے خلفاء ہی کے ارشادات پیش کئے جانے کی ضرورت ہے - عام افرادِ جماعت میں سے کسی فرد کا کوئی ایسا قول جو حضرت اقدس اور حضور کے خلفاء اور جماعت کے عام مسلک کے مطابق نہ ہو - بنائے اعتراض نہیں قرار دیا جا سکتا - کیونکہ ایسا قول قائل کی ایک غلط رائے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا - جس کی ذمہ داری از روئے انصاف تمام جماعت پر عائد نہیں ہو سکتی ؛

جوابدہی کے اسلامی اصول

فاضل محقق برنی صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی حساب" میں صفحہ ۴۴ سے ۴۸ تک اس امر پر بہت سی ناجائز طعن و تشنیع کی ہے - کہ "قادیانی صاحبان" عقائد کے معاملہ میں صرف حضرت مسیح موعودؑ اور حضورؑ کے خلفاء کے ارشادات کی ذمہ داری اُٹھاتے ہیں - اور دیگر عام افرادِ جماعت میں سے اگر کوئی ایسی

بات لکھے۔ جو حضرت اقدس اور حضورؐ کے خلفاء اور جماعت کے مشہور مسلک کے خلاف ہو۔ تو اس کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیتے۔ اور اسے قابلِ استناد نہیں سمجھتے ہیں۔ آپ نے اسے طنزاً "جوابدہی کے قادیانی اصول" کا لقب دیا ہے۔ حالانکہ اس زریں اصل کے واضع متکلمین اسلام ہیں۔ اور مسلمانوں کے تمام مذہبی مناظرات و مباحثات میں یہی اصل رائج ہے۔ شاید محقق صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کو اس بات کا علم نہیں ہے۔ کہ آریوں اور عیسائیوں نے اسلام اور نبی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے خلاف آج تک جس قدر اعتراضات کئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی بنیاد یا تو وضعی اور ضعیف روایات پر ہے۔ اور یا علمائے اسلام کے ایسے اقوال پر جو تعلیم اسلام کے صریح خلاف ہیں۔ اور اہلِ اسلام کی طرف سے ایسے اعتراضات کا یہی جواب دیا جاتا ہے۔ کہ یہ روایات اور اقوال ہم پر حجت نہیں ہیں۔

ضعیف اقوال کی بناء پر مخالفین اسلام کے اعتراضات

معترضانہ حیثیت میں تو غالباً محقق صاحب کے لئے اس اصل کی صحت اور معقولیت کا سمجھنا دشوار ہو۔ اس لئے بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم علماء اسلام کے بیسیوں ایسے اقوال میں سے جن کی بناء پر آریوں اور عیسائیوں نے اسلام پر شدید نکتہ چینیاں کی ہیں صرف دو اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب، ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے ان اعتراضات کی جوابدہی کے کون سے اصول اختیار فرمائیں گے۔

حضرت زینب رضؓ کے واقعہ نکاح پر اعتراض

پادری فنڈر نے اپنی کتاب "میزان الحق" کے حصہ سوئم کے باب ۶ میں زیر عنوان "حضرت محمد کے چال چلن کی بعض باتیں" ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ نکاح کے متعلق ایک روایت معتبر کتب تفاسیر سے نقل کی ہے۔ جو اس کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"حضرت محمد نے زینب کو زید سے بیاہ دینے کے بعد دیکھا۔ آپ کے دل میں اُس کا عشق پیدا ہوگیا۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ اللہ کی حمد ہو جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ زینب نے یہ الفاظ سُن لئے۔ اور زید کو بتایا۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔ اور اُس کے دل میں زینب کی صحبت سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اس لئے اُس نے آکر نبی سے کہا۔ میں اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے کہا۔ تجھ کو کیا ہوگیا ہے۔ کیا تو اس پر کسی طرح کا شک کرتا ہے۔ زید نے عرض کی۔ نہیں۔ . . . . اس پر آنحضرت نے اس سے کہا۔ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا۔ . . . . . . تو خدا نے آنحضرت کو اس سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ . . . . .
زینب آنحضرت کی دوسری بیویوں سے کہا کرتی تھی۔ کہ یقیناً میرے نکاح میں خدا نے رشتہ دار کا کام سر انجام دیا اور تمہارے نکاح کی یہ حقیقت ہے۔ کہ تمہارے رشتہ داروں نے تم کو بیاہا۔ یہ بھی روایت ہے۔ کہ اس نکاح کے معاملہ میں زید درمیانی تھا۔ اور یہ اُسکے ایمان کی سخت آزمائش اور مضبوطی کی دلیل تھی۔"

پادری فنڈر مذکورہ بالا روایت درج کرکے لکھتا ہے :-

"ان آخری سطور سے صاف ظاہر ہے کہ . . . . . آنحضرت کے اس فعل نے بہت سے لوگوں کو آنحضرت کی نبوت و رسالت کے باب میں شک میں ڈال دیا تھا" (میزان الحق صفحہ ۴۴۵)

یہ روایت تفسیر بغدادی اور تفسیر جلالین[1] وغیرہ میں سورۂ احزاب کی آیت وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ الی آخرہ کی تفسیر میں درج ہے۔ اور تفسیر کمالین برحاشیہ جلالین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینبؓ کو اتفاقی طور پر دیکھنے کا واقعہ یوں درج ہے۔

"مقاتلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز زیدؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ جونہی آپ کی نظر زینبؓ پر پڑی۔ وہ سوئی ہوئی تھیں۔ وہ نہایت گوری۔ خوبصورت اور بھرے ہوئے جسم والی تھیں۔ اور قریش کی عورتوں میں سے سب سے زیادہ تام الخلقت تھیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر عاشق ہو گئے۔ آپ نے سُبْحَانَ اللّٰہِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ پڑھا۔ یعنی پاک ہے اللہ جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ زینبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے سن لیا۔ اور زیدؓ سے اس کے متعلق ذکر کیا" (کمالین برحاشیہ جلالین صفحہ ۳۵۲)

---

[1] یہ دونوں تفاسیر اسلامی عربی مدارس مثلاً دیوبند وغیرہ میں درساً پڑھائی جاتی ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے نزدیک ان تفاسیر کا پایہ کس قدر بلند ہے ؟

شیطانی القا کا اعتراض

پنڈت لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۴۵ میں مختلف کتب تفاسیر[1] کے حوالہ جات سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نعوذ باللہ القائے شیطانی نازل ہونے کے متعلق حسب ذیل روایت درج کی ہے :-

" ابن عباس و محمد بن کعب القرظی اور ان کے علاوہ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے۔ کہ جب محمد صاحب نے دیکھا کہ ان کی قوم قرآن کو تسلیم نہیں کرتی۔ تو انہوں نے اپنے دل میں تمنا کی۔ کہ خدا کی طرف سے کوئی ایسی آیت قرآن میں نازل ہو دے جو مابین ان کے اور قوم کے دوستی پیدا کرے۔ پس ایسا ہی ہوا۔ کہ ایک دن محمد صاحب مجلس قریش میں حاضر تھے۔ کہ خدا نے سورہ النجم نازل کی۔ پس رسول اللہ نے اس کو پڑھا۔ جب محمد صاحب آیت اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہنچے۔ تو شیطان نے ان کی زبان پر وہ بات ڈالدی۔ جس کی وے تمنا کرتے تھے یعنی یہ فقرہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ ترجمہ۔ بت بڑے بزرگ ہیں۔ اور تحقیق ان سے شفاعت کی امید رکھنی چاہیئے۔ پس قریش یہ سنتے ہی خوش ہوئے "

اور صفحہ ۴۴۶ میں ایک دوسری روایت کے مطابق اپنی طرف سے کسی قدر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" ایک دن محمد صاحب بانیٔ اسلام مکہ کے مندر میں سورۃ نجم پڑھ رہے تھے۔ اور پڑھتے پڑھتے یہ فرمایا۔ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ

[1] مثلاً جلالین۔ کشاف۔ مدارک التنزیل۔ کبیر۔ وغیرہ

الْعُلیٰ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی۔ جب آپ یہ ساری
سورۃ ختم کر چکے تو سجدہ کیا۔ یہ ایسا وقت تھا۔ جبکہ کعبہ میں
۳۶۰ بُت موجود تھے۔ بُت پرست اور کعبہ پرست سب سُن رہے
تھے۔ کعبہ پرستوں نے بتقلید رسول خود اور بُت پرستوں نے
بتقلید بزرگان و مذہب یکجا سجدہ کیا۔ اور باہم صلح صفائی ہوگئی۔
یہ خبر ان مسلمانوں کو بھی جو حبشہ واقع ملک مصر میں تھے جا پہنچی
وہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ وطن مالوف کو پھر سے۔ چند روز
کے بعد طمع پیری و مریدی کے سبب کوئی تنازع ہوا۔ اور پھر
آپس میں بگڑ گئی۔ محمد صاحب نے جھٹ فرما دیا۔ کہ وہ آیت
جس میں بتوں کی تعریف اور ان کی شفاعت کی ترغیب تھی۔ میرے
منہ سے شیطان نے نکلوا دی تھی۔ بنا بریں منسوخ سمجھو۔"

جوابدہی کے بر فی الاصول کیا بنا؟

اگرچہ تفاسیر اور علماء کے اسلام کی کتابیں اس قسم کے اور بھی بہت سے ضعیف اور واہی اقوال اور روایات سے پُر ہیں۔ جن سے مخالفین اسلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر حملہ کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ مگر ہم انہیں سے یہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب محقق صاحب بتائیں۔ کہ ان کے پاس مخالفین کے ان اعتراضات کا سوائے اس کے اور کیا جواب ہے۔ کہ جن روایات اور اقوال کی بنا پر یہ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ وہ سرے سے ہی باطل ہیں۔ اور اس وجہ سے قابل استناد نہیں ہیں۔ پہلے محققین کو تو ان اعتراضات کا اس کے سوا اور کوئی جواب آج تک نہیں سوجھا۔ مگر شاید ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق

برنی صاحب کو کوئی اور جواب سُوجھ جائے۔ اس لئے ہم منتظر ہیں۔ کہ دیکھیں آپ "جوابدہی کے قادیانی اُصول" کے سوا اِن کے جواب کے کون سے جدید اصول وضع فرمائیں گے۔

سیدالانبیاء پر دعوٰی فضیلت کا تیسرا حوالہ

اسی مذکورہ دل خراش عنوان کے ذیل میں جناب محقق صاحب بالقابہ نے اعجاز احمدی صفحہ ۷۱ کا حسب ذیل شعر بھی پیش کیا ہے۔

لَهُ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ وَإِنَّ لِي
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ أَتُنْكِرُ

یعنی آنحضرت صلے اللہ کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہُوا۔ اور میرے لئے چاند اور سُورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔

خطرناک مغالطہ دہی

اس شعر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر دعوٰی فضیلت کے ثبوت میں پیش کر کے نہایت خطرناک مغالطہ دہی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اور پچھلے چند اشعار جن میں حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا اقرار کیا ہے۔ نقل کرنے سے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ تا ناظرین کو علم ہو۔ کہ جناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارتیں پیش کرنے میں امانت اور دیانت کیساتھ کس قسم کا سلوک کیا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

۱- "اور مَیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔
پس میں اسکی برگزیدہ آل ہوں۔ جیسے ورثہ پہنچ گیا۔

۲- اور مَیں کیونکر اس کا وارث بنایا گیا جبکہ میں اس کی اولاد میں سے نہیں ہوں

پس اس جگہ فکر کر کیا تم میں کوئی بھی فکر کرنے والا نہیں۔

۳۔ کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
بے اولاد ہونے کی حالت میں وفات پائی جیسا کہ دشمن بدگو کا خیال ہے۔

۴۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آسمان بنایا کہ ایسا نہیں ہے۔
بلکہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہونگے۔

۵۔ اور ہم نے اولاد کی طرح اس کی وراثت پائی
پس اس سے بڑھکر اور کونسا ثبوت ہے جو پیش کیا جائے۔

۶۔ آپ کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور
میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا اب کیا تو انکار کرے گا۔

۷۔ اور اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔
اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا جو سب پر غالب ہے۔

۸۔ جب قوم نے کہا کہ یہ تو عمداً وحی کا دعوے کرتا ہے۔
میں نے تعجب کیا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ایک روشن کرنے والے بدر ہیں ظل ہوں۔

۹۔ اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔
پس وہ روشنی جو اس میں ہے وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ کہ دیانتدار محقق صاحب نے وہ اشعار جن میں حضرت مسیح موعود ؑ نے محکم طور پر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں سے قرار دیا ہے۔ اور حضور ؐ کا مطیع اور فرمانبردار لکھا ہے۔ عمداً ترک کر دئے ہیں۔ اور ان میں سے صرف ایک ایسا شعر درج کرنے پر اکتفاء کی ہے۔ جو متشابہ کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے آپ

اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق جناب برنی صاحب بالقابہ نے ایک دیانتدار اور حق پسند محقق کے فرائض کہاں تک ادا کئے ہیں :-

محقق صاحب کے استدلال کے غلط ہونے کی پہلی وجہ

پس محولہ شعر سے یہ استدلال کرنا کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور اس کے لغو و باطل ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اس شعر کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سرور عالم حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی اور حضور سے فیض یاب ہونے کا دعویٰ تھا۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ اس استدلال کے غلط ہونے کی یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں جا بجا اپنے معجزات و نشانات صدق کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے برکات سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ چشمہ مسیحی مطبوعہ ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۱۶ و ۱۷ میں فرماتے ہیں :-

۱۔ "یہ تمام شرف (ظہور معجزات۔ ناقل) مجھے صرف ایک نبی کی پیروی سے ملا ہے۔ جس کے مدارج اور مراتب سے دنیا بے خبر ہے۔ یعنی سیدنا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم۔ یہ عجیب ظلم ہے۔ کہ جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں۔ کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے حالانکہ زندہ ہونے کے علامات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پاتا ہوں۔ وہ خدا جس کو دنیا نہیں جانتی۔ ہم نے اُس خدا کو اس کے نبی کے ذریعہ دیکھ لیا۔ اور وہ وحی الٰہی کا دروازہ جو دوسری

قوموں پر بند ہے۔ ہمارے پر محض اُسی نبی کی برکت سے کھولا گیا۔ اور وہ معجزات جو غیر قومیں صرف قصّوں اور کہانیوں کے طور پر بیان کرتی ہیں۔ ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے وہ معجزات بھی دیکھ لیئے اور ہم نے اس نبی کا وہ مرتبہ پایا۔ جس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس اس رسول پر ہزاروں سلام اور برکات جس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو شناخت کیا "

۲۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ میں اپنے معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ثبوت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" مذہب اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اس کا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی اس شہادت کے پیش کرنے کے لئے یہی بندہ حضرت عزت موجود ہے۔ اور اب تک میرے ہاتھ پر ہزارہا نشان تصدیق رسول اللہ اور کتاب اللہ کے بارہ میں ظاہر ہو چکے ہیں "

۳۔ اور تتمہ حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۳۵ میں اپنے نشانات معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

" اسلام تو آسمانی نشانوں کا سمندر ہے۔ کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے۔ جس قدر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے ساتھ ہی مر گئے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں۔ اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہینگے۔

اور جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔"

۴ ۔ اور حضرت اقدس اپنے سب سے آخری لیکچر میں جو حضور نے ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو یعنی اپنی وفات سے صرف آٹھ روز پہلے لاہور کے مجمع رؤساء و امراء کے سامنے دیا تھا۔ فرماتے ہیں :۔

"دیکھو ایک زمانہ تھا۔ جب پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے۔ کہ انہوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اب یہی پادری ہیں۔ کہ ہمارے سامنے نہیں آتے۔ حالانکہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ رہے ہیں۔ کہ آؤ اس نبی کا ایک غلام تمہیں معجزہ دکھانے کو تیار ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کا وعدہ اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ خدا ایسا کرتا۔" (البلاغ المبین ص۲۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان صاف اور واضح تحریرات کے بعد کیا کوئی انصاف پسند شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اپنے دل میں لا سکتا ہے۔ کہ آپ نے کبھی اپنے معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مدمقابل یا کسی اور رنگ میں ان کی برتری ظاہر کر کے حضور سے فضیلت کا دعویٰ کیا ہوگا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

تابع کے کمالات متبوع کے کمالات ہیں

اس امر سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ تابع کے تمام کمالات دراصل متبوع کے کمالات شمار ہوتے ہیں۔ یعنی تمام وہ فتوحات اور تائیدات سماویہ جو کسی امتی کے ہاتھوں ظاہر ہوں۔ وہ دراصل اُس

کے نبی متبوع کی صداقت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور وہ اس نبی کے معجزات یا تائیدات الٰہیہ کے مد مقابل قرار نہیں دی جا سکتیں۔ مثلاً یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام کو وہ دنیاوی فتوحات حاصل نہیں ہوئیں۔ جو خلفاء اربعہ کے وقت حاصل ہوئیں۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس وجہ سے خلفاء اربعہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت حاصل ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تمام فتوحات جو خلفاء اربعہ کے زمانہ میں ہوئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی فتوحات سمجھی جاتی۔ اور وہ حضور ہی کی ذات اور کمالات کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس اسی طرح جب اصولی طور پر اس امر کا فیصلہ ہو گیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام معجزات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے اور آپ ہی کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوئے۔ اور اس لحاظ سے وہ دراصل آنحضرت صلعم ہی کے معجزات ہیں۔ تو حضرت اقدس پر یہ الزام لگانا کہ آپ نے کسی رنگ میں اپنے معجزات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابل پر پیش کر کے اپنی فضیلت جتائی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب کی ایک جدید ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔

تیسری وجہ

حضرت مسیح موعودؑ کے محولہ شعر سے دعویٰ فضیلت کے استدلال کے لغو و باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے کسی فضیلت کا ادعا نہیں کیا۔ بلکہ حدیث دارقطنی کی ایک روایت کیطرف اشارہ کیا ہے۔ جس میں مہدی کے ظہور کا ایک نشان یہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

اور جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔"

۴۔ اور حضرت اقدس اپنے سب سے آخری لیکچر میں جو حضورؑ نے ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو یعنی اپنی وفات سے صرف آٹھ روز پہلے لاہور کے مجمع رؤسار و امرار کے سامنے دیا تھا۔ فرماتے ہیں :۔

"دیکھو ایک زمانہ تھا۔ جب پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے۔ کہ انہوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اب یہی پادری ہیں۔ کہ ہمارے سامنے نہیں آتے۔ حالانکہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ رہے ہیں۔ کہ آؤ اس نبی کا ایک غلام تمہیں معجزہ دکھلانے کو تیار ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کا وعدہ اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ خدا ایسا کرتا۔" (البلاغ المبین صـ۲۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان صاف اور واضح تحریرات کے بعد کیا کوئی انصاف پسند شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اپنے دل میں لا سکتا ہے۔ کہ آپ نے کبھی اپنے معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مد مقابل یا کسی اور رنگ میں ان کی برتری ظاہر کر کے حضور سے فضیلت کا دعویٰ کیا ہوگا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

تابع کے کمالات متبوع کے کمالات ہیں

اس امر سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ تابع کے تمام کمالات دراصل متبوع کے کمالات شمار ہوتے ہیں۔ یعنی تمام وہ فتوحات اور تائیدات سماویہ جو کسی امتی کے ہاتھوں ظاہر ہوں۔ وہ دراصل اُس

کے نبی متبوع کی صداقت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور وہ امر نبی کے معجزات یا تائیدات الٰہیہ کے مد مقابل قرار نہیں دی جا سکتیں۔ مثلاً یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام کو وہ دنیاوی فتوحات حاصل نہیں ہوئیں۔ جو خلفاء اربعہ کے وقت حاصل ہوئیں۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس وجہ سے خلفاء اربعہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت حاصل ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تمام فتوحات جو خلفاء اربعہ کے زمانہ میں ہوئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی فتوحات سمجھی جاتی۔ اور وہ حضور ہی کی ذات اور کمالات کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس اسی طرح جب اصولی طور پر اس امر کا فیصلہ ہو گیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام معجزات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے اور آپ ہی کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوئے۔ اور اس لحاظ سے وہ دراصل آنحضرت ہی کے معجزات ہیں۔ تو حضرت اقدس پر یہ الزام لگانا کہ آپ نے کسی رنگ میں اپنے معجزات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابل پر پیش کر کے اپنی فضیلت جتائی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب کی ایک جدید ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔

تیسری وجہ حضرت مسیح موعودؑ کے محولہ شعر سے دعویٰ فضیلت کے استدلال کے لغو و باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے کسی فضیلت کا ادعا نہیں کیا۔ بلکہ حدیث دارقطنی کی ایک روایت کیطرف اشارہ کیا ہے۔ جس میں مہدی کے ظہور کا ایک نشان یہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

کہ اس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ آسمان پر سورج اور چاند کو رمضان کے مہینے میں گرہن لگا کر اس کے دعویٰ کی صداقت ظاہر کرے گا۔ چنانچہ جب حضرت اقدس نے دعویٰ مہدویت کیا۔ تو اس روائت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ۱۸۹۴ء میں رمضان شریف کے مہینے میں سورج اور چاند کو گرہن لگا کر اپنی اس فعلی شہادت سے دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے تھے۔ پس جب خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کے لئے اس قدر عظیم الشان نشان ظاہر کیا۔ تو کیا آپ کو اپنے مخالفین پر اتمام حجت کے لئے یہ کہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں تو معجزہ شق قمر کو پیش کیا کرتے ہو۔ مگر جب حضور ہی کی ایک حدیث کے مطابق خدا تعالیٰ نے میرے لئے کسوف و خسوف کا نشان ظاہر کیا۔ تو تم نے میری صداقت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

انبیاء پر دعویٰ فضیلت کا چوتھا حوالہ	جناب محقق صاحب نے اسی عنوان زیر بحث کے ذیل میں چوتھی

عبارت ازالہ اوہام جلد دوم صفحہ ۲۸۲ کے حوالہ سے یہ پیش کی ہے۔ کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی۔ اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی۔ اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الہٰی نے اطلاع دی۔ اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کماھی ھی ظاہر فرمائی گئی۔"

اور یہ عبارت نقل کر کے جناب محقق صاحب نے اس پر حاشیہ آرائی

کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "گویا یہ حقائق مرزا صاحب پر منکشف ہوئے"۔
یوں تو جناب محقق صاحب کی ساری کتاب۔ آپ کی عجیب وغریب دیانتداریوں کا مرقع ہے۔ مگر عنوان زیر بحث کے ذیل میں جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں۔ ان میں تو تحریف کی انتہا ہی کر دی ہے۔

محقق صاحب اور فن تحریف

اس سے پیشتر عنوان بالا سے متعلق حوالہ جات کی نسبت ہم ناظرین کو بتا چکے ہیں۔ کہ ان کے درج کرنے میں جناب محقق صاحب نے فن تحریف میں کیسے کیسے کمالات ظاہر ہوئے ہیں۔ اب چوتھے اور سب سے آخری حوالہ کی نسبت بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس حوالہ کو نقل کرنے میں سب سے پہلی خیانت یہ کی ہے۔ کہ اس عبارت کا سیاق وسباق درج نہیں کیا۔ بلکہ ایک مسلسل عبارت میں قطع وبرید کرکے اس کا درمیانی ٹکڑا درج کر دیا ہے۔ جس سے اس کا حقیقی مفہوم بالکل خبط ہو کر رہ گیا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ مزید جسارت آپ نے یہ کی ہے۔ کہ مسلسل عبارت کا جو درمیانی ٹکڑا آپ نے نقل کیا ہے۔ اس میں سے بھی بعض ضروری الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم اصل عبارت من وعن مع سیاق وسباق درج کرتے ہیں۔ ناظرین اسے پڑھیں۔ اور محقق صاحب کی دیانتداری کی داد دیں۔

اصل حوالہ مع سیاق وسباق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیشگوئیوں کے وقت ظہور سے قبل ان کی تاویل وتعبیر میں انبیاء سے اجتہادی غلطی ہو جانے کا ذکر کرکے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اس کی بہت سی مثالیں پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

" ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے۔ کہ پیشگوئیوں کی تاویل وتعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں۔ جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں۔ وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے سچے ہوتے ہیں۔ مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف سے ان کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں اور چونکہ وہ انسان ہیں۔ اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا ہوتا ہے۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھلائی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات متواترہ محکمہ بیّنہ سے جنت اور نار کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی۔ پھر کیونکر ممکن تھا۔ کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے۔ جن کو اللہ تعالےٰ خود اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے۔ اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق راز ہے۔ جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو۔ اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو۔ اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو۔ اور نہ

دابۃ الارض کی ماہیت کماھی ظاہر فرمائی گئی۔ اور صرف امثلہ قریبہ اور صور متشابہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ ممکن ہے۔ اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں۔ تو شان نبوت میں کچھ جائے حرف نہیں۔ مگر قرآن اور حدیث پر غور کرنے سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے سید و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا۔ کہ وہ ابن مریم جو رسول اللہ نبی ناصری صاحب انجیل ہے۔ وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا مسمیٰ (ہمنام) آئے گا۔ جو بوجہ مماثلت روحانی اس کا نام خدا تعالیٰ کی طرف سے پائیگا۔" (ازالہ اوہام جلد صفحہ ۲۸۱ و ۲۸۲)

محقق صاحب بالقابہ نے حوالہ درج کرتے ہوئے جو الفاظ نقل کرنے سے عمداً گریز کی تھی۔ ان پر ہم نے خط کھینچ دئے ہیں۔ تا ناظرین اندازہ کرسکیں۔ کہ آپ کو فن تحریف میں کس قدر کمال حاصل ہے۔ اور آنجناب نے درمیانی عبارت نقل کرتے ہوئے جو الفاظ ترک کر دئے تھے۔ اُن پر بھی ہم نے خط کھینچ دئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ نے جملہ شرطیہ کو جس میں کسی امر کے واقع ہونے کا " اگر ہو" کے الفاظ کے ساتھ امکان اور فرض تسلیم کیا گیا تھا۔ جملہ خبریہ کے طور پر ادا کر دیا ہے۔ حالانکہ جملہ شرطیہ اور جملہ خبریہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیا تحریف اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟

کتر و بیونت کا واضح نمونہ

محترم محقق صاحب اپنے رسالہ

"قادیانی حساب" کے صفحہ ۲۲ میں زیرعنوان "کتر و بیونت" لکھتے ہیں :-

"ناخوش ہو کر . . . . کتر و بیونت کا بھی قادیانی صاحبان نے الزام دیا ہے - مدانعت اور معذرت کا یہ بھی ایک عام طریق ہے۔ کہ اقتباس نامکمل ہیں - ناقص ہیں . . . . تعلق کی حد تک پورے پورے اقتباسات پیش کئے گئے - . . . . . اس پر بھی قادیانی صاحبان کتر و بیونت کا الزام دیتے ہیں"

گو اس سے پیشتر ہم تالیف برنی کے اقتباسات میں کتر و بیونت کے کئی نمونے پیش کر چکے ہیں - اور ان میں سے ہر ایک محقق صاحب کے فن تحریف میں کمال کا بیّن ثبوت ہے - مگر اس کا جو نمونہ مذکورہ بالا حوالہ کے نقل کرنے میں پیش کیا گیا ہے - اسے پیش نظر رکھ کر کیا کوئی شخص جس میں ذرہ برابر بھی شرافت و انصاف کا مادہ باقی ہو - یہ کہہ سکتا ہے - کہ "قادیانی صاحبان" نے دیانتدار محقق صاحب کو کتر و بیونت کا الزام "مدافعت اور معذرت کے ایک عام طریق" کے مطابق دیا ہے - ورنہ در اصل آپ کا دامن اس سے بالکل پاک ہے - محقق صاحب غلطی پر پردہ ڈالنے میں کس قدر ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتے ہیں - بلکہ بے باکی کی حد ہے کہ خفت سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے آپ فرماتے ہیں - کہ "تعلق کی حد تک پورے پورے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں" مگر ناظرین دیکھ چکے ہیں - کہ آپ کا یہ دعویٰ کہاں تک حق و صداقت پر مبنی ہے - یہ چالاکیاں بیوقوفوں کی نگاہ میں تو شاید کچھ وقعت رکھتی ہوں - مگر عقلمندوں کے نزدیک ان کی جو حیثیت ہے - ظاہر ہے - کیا محقق صاحب یہ خیال کرتے ہیں - کہ ان چالبازیوں سے آپ حقیقت پر پردہ ڈالنے میں

کامیاب ہو جائیں گے ؟

پیشگوئی کے سمجھنے میں نبی سے اجتہادی غلطی کا امکان ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام کی زیر بحث عبارت میں جس اصولی مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے متعلق مختصراً یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔ جسے صرف آپ ہی نے بیان کیا ہو۔ بلکہ علماء متقدمین اس امر کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ نبی سے کسی پیشگوئی کے وقت ظہور سے قبل اس کے معنی سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خود حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نبراس صفحہ ۳۹۲ میں جو اہل السنت والجماعت کے عقائد کی نہایت مشہور و معروف کتاب ہے۔ لکھا ہے :-

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْتَہِدُ فَیَکُوْنُ خَطَأً کَمَا ذَکَرَہُ الْاُصُوْلِیُّوْنَ . . . . وَفِی الْحَدِیْثِ مَا حَدَّثْتُکُمْ عَنِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَہُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِیُٔ وَاُصِیْبُ"

یعنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اجتہاد کرتے تھے۔ اور وہ غلط ہوتا تھا۔ جیسا کہ علمائے اصول نے لکھا ہے۔ . . . . . اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو خبر میں تمہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے پہنچاؤں۔ وہ حق ہوتی ہے۔ اور جو اپنی طرف سے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں۔ تو میں بشر ہوں۔ غلط بھی کہہ سکتا ہوں۔ اور درست بھی۔"

آنحضرت صلعم پر بعض پیشگوئیوں کی حقیقت مخفی رہی۔

اسی طرح احادیث سے ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بعض پیشگوئیوں کے ظہور سے قبل اُن کے معنے اور اصل حقیقت مخفی رہی۔

پہلی مثال مثلاً بخاری جلد ۲ باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں آیا ہے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے (ہجرت سے قبل) دیکھا۔ کہ میں ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ جو کھجوروں والی ہے۔ میں سمجھا۔ کہ یمامہ یا ہجر کی طرف ہجرت کروں گا۔ مگر واقعات نے ظاہر کیا۔ کہ اس سے مراد مدینہ تھا۔

دوسری مثال پھر بخاری جلد اول باب وجوب الزکوۃ میں یہ روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی ازواج مطہرات نے دریافت کیا۔ کہ حضور کی وفات کے بعد ہم میں سے کون پہلے فوت ہو کر حضور سے ملے گی۔ آپ نے فرمایا۔ اَسْرَعُکُنَّ لَحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا۔ یعنے تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ وہ مجھے سب سے پہلے ملے گی۔ اس پر ازواج مطہرات اپنے ہاتھ ناپنے لگ گئیں۔ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے۔ اور اس وقت یہ سمجھا گیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت سودہ رضؓ فوت ہونگی۔ مگر واقع یہ ہوا۔ کہ سب سے پہلے حضرت زینبؓ فوت ہوئیں۔ تب صحابہؓ یہ سمجھے۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت تھی۔ اور حضرت زینبؓ چونکہ ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ سخی تھیں۔ اس سے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق سب سے پہلے فوت ہوئیں۔

اب دیکھو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس پیشگوئی کی حقیقت

کس طرح پردۂ خفا میں رہی - اور اس کا علم حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ رضؓ کو پیشگوئی کے ظہور کے وقت ہُوا - مگر کیا اس کا یہ مطلب ہے - کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ صحابہ رضؓ افضل تھے - جن پر حضورؐ کی وفات کے بعد واقعات کی رُو سے پیشگوئی کی اصل حقیقت کھلی - ہرگز نہیں - پس اسی طرح اگر یہ فرض کر لیا جائے - کہ دجال وغیرہ کی حقیقت کاملہ موعودہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر نہ کی گئی ہو - بلکہ حضورؐ کو " اجمالی طور پر " ان کا علم دیا گیا ہو - اور ان کی حقیقت کاملہ مع تمام جزئیات کے مثل دیگر علامات قیامت ان لوگوں پر کھلیں - جو ان کے ظہور کے وقت موجود ہوں - تو کچھ تعجب کی بات نہیں - اور اس سے ان لوگوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت نہیں ہوگی -

آنحضرت صلعم کیلئے اشراط ساعت کی تفاصیل کا علم ضروری نہیں

چنانچہ اکابر علماء اُمت نے جابجا ایسا ظاہر فرمایا ہے - مثلاً مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع میرٹھ کے صفحہ ۳۷۰ سے ظاہر ہے - کہ دجال کا حال کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مبہم رہا -

اور مشہور امام حدیث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفاء کی قسم ثالث کے باب اول میں تحریر فرماتے ہیں :-

" لَا يَصِحُّ مِنْهُ الْجَهْلُ بِشَيْءٍ مِّنْ تَفَاصِيلِ الشَّرْعِ الَّذِيْ أُمِرَ بِالدَّعْوَةِ إِلَيْهِ . . . . . . وَأَمَّا مَا تَعَلَّقَ بِعَقْدِهٖ مِنْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ . . . . . وَأُمُوْرِ الْآخِرَةِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ . . . . . فَمَا لَمْ يَعْلَمْهُ

اِلَّا بِوَحْیٍ فَعَلٰی مَاتَقَدَّمَ مِنْ اَنَّہٗ مَعْصُوْمٌ فِیْہِ وَلَا یَاْخُذُہٗ فِیْمَا اُعْلِمَ بِہٖ مِنْہُ شَکٌّ وَلَا رَیْبٌ بَلْ ھُوَ فِیْ غَایَۃِ الْیَقِیْنِ لٰکِنَّہٗ لَا یَشْتَرِطُ لَہُ الْعِلْمُ بِجَمِیْعِ تَفَاصِیْلِ ذٰالِکَ۔"

یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس شریعت کی تفاصیل کا علم نہ ہو۔ جس کی طرف دعوت دینے کے لئے آپ مامور تھے۔ مگر ایسے امور جو آسمان وزمین کی حکومت وغیرہ اور امور آخرت اور اشراط الساعۃ (مثلاً یاجوج وماجوج اور دجّال وغیرہ کا ظہور) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح دیگر وہ باتیں جن کا علم آپ کو وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ان سب میں گو آپ معصوم ہیں۔ اور آپ کو ان کے متعلق جس قدر علم دیا گیا ہے۔ اس کے بارہ میں آپ کو شک نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ کو انتہائی یقین ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ آپ کو ان کی تمام تفاصیل اور جزئیات کا علم بھی ہو۔ انتہیٰ۔

محقق صاحب نے تو یہ مفہوم قطع وبُرید کے بعد حضرت اقدس کی عبارت سے نکالنا چاہا تھا۔ جو نہیں نکل سکا۔ مگر مترجم مشکوٰۃ اور قاضی عیاضؒ نے تو صاف الفاظ میں لکھدیا ہے۔ کہ دجال وغیرہ اشراط قیامت کے متعلق تفصیلی علم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری نہیں ہے۔

محقق صاحب بالقابہ نے "حضرت سید المرسلین پر فضیلت" کے عنوان کے ذیل میں جو آخری حوالہ انالہ اوہام سے پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق اس امر کا ذکر ناظرین کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔ کہ جناب محقق صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی زندگی کا

دَورِ اوّل جون ۱۹۰۱ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ خوش اعتقادی کا دور تھا۔ اور اس میں آپ سب انبیاء اولیاء کو اپنا بڑا سمجھتے تھے۔ اور ۱۹۰۱ء سے آپکی بداعتقادی کا دور شروع ہوگیا۔ جس میں آپ نے آہستہ آہستہ اپنی فضیلت کے دعاوی کرنا شروع کئے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نعوذ باللہ فضیلت کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے۔ کہ بداعتقادی کے دور کی انتہاء یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت کے دعویٰ کے ثبوت میں آپ نے عبارت ازالہ اوہام سے پیش کی ہے۔ جو دَورِ اوّل کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنجناب کا مذکورہ بالا دعویٰ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اور کس نظر سے دیکھے جانے کے لائق ہے؟

آنحضرت صلعم کی افضلیت پر مسیح موعود علیہ السلام کے محکم ارشادات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن تحریرات سے جناب محقق صاحب نے حضرت سید المرسلین پر فضیلت کے دعویٰ کا استدلال کیا تھا۔ ان کے جوابات سے فارغ ہو کر اب ہم قارئین کرام کے سامنے حضور ع کی تصنیفات میں سے چند ایسے اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا اور سردار اور تمام جہان سے افضل قرار دیا ہے۔ تا ناظرین کو حقیقت حال کا علم ہو۔ حضرت اقدس کشتی نوح صفحہ ۱۳ میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

۱۔ "نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو۔

کہ سچی محبت اس جاہ و جلال والے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں۔ جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے۔ کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے۔ کہ خدا سچ ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے۔ اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔"

اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں :-

۲۔ "یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے۔ (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے۔ اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی۔ وہی ایک پہلوان ہے۔ جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی۔ وہی ہے۔ جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اُس کے کے کسی فضیلت کا دعوٰی کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے۔ بلکہ ذریت شیطان ہے۔ کیونکہ

ہر ایک فضیلت کی کنجی اُسکو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت
کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ نہیں پاتا۔
وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں۔ اور ہماری حقیقت کیا ہے۔
ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں۔ کہ توحید
حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی ہے۔ اور زندہ خدا
کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے
نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف
بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اسی بزرگ نبی کے ذریعہ
ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی
طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں
جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۷ میں فرماتے ہیں :۔

۱۲۔ "محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں۔ جس کے نام کی بے عزتی
کی گئی۔ جس کی تکذیب میں بد قسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں
اس زمانہ میں لکھکر شائع کر دیں۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔
اس کے قبول کرنے میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی
رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں
میں سے ایک میں ہوں۔ جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔
اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔"

اور صفحہ ۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

۱۳۔ "سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے

اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے۔ جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا۔ اگر میں اپنے سید و مولے فخر الانبیاء اور خیرالوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس کی پیروی سے پایا۔ اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں۔ کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔"

اور رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم" میں فرماتے ہیں :۔

۵۔ "وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجےٰ یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے"

یہ تمام اقتباسات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دَور دوئم کی تصنیفات میں سے برعایت اختصار نقل کئے گئے ہیں۔ اور دَور اوّل

کے متعلق چونکہ جناب محقق صاحب نے تسلیم کیا ہے۔ کہ وہ خوش اعتقادی کا دور تھا۔ اس لئے دور اول کی تحریرات پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی

ذلیل دلیری

ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سینکڑوں ایسی تحریرات کی موجودگی کے جن میں آپ نے اپنے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خادم اور مطیع قرار دیا۔ حضورؑ کے مخالفین آپ پر "حضرت سید المرسلین پر فضیلت کے دعوے کا الزام لگانے کی دلیری کس طرح کرتے ہیں۔ اور اس ناپاک اور ذلیل دلیری پر ان کی طبیعتیں کس طرح مطمئن ہوتی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ ان کی نگاہیں صرف بعض متشابہ و مجمل فقرات ہی پر پڑتی ہیں۔ اور ان کے سابقہ و لاحقہ مضامین ان کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتے ہیں۔ کیا ان کی یہ طرز عمل اس بات کی صریح دلیل نہیں۔ کہ ان کی نیتیں نیک نہیں۔ اگر ان کی نیتیں نیک ہوتیں۔ تو وہ جہاں حضورؑ کی تحریرات سے بعض متشابہ عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ وہاں وہ عبارتیں بھی پبلک کے سامنے رکھتے جو محکمات کا حکم رکھتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے حق میں کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ (آل عمران ع) یعنی جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ (صریح الفاظ کو چھوڑ کر) متشابہ آیات کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ تا کوئی امر قابل اعتراض نظر آئے۔ جسے لیکر وہ شور مچا سکیں ؛

اولیاء امت پر فضیلت کی بحث

محقق صاحب مکرم کا چوتھا اعتراض یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تمام اولیاء اور بزرگان امت پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ

اعتراض آپ نے حسب ذیل چار عنوانات کے ذیل میں بیان کیا ہے۔
(۱) "حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت" (۲) "حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت" (۳) "حضرت غوث اعظم رض پر فضیلت" (۴) امت محمدی کے تمام اولیاء پر فضیلت۔"

مسیح موعود کا اولیائے امت سے افضل ہونا مسلم ہے

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر اہل السنت والجماعت کے نزدیک یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ مسیح موعود اور مہدی معہود جس کی آخری زمانہ میں ظاہر ہونے کی پیشگوئی احادیث میں مذکور ہے۔ تمام اولیاء اور بزرگان امت حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رض سے بھی افضل ہو گا۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے تمام اولیاء اور بزرگان امت سے افضل ہونے کے دعوی کو کیوں قابل اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے؟

تعجب ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کرتے وقت یہ لوگ اپنے مسلمات کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور جوش تعصب و عداوت میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر انہیں اپنے عقائد کے خلاف بھی کچھ لکھنا پڑے۔ اور اس سے وہ یہ سمجھیں۔ کہ حضرت اقدس کے خلاف عوام کو آسانی سے بھڑکایا جا سکتا ہے۔ تو اس سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

اگر ان میں کوئی سلیم الفطرت اور منصف مزاج ہو۔ تو وہ سوچے کہ بھلا یہ بھی کوئی اعتراض ہے۔ کہ جو شخص مسیح موعود ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ ہے۔ وہ اولیائے امت سے افضل ہونے کا دعویٰ کیوں کرتا ہے۔ ایسی معترضین

سے تو یہ بھی بعید نہیں۔ کہ کل کو یہ اعتراض بھی کرنے لگ جائیں۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مسلمان اور مومن کیوں لکھا ہے۔

غیر معقول طریق بحث

کاش کوئی ان معترضین سے پوچھے کہ مرزا صاحب کے معاملہ کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھ کر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے خیال میں جب مسیح موعود اور مہدی آئیگا۔ تو تم اُسے حضرت علی رضؓ۔ حضرت امام حسین رضؓ۔ حضرت غوث اعظم رحؒ اور دیگر اولیائے اُمت سے افضل کہو گے یا نہیں۔ اگر کہو گے۔ اور عقائد کی رو سے تم ایسا کہنے پر مجبور ہو۔ تو پھر بتاؤ۔ کہ جو شخص دلائل سے اپنے آپ کو مسیح موعود اور مہدی ثابت کرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کرنا کہاں کی دیانتداری اور معقولیت ہے۔ کہ وہ اسی مقام پر کھڑا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو تمہارے نزدیک مسیح موعود اور مہدی معہود کا مقرر اور مسلّم ہے۔ تم یہ تو کہہ سکتے ہو۔ کہ اس کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت درست نہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس نے اپنے تئیں مسیحیت و مہدویت کے دعویٰ میں سچا سمجھتے ہوئے اولیاء اُمت سے افضل ہونے کا دعویٰ کیوں کیا؟

بحث کا اصل موضوع صداقت مسیح موعود ہونا چاہیئے

پس جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ اصل بحث حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کی صداقت پر ہونی چاہیئے۔ فضیلت کے تمام دعاوی اس کے تابع ہیں۔ اگر دعویٰ مسیحیت و مہدویت میں آپ سچے ثابت ہو جائیں۔ تو فضیلت کے دعاوی بھی سچے ہوں گے۔ اور اگر سچے ثابت نہ ہوں۔ تو فضیلت کے دعاوی بھی سچے نہیں ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اعتراض آپ نے حسب ذیل چار عنوانات کے ذیل میں بیان کیا ہے۔
(۱) "حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر فضیلت" (۲) "حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت" (۳) "حضرت غوث اعظم رضؓ پر فضیلت" (۴) "امت محمدیؐ کے تمام اولیاء پر فضیلت۔"

مسیح موعود کا اولیائے امت سے افضل ہونا مسلّم ہے

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر اہل السنت والجماعت کے نزدیک یہ ایک مسلّمہ امر ہے۔ کہ مسیح موعود اور مہدی معہود جس کی آخری زمانہ میں ظاہر ہونے کی پیشگوئی احادیث میں مذکور ہے۔ تمام اولیاء اور بزرگان اُمت حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضؓ سے بھی افضل ہوگا۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے تمام اولیاء اور بزرگانِ اُمت سے افضل ہونے کے دعویٰ کو کیوں قابلِ اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے؟
تعجب ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کرتے وقت یہ لوگ اپنے مسلّمات کو بھی پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور جوش تعصب و عداوت میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر انہیں اپنے عقائد کے خلاف بھی کچھ لکھنا پڑے۔ اور اس سے وہ یہ سمجھیں۔ کہ حضرتؑ اقدس کے خلاف عوام کو آسانی سے بھڑکایا جا سکتا ہے۔ تو اس سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔
اگر ان میں کوئی سلیم الفطرت اور منصف مزاج ہو۔ تو وہ سوچے کہ بھلا یہ بھی کوئی اعتراض ہے۔ کہ جو شخص مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ ہے۔ وہ اولیائے اُمت سے افضل ہونے کا دعویٰ کیوں کرتا ہے ایسے معترضین

سے تو یہ بھی بعید نہیں۔ کہ کل کو یہ اعتراض بھی کرنے لگ جائیں۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مسلمان اور مومن کیوں لکھا ہے

غیر معقول طریق بحث

کاش کوئی ان معترضین سے پوچھے۔ کہ مرزا صاحب کے معاملہ کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھ کر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے خیال میں جب مسیح موعود اور مہدی آئیگا۔ تو تم اسے حضرت علیؓ۔ حضرت امام حسینؓ۔ حضرت غوث اعظمؒ اور دیگر اولیائے اُمت سے افضل کہو گے یا نہیں۔ اگر کہو گے۔ اور عقائد کی رو کے تم ایسا کہنے پر مجبور ہو۔ تو پھر بتاؤ۔ کہ جو شخص دلائل سے اپنے آپ کو مسیح موعود اور مہدی ثابت کرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کرنا کہاں کی دیانتداری اور معقولیت ہے۔ کہ وہ اسی مقام پر کھڑا ہونے کا دعوٰی کرتا ہے۔ جو تمہارے نزدیک مسیح موعود اور مہدی مسعود کا مقرر اور مسلم ہے۔ تم یہ تو کہہ سکتے ہو۔ کہ اس کا دعوٰی مسیحیت و مہدویت درست نہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس نے اپنے تئیں مسیحیت و مہدویت کے دعوٰی میں سچا سمجھتے ہوئے۔ اولیاء امت سے افضل ہونے کا دعوٰی کیوں کیا ؟

بحث کا اصل موضوع صداقت مسیح موعود ہونا چاہیئے

پس جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ اصل بحث حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے دعوٰی مسیحیت و مہدویت کی صداقت پر ہونی چاہیئے۔ فضیلت کے تمام دعاوی اس کے تابع ہیں۔ اگر دعوٰی مسیحیت و مہدویت میں آپ سچے ثابت ہو جائیں۔ تو فضیلت کے دعاوی بھی سچے ہوں گے۔ اور اگر سچے ثابت نہ ہوں۔ تو فضیلت کے دعاوی بھی سچے نہیں ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

" یہ اور بات ہے۔ کہ سنی یا شیعہ مجھے گالیاں دیں۔ یا میرا نام کذاب۔ دجال۔ بے ایمان رکھیں۔ لیکن جس شخص کو خدا تعالیٰ بصیرت عطا کرے گا۔ اور وہ مجھے پہچان لے گا۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور وہی ہوں۔ جس کا نام سرور انبیاء نے نبی اللہ رکھا ہے۔ . . . . . وہ مجھے اسی طرح افضل سمجھیگا۔ جس طرح خدا اور رسول نے مجھے فضیلت دی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ قرآن اور احادیث اور تمام نبیوں کی شہادت سے مسیح موعود حسین رضؓ سے افضل ہے۔ اور جامع کمالات متفرقہ ہے۔ پھر اگر در حقیقت میں وہی مسیح موعود ہوں۔ تو خود سوچ لو۔ کہ حسین رضؓ کے مقابل پر مجھے کیا درجہ دینا چاہیئے۔" (نزول المسیح صفحہ ۴۸ تا ۵۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسے معترضین کو جو آپ پر اولیاء اُمت اور بالخصوص حضرت امام حسینؓ پر دعویٰ فضیلت کرنے کی وجہ سے طعنہ زنی کرتے ہیں۔ یہ جواب کس قدر اصولی اور معقول ہے۔ کاش ہمارے دوست اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور از راہ تعصب غیر اصولی اعتراضات کرنے سے پرہیز کریں ۔

امام حسین رضؓ کی وہمی تصویر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قصیدہ اعجازیہ میں جو چند کلمات حسین رضؓ کی نسبت لکھے ہیں۔ ان کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ شیعوں کو مخاطب کر کے حضرت امام حسین رضؓ کی اس وہمی اور خیالی تصویر کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ جو غالیوں اور متشددوں کے گروہ نے اپنے ذہنوں میں بنا رکھی ہے۔

یہ گروہ درحقیقت حضرت امام حسین رض کو نہیں مانتا۔ بلکہ اپنے وہمی اور خیالی پیکر کو مانتا ہے۔ جس کا وجود اس کے دماغ و خیال کے سوا اور کہیں بھی نہیں کیونکہ اس نے حضرت امام حسین رض کی طرف ایسے امور منسوب کر رکھے ہیں۔ جو درحقیقت ان میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ تمام مخلوقات الٰہی سے بہتر اور افضل اور تمام انبیاء کا شفیع اور منجی ہے۔ بغیر اس کی شفاعت کے کوئی نبی نجات نہیں پا سکتا۔ حتیٰ کہ نعوذ باللہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ اور اس کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔ اور چونکہ درحقیقت ایسا کوئی حسین ہوا ہی نہیں۔ جو مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو۔ لہذا حضرت اقدس نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اسی پیکر و تصویر وہمی و فرضی کے متعلق لکھا ہے۔ جس کو غالیوں نے ان صفات سے متصف مان رکھا ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے۔ جو مناظرے کی کتابوں پر تھوڑی سی نظر رکھنے والے بھی بخوبی جانتے ہیں۔ کیونکہ اکابر علماء اسلام مخالفین سے مقابلہ کے موقعوں پر ان کے عقیدے کے بطلان اور ان کی اصلاح کی نیت سے زیادہ سے زیادہ سخت اور درشت عبارتیں لکھتے رہے ہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہتے ہوں۔ وہ تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب اور ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ کتب ردّ شیعہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

اس امر کا ثبوت کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اعجاز احمدی میں حضرت امام حسین رض کی نسبت شیعوں کے عقائد کو ملحوظ رکھ کر کلام کیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ محقق صاحب نے اعجاز احمدی کے جن مقامات سے بعض فقرات قطع و برید کر کے حضرت امام حسین رض کی توہین کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

انہیں مقامات میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی تصریح بھی فرمادی ہے۔ مثلاً اعجاز احمدی صفحہ ۶۹ کے جو اشعار تالیف ثانی نسخہ ۵۲ و ۵۳ میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے قبل اعجاز احمدی صفحہ ۶۷ کے حاشیہ میں حضرت اقدس نے یہ ظاہر فرما دیا ہے۔ کہ یہ اشعار شیعہ مجتہد علی حائری کے حملہ کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ پھر اس کے آگے صفحہ ۶۹ میں بھی لکھا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اس حسین کے لئے لکھا گیا ہے۔ جو تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء سے بھی بہتر اور افضل ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

"تم نے حسین کو تمام مخلوق سے بہتر سمجھ لیا ہے۔ اور تمام ان لوگوں سے افضل سمجھا ہے۔ جو خدا نے پیدا کئے ہیں۔ گویا لوگوں میں وہی ایک آدمی تھا جسکو خدا نے پاک کیا۔ اور دوسرے ناپاک ہیں۔ کیا حسین تمام نبیوں سے بڑھ کر تھا۔ کیا وہی نبیوں کا شفیع اور سب سے برگزیدہ تھا"

اسی طرح اعجاز احمدی صفحہ ۸۰ کے حوالہ سے جو عبارت محقق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں پیش کی ہے۔ اس کے اول و آخر کی عبارتوں سے بھی ظاہر ہے۔ کہ وہ بھی غالی شیعوں کے فرضی حسین کے حق میں ہی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

"تب عجز و ضعف اس شخص یعنی حسین کا ظاہر ہو گیا جسکو تم کہتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قیامت میں وہی شفاعت کریگا۔ تم گمان کرتے ہو۔ کہ حسین تمام مخلوق کا سردار ہے۔ اور ہر ایک نبی اس کی شفاعت سے نجات پائیگا۔ اور بخشا جائیگا"۔

ان عبارتوں سے جو عربی اشعار کا وہ ترجمہ ہیں۔ جو خود حضرت اقدس نے

کیا ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت اقدس نے ان صفحات میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اس حسین کے حق میں ہے۔ جو تمام مخلوق کا سردار اور تمام نبیوں سے افضل ہو۔ اور تمام نبی حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ اس کی شفاعت کے محتاج ہوں۔ لیکن کیا اہل السنت والجماعت کے نزدیک ایسا کوئی حسین گذرا ہے۔ اگر نہیں تو وہ لوگ جو ایسے حسین کا وجود ہی نہیں مانتے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے بعض فقرات پر اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ اور ان کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کیوں سمجھتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس نے اس امر کے اظہار کے لئے کہ آپ کے ان کلمات سے حضرت امام حسین رضؓ کی توہین نہ سمجھ لی جائے۔ ان کلمات کے استعمال سے پیشتر اعجاز احمدی صفحہ ۴۰ میں صاف لکھ دیا ہے۔ کہ:۔

"میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے۔ یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے۔ یہ انسانی کارروائی نہیں۔ خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ کوئی انسان حسین رضؓ جیسے یا حضرت عیسےٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔ پس مبارک وہ جو آسمان کے مصالح کو سمجھتا۔ اور خدا کی حکمت عملیوں پر غور کرتا ہے"

اس عبارت سے بھی بکمال صفائی ظاہر ہے۔ کہ آئندہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین ہرگز مقصود نہیں۔ اور اپنا اعتقاد بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کہ یہ حضرات

خدا تعالےٰ کے راست باز بندے ہیں۔ اور ان پر زبان طعن دراز کرنا خبیث آدمی کا کام ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ جناب محقق صاحب نے اس کچھ بھی لحاظ نہیں فرمایا۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ کوشش فرمائی ہے۔ کہ کسی طرح یہ بات کھلنے نہ پائے۔ کہ یہ فقرات حضرت امام حسین رضی کی اہانت کی غرض سے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ یہی معلوم ہو۔ کہ خاص طور پر اہانت کی غرض سے لکھے گئے ہیں۔ اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے آنجناب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی عبارتوں میں تصرف کرنے بلکہ اپنی طرف سے ایک عبارت تصنیف کر کے حضرت اقدس کی طرف منسوب کر دینے میں بھی دریغ نہیں فرمایا۔ چنانچہ اعجاز احمدی صفحہ ۸۰ کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ " حسین رضی اللہ عنہ کے اہل بیت برباد ہوئے۔ ان کا عجز و ضعف کھل گیا "۔ یہ عبارت اعجاز احمدی کے صفحہ ۸۰ میں ہرگز موجود نہیں۔ بلکہ اصل عبارت یہ ہے۔ " تب عجز و ضعف اس شخص یعنی حسین کا ظاہر ہو گیا۔ جس کو تم کہتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قیامت کو وہی شفاعت کرے گا "

ان دونوں عبارتوں میں جو فرق ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ جناب محقق صاحب نے ابتداء میں " حسین کے اہل بیت برباد ہوئے " کے الفاظ اپنی طرف سے زائد کر دئے ہیں۔ اور آخر میں شعر کے اس حصہ کا ترجمہ نقل کرنے سے چھوڑ دیا ہے۔ جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ تا پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جگہ کس حسین کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ وہ کارروائی ہے۔ جو ایک خالی الذہن اور دیانت دار محقق کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے منصف مزاج حضرات پر آسانی سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ اعجاز احمدی کے جو بعض فقرات جناب محقق صاحب نے حضرت امام حسینؓ کی توہین کے متعلق قرار دئے ہیں۔ وہ کس غرض سے لکھے گئے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کو آپ کی توہین کا باعث قرار دیتے ہیں۔ کہاں تک حق بجانب ہیں۔ اور جناب محقق صاحب نے انکو نقل کرنے میں جو انداز برتا ہے۔ وہ کہاں تک قرین انصاف ہے؟

آنجناب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اعجاز احمدی کی جن کر چند اور اشعار بھی حضرت امام حسینؓ کی توہین کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ مگر ان میں آپ نے نادانستہ طور پر ایک ایسا شعر بھی درج کر دیا ہے۔ جس نے یہ حقیقت بالکل واضح کر دی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی مراد ان اشعار میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔ بلکہ شیعوں کے غالی گروہ کی اس وہمی تصویر سے ہے۔ جو انہوں نے امام موصوفؓ کی اپنے دماغوں میں بنا رکھی ہے۔ اور جس کے متعلق ان کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ تمام دنیا سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور اس شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ "کیا تو اس (حسین) کو تمام دنیا سے زیادہ پرہیزگار سمجھتا ہے اور یہ تو بتاؤ۔ کہ اس سے تمہیں دینی فائدہ کیا پہنچتا ہے۔ اے مبالغہ کرنے والو" (اعجاز احمدی صفحہ ۶۸)

ایک شعر سے غلط استنباط

حضرت امام حسینؑ کی توہین کے ثبوت میں ایک اقتباس درثمین کے حوالہ سے بھی پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ "نزول المسیح" کی نظم کا یہ شعر ہے ؎

"کربلائیست سیر ہر آنم ٭ صد حسین است در گریبانم"

اس شعر کو حضرت امام حسین رضؓ کی ہتک کا موجب قرار دینے پر جتنا بھی تعجب کیا جائے۔ کم ہے۔ خاص کر اس لئے کہ اور مخالف تو اس کا صرف ایک مصرع "صد حسین است در گریبانم" پیش کر کے یہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ کہ حضرت امام حسین رضؓ کی انتہائی توہین کی غرض سے سو حسین رضؓ اپنے گریبان میں بنائے گئے ہیں۔ لیکن جناب محقق صاحب بالقابہ نے ایک مصرع نہیں بلکہ پورا شعر نقل کر کے بھی وہی امر مخلوق کے ذہن نشین کرنا چاہا ہے۔ جو اور مخالف صرف ایک مصرع نقل کر کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اس کے پہلے مصرع سے صاف ظاہر ہے۔ کہ دوسرے مصرع میں صد حسین اپنے گریبان میں بتانے سے اپنے مصائب اور تکالیف کی افراط کا اظہار مقصود ہے۔ نہ کچھ اور۔ کیونکہ پہلے مصرع کا مضمون یہ ہے۔ کہ ہر آن مجھ پر کربلا کی سی حالت رہتی ہے۔ اور دوسرے مصرع میں اسی حالت کی وضاحت و صراحت یہ کہکر کی گئی ہے۔ کہ سو حسین رضؓ میرے گریبان میں ہیں۔ اور اس نہایت ہی بلیغ انداز بیان سے صرف اسی قدر مقصود تھا۔ کہ اپنے مصائب و تکالیف کی جو کثرت آپ ظاہر کرنی چاہتے تھے وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ عمدگی کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔ کسی کی توہین سے تو اس کا برلئے نام بھی تعلق نہیں تھا۔ اور ادبیات سے ذرہ بھی واسطہ رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ ایسے موقعوں پر صرف اپنی حالت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ نہ کسی اور امر کا۔ اور دوسروں سے مقابلہ کا تو خیال تک نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ ان کی توہین و تحقیر کا ؛

معترضین یہ تو کہہ رہے ہیں۔ کہ اس شعر میں حضرت امام حسین رضؓ کی توہین کی گئی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سوچتے۔ کہ اگر نعوذ باللہ امام موصوف رضؓ

کی تحقیر و توہین مدنظر ہوتی۔ تو کیا اپنی تکالیف کے اظہار کی غرض سے واقعۂ کربلا کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ اور کیا حضرت امام حسینؓ کی وقعت و محبت دل میں نہ ہوتی۔ تو سَو حسینؓ اپنے گریبان میں بتائے جا سکتے تھے۔ کیا کوئی سَو ایسے انسانوں کو جنہیں وہ ذلیل و حقیر سمجھتا ہو۔ اپنے گریبان میں بتانا گوارا کر سکتا ہے۔ اور کیا کوئی اپنی ذات کی ایسے شخص سے مثال دے سکتا ہے۔ جس کی کوئی وقعت اور عظمت اس کے دل میں نہ ہو ؞

پس حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا اپنے مصائب کی افراط کے اظہار کے لئے حضرت امام حسینؓ اور واقعہ کربلا کا ذکر فرمانا بغرض توہین نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے۔ کہ آپ کی نظر میں حضرت امام حسینؓ اور واقعۂ کربلا کی خاص عظمت و وقعت تھی ؞

غیر مستند شعر

"حضرت غوث اعظم پر فضیلت" کے عنوان کے ذیل میں جناب محقق صاحب نے حسب ذیل شعر درج کیا ہے۔

سرمۂ چشم بنانے تری خاکِ پا کو + غوثِ اعظم شہِ جیلان رسولِ مدنی

لیکن کیا جناب محقق صاحب یہ بتانے کی تکلیف گوارا فرمائینگے۔ کہ یہ شعر حضرت اقدس مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کس کتاب میں ہے۔ اگر وہ اس سوال کے جواب میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کسی کتاب کا نام نہ لے سکیں۔ اور یقیناً نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ یہ شعر ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کا بھی نہیں۔ تو ایک دفعہ

اس شعر کو حضرت امام حسین رض کی ہتک کا موجب قرار دینے پر جتنا بھی تعجب کیا جائے۔ کم ہے۔ خاص کر اس لئے کہ اور مخالف تو اس کا صرف ایک مصرع "صد حسین است در گریبانم" پیش کرکے یہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ کہ حضرت امام حسین رض کی انتہائی توہین کی غرض سے سو حسین رض اپنے گریبان میں بتائے گئے ہیں۔ لیکن جناب محقق صاحب بالقابہ نے ایک مصرع نہیں بلکہ پورا شعر نقل کرکے بھی وہی امر مخلوق کے ذہن نشین کرنا چاہا ہے۔ جو اور مخالف صرف ایک مصرع نقل کرکے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اس کے پہلے مصرع سے صاف ظاہر ہے۔ کہ دوسرے مصرع میں صد حسین اپنے گریبان میں بتانے سے اپنے مصائب اور تکالیف کی افراط کا اظہار مقصود ہے۔ نہ کچھ اور۔ کیونکہ پہلے مصرع کا مضمون یہ ہے۔ کہ ہر آن مجھ پر کربلا کی سی حالت رہتی ہے۔ اور دوسرے مصرع میں اسی حالت کی وضاحت و صراحت یہ کہکر کی گئی ہے۔ کہ سو حسین رض میرے گریبان میں ہیں۔ اور اس نہایت ہی بلیغ انداز بیان سے صرف اسی قدر مقصود تھا۔ کہ اپنے مصائب و تکالیف کی جو کثرت آپ ظاہر کرنی چاہتے تھے۔ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ عمدگی کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔ کسی کی توہین سے تو اس کا برلئے نام بھی تعلق نہیں تھا۔ اور ادبیات سے ذرہ بھی واسطہ رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ ایسے موقعوں پر صرف اپنی حالت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ نہ کسی اور امر کا۔ اور دوسروں سے مقابلہ کا تو خیال تک نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ ان کی توہین و تحقیر کا ؛

معترضین یہ تو کہہ رہے ہیں۔ کہ اس شعر میں حضرت امام حسین رض کی توہین کی گئی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سوچتے۔ کہ اگر نعوذ باللہ امام موصوف رض

کی تحقیر و توہین مدنظر ہوتی۔ تو کیا اپنی تکالیف کے اظہار کی غرض سے واقعۂ کربلا کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ اور کیا حضرت امام حسینؓ کی وقعت و محبت دل میں نہ ہوتی۔ تو سو حسینؓ اپنے گریبان میں بتائے جا سکتے تھے۔ کیا کوئی سو ایسے انسانوں کو جنہیں وہ ذلیل و حقیر سمجھتا ہو۔ اپنے گریبان میں بتانا گوارا کر سکتا ہے۔ اور کیا کوئی اپنی ذات کی ایسے شخص سے مثال دے سکتا ہے۔ جس کی کوئی وقعت اور عظمت اس کے دل میں نہ ہو ؎

پس حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا اپنے مصائب کی افراط کے اظہار کے لیے حضرت امام حسینؓ اور واقعہ کربلا کا ذکر فرمانا بغرض توہین نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے۔ کہ آپ کی نظر میں حضرت امام حسینؓ اور واقعۂ کربلا کی خاص عظمت و وقعت تھی ؎

غیر مستند شعر

"حضرت غوث اعظم پر فضیلت" کے عنوان کے ذیل میں جناب محقق صاحب نے حسب ذیل شعر درج کیا ہے۔

سرمۂ چشم بناتے تری خاکِ پا کو + غوثِ اعظم شہِ جیلان رسولِ قدنی

لیکن کیا جناب محقق صاحب یہ بتانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ کہ یہ شعر حضرت اقدس مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کس کتاب میں ہے۔ اگر وہ اس سوال کے جواب میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کسی کتاب کا نام نہ لے سکیں۔ اور یقیناً نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ یہ شعر ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کا بھی نہیں۔ تو ایک دفعہ

پھر ان کی یہ تعلّی غلط ثابت ہو جائیگی۔ جو انھوں نے اپنی تالیف کے صفحہ ۱۱ و ۱۷ میں کی ہے۔ کہ "قادیانی مخصوص اعتقادات" کے متعلق آپ نے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ وہ "خود بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد قادیانی اور اُن کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے" پیش کئے ہیں :

محقق صاحب کے "راز سربستہ" کا انکشاف

جناب محقق صاحب کا پانچواں اعتراض یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید۔ احادیث رسول مقبول علیہ السلام اور بائبل کی وہ پیشگوئیاں اور بشارتیں جن میں آخری زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کا ذکر ہے۔ اپنے اوپر چسپاں کی ہیں۔ اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ معجزات اور نشانات جو خدا تعالےٰ نے آسمان و زمین میں آپ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ظاہر کیے۔ بطور گواہ پیش کئے ہیں۔ اس اعتراض کو جناب محقق صاحب نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت میں بیان کیا ہے۔

(۱) "مرزا صاحب کے معجزات" (۲) "مرزا صاحب کے گواہ"۔
(۳) "مرزا صاحب کے بشارتی نام" (۴) "اسمہٗ احمد کے مصداق مرزا صاحب"۔

ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جناب محقق صاحب کا اس اعتراض سے مقصد کیا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور گذشتہ نبیوں کی وہ تمام

پیشگوئیاں جن میں آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان نبی کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اپنے اوپر چسپاں کی ہیں۔ پھر یہ کون سا ایسا "سربستہ" راز تھا۔ جس کی خبر صرف جناب محقق صاحب ہی کو ہوئی۔ اور جس کے "انکشاف" کے لئے آپ اس قدر بے تاب ہیں ؛

حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مسیحیت پر قریباً نصف صدی ہونے کو آئی ہے۔ اور آپ کا یہ دعویٰ چار دانگ عالم میں پھیل کر شہرت عامہ حاصل کر چکا ہے۔ اور ہر ملک و مذہب کے لاکھوں نفوس اسے قبول کر چکے ہیں۔ مگر محقق برنی صاحب پر وفیسر محاشیات کے نزدیک یہ ایک ایسی "علمی تحقیقات" ہے۔ جس کا علم آج صرف آپ ہی کو ہوا ہے۔ اور باقی دنیا اس سے بالکل بے خبر پڑی ہی ؛

پس ہماری طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ بیشک حضرت مرزا صاحبؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور صرف دعویٰ ہی نہیں۔ بلکہ اس کے دلائل بھی قرآن مجید اور احادیث اور بائبل کی ان پیشگوئیوں سے جو مسیح کی آمد ثانی سے متعلق ہیں۔ پیش کئے ہیں۔ اور آپ کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے ہزارہا نشانات اور معجزات دکھائے ہیں۔ لیکن اگر جناب محقق صاحب کو ان کی صداقت میں شک ہے۔ تو ہماری طرف سے انہیں کھلی دعوت ہی کہ اصولی طور پر بحث کر کے حضرت مرزا صاحبؑ کا دعویٰ مسیحیت غلط ثابت کر کے دکھائیں۔ اور ثابت کریں۔ کہ آپ ان پیشگوئیوں کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ جو قرآن مجید۔ احادیث نبویہ اور بائبل میں کی گئی ہیں۔ اور نہ خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کے لئے کوئی نشان دکھایا ہے۔ ورنہ

صرف اس قدر لکھ دینے سے کہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے اور انبیاء کی پیشگوئیوں کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرآنی آیات کے دوبارہ نزول اور آنحضرت صلعم کے مراتب حاصل کرنے پر اعتراض

جناب محقق صاحب کا چھٹا اعتراض یہ ہے۔ کہ (۱) حضرت مسیح موعودؑ نے بعض قرآنی آیات کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ اور (۲) یہ کہ آپ نے اپنے تئیں بعض ایسے مراتب اور مقامات روحانیہ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہیں۔ مصداق قرار دیا ہے۔ اور یہ اعتراض آپ نے حسب ذیل دو عنوانات کے تحت میں بیان کیا ہے۔ (۱) "مرزا صاحب کا خدائی عہد" (۲) قرآن کریم میں مرزا صاحب کی مزید بشاریت"

شق اول کا جواب

شق اول کا جواب یہ ہے۔ کہ قرآنی آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین پر دوبارہ نزول جائز ہے۔ اور اس کے ثبوت میں ہم سب سے پہلے حضرت سید عبد القادر جیلانی رضؓ کا مندرجہ ذیل ارشاد پیش کرتے ہیں:۔

"ثُمَّ تُرْفَعُ اِلَی الْمَلِكِ الْاَکْبَرِ فَتُخَاطَبُ بِاَنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ" (فتوح الغیب مقالہ ۲۸)

یعنے جب تو (اے سالک) مرتبہ فنا میں انتہائی کمال کو حاصل کرے گا۔ تو خدا کے نزدیک تیرا مقام بلند کیا جائیگا۔ اور تجھے مخاطب کر کے کہا جائے گا۔ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ (تو آج ہمارے نزدیک امین ہے) اور یہ قرآن مجید کی آیت ہی جو سورہ یوسف رکوع ۷ میں ہی ؎

اور شرح فتوح الغیب فارسی صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر جملہ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (طٰہٰ ع ۱) کئی دفعہ الہاماً نازل ہوا ؛

حضرت خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علم الکتاب صفحہ ۶۱ و ۶۴ میں زیر عنوان "تحدیث نعمۃ الرب" لکھا ہے۔ کہ آپ پر بہت سی قرآنی آیات بذریعہ الہام نازل ہوئیں۔ اور ان میں سے کئی ایسی ہیں۔ جن میں اللہ تعالےٰ نے خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ (سورہ شوریٰ ع ۲)
۲۔ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (سورۃ الشعراء ع ۱۱)
۳۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔ (سورۃ الضحیٰ ع ۱)

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آیا ہے۔ کہ ان پر ان کے صاحبزادہ محمد یحیٰ کی پیدائش سے قبل آیت إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ (سورہ مریم ع ۱) الہاماً نازل ہوئی ؛
(مقامات امام ربانی صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ دہلی)

بزرگان سلف کے مذکورہ بالا حالات و ارشادات سے ظاہر ہے۔ کہ قرآنی آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں اور متبعین پر نازل ہونا ممنوع نہیں۔ بلکہ جائز ہے ؛

شق ثانی کا جواب

شق ثانی کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ مراتب روحانیہ جو قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص قرار دئیے گئے ہیں۔ ان کے مصداق بطریق وراثت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین بھی قرار دئے جا سکتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مراتب کے حقیقی اور بالاصالہ مصداق ہیں۔ مگر حضورؐ کے کامل متبعین ظلّی طور پر۔ جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔" طفیلی ہر چند جلیس و ہم لقمہ است اما طفیلی طفیلی است" (مکتوبات امام ربانی جلد سوئم مکتوب ۱۲۲) یعنی طفیلی اگرچہ اپنے اصل کے ساتھ ہم لقمہ و ہم جلیس ہوتا ہے۔ مگر دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ وہ اصل ہے اور یہ طفیلی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ حصہ سوئم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیئے۔ کہ کیونکر ایک ادنیٰ اُمتی آں رسول مقبولؐ کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے۔ کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات قدسیہ میں شریک مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو۔ کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ ہمیشہ اس رسولِ مقبولؐ کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال رحمت اور حکمت سے انتظام کر رکھا ہے۔ کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی

اور تذلل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار
کرتے ہیں۔ اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے
نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں۔ خدا اُن کو فانی اور ایک مصفا
شیشے کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود
کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ انکی تعریف
کی جاتی ہے۔ یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور
پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور
مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی
اور کامل طور پر وہ تعریفیں اُسی کے لائق ہوتی ہیں۔ اور وہی ان کا
مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا
اپنے غایت اتباع کی جہت سے اس شخص نورانی کے لئے کہ جو
وجود باجود حضرت نبوی ہے۔ مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے۔ اس
لئے جو اُس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہوں۔
اُس کے اِس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سایہ
میں اُس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا جو اس کے اصل میں
ہے۔ ایک ایسا امر ہے۔ جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہاں سایہ
اپنی ذات میں قائم نہیں۔ اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں
موجود نہیں۔ بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے۔ وہ اس کے شخص اصلی
کی ایک تصویر ہے۔ جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے۔ پس
لازم ہے۔ کہ آپ یا کوئی دوسرے صاحب اس بات کو حالتِ
نقصان خیال نہ کریں۔ کہ کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے

انوار باطنی ان کی اُمت کے کامل متبعین کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس انعکاس انوار سے کہ جو بطریق افاضۂ دائمی نفوس صافیہ اُمت محمدیہ پر ہوتا ہے۔ دو بزرگ امر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بدرجۂ غایت کمالیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔ اور ہمیشہ روشن ہوتا ہے۔ وہ ایسے چراغ سے بہتر ہے۔ جس سے دوسرا چراغ روشن نہ ہو سکے۔ دوسرے اس اُمت کی کمالیت اور دوسری امتوں پر اس کی فضیلت اس افاضۂ دائمی سے ثابت ہوتی ہے۔ اور حقیت دین اسلام کا ثبوت ہمیشہ تر و تازہ ہوتا رہتا ہے۔ صرف یہی بات نہیں ہوتی۔ کہ گذشتہ زمانہ کا حوالہ دیا جائے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے۔ کہ جس سے قرآن کی حقانیت کے انوار آفتاب کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور دین اسلام کے مخالفوں پر حجت اسلام پوری ہو جاتی ہے۔"

سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ اور مقدس اور موجّہ کلام ہے۔ جس کا ہر لفظ اسلام اور نبی اسلام علیہ التحیہ والسلام کی محبت اور عشق میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ افسوس ان نادان معترضین پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کے ایک حصہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس کے دوسرے حصہ پر غور نہیں کرتے۔ جس میں ان کے اعتراضات کا نہایت معقول اور مدلل جواب موجود ہوتا ہے۔ آپ نے مذکورہ بالا سطور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محامد اور صفات میں حضور کے کامل متبعین

کے ظلّی طور پر شریک ہونے کی جو لطیف تفسیر فرمائی ہے۔ اس کی پہلے بزرگوں اور صوفیاء کرام کے مندرجہ ذیل اقوال سے تائید ہوتی ہے :۔

۱۔ شیخ عبد الرزاق کاشانی شرح فصوص الحکم صفحہ ۵۳ میں فرماتے ہیں۔

"فَلَہُ المَقَامُ المَحمُودُ" یعنی مہدی کے لئے مقام محمود ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں مقام محمود آنحضرتؐ کے لئے مخصوص بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹ میں فرمایا۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

۲۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں :۔

"وَھُوَ المَقَامُ المَحمُودُ الَّذِی لَا یُشَارِکُہٗ فِیہِ لَہٗ مِنَ الاَنبِیَاءِ وَالرُّسُلِ اِلَّا اَولِیَاءُ اُمَّتِہٖ"۔ (ہدیہ مجددیہ صفحہ)

یعنی مقام محمود میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دیگر انبیاء اور رسولوں میں سے کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ سوائے حضورؐ کی امت کے اولیاء کے :۔

۳۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

"از ہیں حضیض دنا دست چو بگذری شاید
کنادنی فتدلّی صعود خود بینی" (دیوان معین صفحہ)

مثیل انبیاء ہونے کے دعوٰی پر اعتراض

جناب محقق صاحب نے ساتواں اعتراض "مرزا صاحب کی جامعیت" کے عنوان کے ذیل میں یہ کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے تمام انبیاء کے مظہر و مثیل ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ اور اُن کے نام اپنی طرف منسوب کر کے لکھا ہے۔ کہ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں وغیرہ۔

مثیل انبیاء ہونے کی تشریح

اس اعتراض کے جواب میں ہم سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عبارت درج کرتے ہیں۔ جس میں آپ نے اپنے مظہر انبیاء اور جری اللہ فی حلل الانبیاء ہونے کی تشریح فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔

"اس وحی الہٰی کا مطلب یہ ہے۔ کہ آدم سے لیکر اخیر تک جس قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ خواہ وہ اسرائیلی ہیں۔ یا غیر اسرائیلی۔ ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ اور ایک نبی بھی ایسا نہیں گذرا۔ جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو حصہ نہیں دیا گیا۔ . . . .
اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا۔ اس زمانے کے اکثر لوگ بھی اُن سے مشابہ ہیں۔ . . . . اور جو کچھ خدا تعالےٰ نے گذشتہ نبیوں کے ساتھ رنگا رنگ طریقوں میں نُصرت اور تائید کے معاملات کئے ہیں۔ ان معاملات کی نظیر بھی میرے ساتھ ظاہر کی گئی ہے۔ اور کی جائے گی"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۹ و ۹۰)

ہر نبی مثیل انبیاء ہوتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مظہر انبیاء یا مثیل انبیاء ہونے کی جو تشریح مذکورہ بالا سطور میں فرمائی ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ الْمُرْسَلِیْنَ۔ یعنی نوحؑ کی قوم نے تمام انبیاء کی تکذیب کی۔ اسی طرح فرمایا۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ الْمُرْسَلِیْنَ۔ یعنی لوطؑ کی قوم نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔ ان آیات میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی قوموں کیطرف تمام انبیاء کی تکذیب منسوب کی گئی ہے۔ حالانکہ حضرت نوحؑ کی قوم نے صرف حضرت نوحؑ کی اور حضرت لوطؑ کی قوم نے صرف حضرت لوطؑ کی تکذیب کی تھی۔ مگر باوجود اس کے پھر ان کی طرف تمام انبیاء کی تکذیب کا فعل منسوب کرنیکی وجہ یہ ہے۔ کہ ہر نبی دوسرے تمام انبیاء کا مظہر اور مثیل ہوتا ہے۔ اس لئے ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب کے مرادف سمجھی گئی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ اور بایزید بسطامیؒ کے اقوال سے تائید

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ :-

"انسان ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ وہ ہر رسول اور نبی اور صدیق کا وارث ہو جاتا ہے" (فتوح الغیب مقالہ ۴ صفحہ ۲۳)

اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ :-

"میں ابراہیم۔ موسیٰ۔ اور محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں"
(تذکرۃ الاولیاء در تذکرہ بایزید بسطامیؒ)

فصل دوئم کے سب اعتراضات کے جواب سے فارغ ہو کر اب ہم فصل سوئم کے عنوانات پر نظر کرتے ہیں ؎

فصل سوئم

اور اُس سے متعلقہ مضامین پر تنقید

حضرت اقدسؑ کے بعض اقوال کے خلاف اسلام ہونیکا اعتراض

(فصل سوئم و تتمہ فصل سوئم اور فصل چہارم و تتمہ فصل چہارم میں) جو امور بیان ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق جناب محقق برنی صاحب بالقابہ اپنی تالیف کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:-

"فصل سوئم میں مرزا صاحب کے انکشافات اور فصل چہارم میں ارشادات مشتے نمونہ از خروارے درج ہیں۔ یہ قادیانی صاحبان کا حصہ ہے۔ جو ان اعتبارات کو برداشت کرتے ہیں مسلمانوں کا تو ایمان کانپتا ہے۔ پناہ مانگتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک" (ص۱۵)

اور مقدمہ کے ص۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ناظرین خود انصاف فرمالیں۔ کہ یہ (قادیانی) مذہب قرآن و اسلام سے کس حد تک تعلق رکھتا ہے۔ اور اسکی حقیقت کیا ہے۔"

ذیل میں ہم وہ تمام اقتباسات برعایت اختصار پیش کرتے ہیں جنھیں محترم محقق صاحب نے قرآن و اسلام سے بے تعلق قرار دیا ہے۔ ناظرین انصاف فرمائیں۔ کہ ان میں کونسی بات ہے جس سے مسلمانوں کا ایمان کانپتا اور پناہ مانگتا ہے۔

تین ارشادات

فصل سوئم میں سب سے پہلے آنجناب نے حسب ذیل تین عنوانات قائم کئے ہیں۔ (۱) "شیطان کا کھیل"۔ (۲) "نیم ملا خطرۂ ایمان" (۳) "شیطانی الہام"۔ اور ان کے ذیل میں علی الترتیب آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۱۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱۔ اور ضرورۃ الامام صفحہ ۱۲ سے ایسے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل تین امور بیان کئے ہیں:۔

۱۔ جو شخص ایسا کلمہ منہ سے نکالے۔ جس کا کوئی اصل صحیح شرع میں نہ ہو۔ خواہ وہ ملہم ہو یا مجتہد۔ اس کے ساتھ شیطان کھیل رہا ہے ؂

۲۔ وہ ملہم جنہیں ابھی خدا تعالےٰ کی معرفت تامہ حاصل نہیں ہوئی اور جو تزکیہ نفس کے کمال کو نہیں پہنچے۔ اور ان کا تعلق باللہ کدورت اور خامی سے خالی نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے نفسانی جذبات بعض اوقات انکی خوابوں میں اپنا جوش دکھاتے ہیں۔ اور ان کی خوابیں اور الہامات شیطانی دخل سے کلیتًہ منزہ اور پاک نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض اوقات ان پر شیطانی الہام بھی ہو جاتا ہے ؂

۳۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مرد فرد نے بھی فرمایا ہے۔ کہ مجھے ایک دفعہ شیطانی الہام ہوا۔ مگر میں شیطان کے دھوکہ میں نہ آیا۔

شیطانی الہام اور بلعم کا واقعہ

سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ محقق صاحب کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشادات میں کون سی ایسی بات نظر آئی۔ جسے آپ نے قرآن و اسلام سے بے تعلق خیال کیا۔ کیا یہ درست نہیں۔ کہ جو شخص ایسا کلمہ بان

سے نکالے۔ جس کا کوئی اصل شرع میں نہ ہو۔ وہ خواہ ملہم و مجتہد ہی ہو۔ غلطی خوردہ ہوگا۔ پھر کیا یہ صحیح نہیں۔ کہ بعض اوقات اولیاء اللہ اور ایسے بزرگوں کو جنہوں نے منازل سلوک کے مراحل ابھی کامل طور پر طے نہیں کئے ہوتے۔ بطور آزمائش شیطانی الہام بھی ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے اس آزمائش میں پورے اترتے۔ اور بعض ناکام رہتے ہیں۔ اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی مثالیں بلعم اور حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگیوں کے حالات و واقعات سے مل سکتی ہیں۔ چنانچہ اول الذکر کے متعلق قرآن مجید میں سورہ اعراف رکوع ۲۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ٥ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ؕ یعنی پڑھ کر سنا تو انہیں اس شخص کا قصہ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں۔ پس وہ ان میں سے نکل گیا۔ اور اس کے پیچھے شیطان لگ گیا۔ اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے۔ تو ان آیات کے ذریعہ اسے بلند مقام پر پہنچاتے۔ لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی۔

امام فخر الدین رازیؒ کا ارشاد اس آیت میں صاف طور پر مذکور ہے۔ کہ شیطان نے ایک ایسے شخص کو جس پر خدا تعالےٰ کی آیات نازل ہوتی تھیں۔ گمراہ کر دیا۔ امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۵ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اَلْمَقْصُوْدُ مِنْهُ بَيَانُ اَنَّ مَنْ اُوْتِيَ الْهُدٰى فَانْسَلَخَ مِنْهُ اِلَى الضَّلَالِ وَالْهَوٰى وَالْعَمٰى وَمَالَ اِلَى الدُّنْيَا حَتّٰى

تَلَاعَبَ بِهِ الشَّیْطَانُ کَانَ مُنْتَهَاہُ اِلَی الْبَوَارِ وَالرَّدٰی وَخَابَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی . . . .
وَھٰذِہٖ الْاٰیَۃُ مِنْ اَشَدِّ الْاٰیَاتِ عَلٰی اَصْحَابِ الْعِلْمِ وَذَالِکَ لِاَنَّہٗ تَعَالٰی بَعْدَ اَنْ خَصَّ ھٰذَا الرَّجُلَ بِاٰیَاتِہٖ وَبَیِّنَاتِہٖ وَعَلَّمَہُ الْاِسْمَ الْاَعْظَمَ وَخَصَّہٗ بِالدَّعْوَاتِ الْمُسْتَجَابَۃِ لَمَّا اتَّبَعَ الْھَوٰی اِنْسَلَخَ مِنَ الدِّیْنِ وَصَارَ فِی دَرَجَۃِ الْکَلْبِ ۔

یعنی مقصود اس قصہ سے یہ بیان کرنا ہے۔ کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ ہدایت دے۔ اور وہ اس سے نکل کر گمراہی۔ نفسانی خواہشات اور گوشہ چشمی کی طرف چلا جائے۔ اور دنیا کی طرف مائل ہو جائے۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ شیطان کھیلنے لگے۔ تو وہ بالآخر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہتا ہے۔ . . . . . . اور یہ آیت اہل علم کے حق میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اپنی آیات و بینات کے ساتھ مخصوص کیا۔ اور اسے اسم اعظم سکھایا۔ اور اس کی دعاؤں کو قبولیت کے ساتھ خاص کیا۔ لیکن جب اس نے خواہش نفسانی کی پیروی کی۔ تو دین الٰہی سے نکل گیا۔ اور کتے کے مقام میں پہنچ گیا۔

عبارت مذکورہ بالا میں جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ امام رازیؒ نے ایسے شخص کے حق میں جو مجتہد اور مقرب بارگاہ ہو کر ایسے فعل کا مرتکب ہو۔ جو الٰہی منشاء اور تعلیم کے خلاف ہو۔ بعینہ وہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جو ایسے شخص کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۲ میں استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی یہ کہ :۔

”اس کے ساتھ شیطان کھیل رہا ہے“

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر شیطانی الہام

ان اولیاء اللہ میں سے جو شیطان کے مقابل پر غالب رہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ عنہ ہیں۔ "قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں آپ کا حسب ذیل ارشاد درج ہے۔

"میں بعض سیاحتوں میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ اور وہاں چند یوم ٹھہرا۔ مجھے پانی نہ ملا اور سخت پیاس لگی۔ ایک بادل نے مجھ پر سایہ کر دیا۔ اور اس میں سے مجھ پر ایسی چیز اتری۔ جو تری کے مشابہ تھی۔ میں اس سے سیراب ہو گیا۔ پھر میں نے ایک نور دیکھا جس سے افق روشن ہو گیا۔ اور ایک شکل بھی ظاہر ہوئی۔ اور اس میں سے مجھے آواز آئی۔ جس نے کہا۔ اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں۔ اور میں نے تیرے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔ یا یہ کہا۔ کہ تمام وہ چیزیں جو دوسروں پر حرام ہیں۔ تجھ پر حلال کر دیں۔ میں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر کہا۔ اے ملعون دور ہو۔ اس پر فوراً وہ نور مبدل بہ ظلمت ہو گیا۔ اور وہ صورت دھوئیں کی شکل میں بدل گئی۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ اے عبدالقادر تو مجھ سے اپنے علم اور رب کے حکم اور اپنی سمجھ کی برکت سے بچ گیا ہے۔ ورنہ میں نے اس طریق پر ستر سالکوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس پر میں نے کہا۔ یہ میرے رب کا فضل اور احسان ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا۔ کہ وہ شیطان ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ اس کے یہ کہنے سے کہ میں نے تیرے لئے حرام چیزوں کو حلال

کر دیا۔ میں نے جان لیا۔ کہ خدا گندی باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ یہ ضرور شیطان کا قول ہے"

حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے بھی ایک دفعہ شیطانی الہام ہوا تھا۔ وہاں حضور کے اس ارشاد کی تائید بھی ہوتی ہے۔ کہ جو لوگ معرفت کے اس انتہائی مقام پر نہیں پہنچے ہوتے جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان پر بعض دفعہ شیطانی الہام بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جو ان میں سے حضرت سید عبد القادر رضی اللہ عنہ جیسی فطرت رکھتے ہیں۔ وہ شیطان کے دھوکہ میں نہیں آتے۔ اور جو بلعمی فطرت رکھتے ہیں۔ وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں:

امام ابن تیمیہ کا ارشاد

حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

آپ اپنی کتاب "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان" مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۷ و ۲۸ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" اور ولی اللہ کے لئے یہ شرط نہیں۔ کہ وہ معصوم ہو۔ اور اس کو غلطی اور خطا سرزد نہ ہو۔ بلکہ جائز ہے۔ کہ اس پر بعض علم شریعت مخفی رہے۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ اُس پر بعض امور دین مشتبہ رہیں۔ حتیٰ کہ وہ بعض اوامر الٰہی کو نواہی سمجھ لے۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ وہ بعض خوارق کو اولیاء اللہ کی کرامات سے خیال کرے۔ حالانکہ وہ شیطان کی طرف سے ہوں۔ جیسے شیطان نے اُن کو

مشتبہ کر دیا ہو۔ تاکہ اس کے مقام سے اسے گرا دے۔ . .
. . . . پس جب ولی اللہ بھی غلطی کر سکتا ہے۔
تو لوگوں پر واجب نہ ہوا۔ کہ وہ تمام ان باتوں پر ایمان لائیں۔ جو ولی اللہ کہے۔ مگر یہ کہ وہ نبی ہو۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کسی ولی اللہ کے لئے جائز نہیں۔ کہ وہ اعتماد کرے تمام ان امور پر جو اس پر القا ہوں۔ مگر یہ کہ وہ موافق ہوں (شریعت کے)۔ اور نہ اُسے اعتماد کرنا چاہیئے اس پر جسے وہ الہام اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سمجھتا ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے۔ کہ ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر پیش کر کے دیکھے۔ اگر اس کے موافق ہوں۔ تو مان لے۔ اور اگر مخالف ہوں۔ تو نہ مانے۔" (ترجمہ از عبارت عربیہ)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا ارشاد

اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المیزان الکبریٰ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:—
"کشف دیکھنے والے کے کشف میں بعض دفعہ تلبیس ابلیس کا دخل بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ امام غزالیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو طاقت دی ہے۔ کہ وہ کشف دیکھنے والے کے سامنے اس محل کی سی صورت کھڑی کر دے جس سے وہ اپنا علم لیتا ہے۔ یعنی آسمان یا عرش یا کرسی یا قلم یا لوح پس ایسا اوقات کشف دیکھنے والا گمان کر بیٹھتا ہے۔ کہ یہ علم (جو اسے شیطان نے دھوکہ دیکر دیا ہے) خدا کی طرف

سے ہے۔ پس وہ اس پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے اس وجہ سے کشف دیکھنے والے پر واجب ہے۔ کہ وہ اس علم کو جو بذریعہ کشف ظاہر ہو۔ اس پر عمل سے قبل کتاب و سنت پر پیش کرے۔ اگر وہ ان کے مطابق ہو۔ تو بہتر۔ ورنہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔" (ترجمہ از عبارت عربیہ)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیطانی اور رحمانی الہام کی جو تشریح بیان فرمائی ہے۔ وہ قرآن و اسلام کے عین مطابق ہے۔ اور بزرگان سلف میں سے حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ جیسے اہل اللہ اور صاحب کشف و الہام اور حضرت امام ابن تیمیہ اور امام عبد الوہاب شعرانی رحمہما اللہ تعالے جیسے متکلمین اور واقفان شریعت نے اس کی حرف بحرف تصدیق کی ہے۔ لیکن جناب محقق برقی صاحب چشتی قادری فاروقی کی شان محققانہ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ آپ نے کس مجتہدانہ انداز سے ان تمام باتوں کو جو تعلیم اسلام کے مطابق ہیں۔ بیک جنبش قلم خارج از اسلام قرار دیدیا ہے۔

شیطانی وسوسہ جناب محقق صاحب نے تتمہ فصل سوئم میں "شیطانی الہام" کے عنوان کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات بھی درج کئے ہیں۔ اور جیسا کہ عنوان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ آپ کے نزدیک وہ شیطانی ہیں۔ لہٰذا اس جگہ اس شیطانی وسوسہ کا ازالہ بھی ضروری ہے۔

اندھا دھند نقل کے برکات افسوس ہے۔ آپنے ان الہامات

کو شیطانی قرار دینے کی عظیم الشان گستاخی کا ارتکاب کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت نہیں کی۔ کہ ان میں کون سی بات تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ پھر بعض الہامات کے الفاظ نامکمل اور غلط درج کئے ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ چونکہ آپ نے خود تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ مخالفین کی کتابوں میں لکھا پایا۔ اُسے ہی نقل کرنے پر اکتفا کی ہے۔ اس لئے جو الفاظ ان کتابوں میں غلط چھپے ہوئے تھے۔ وہ آپ نے بھی غلط ہی درج کر دئے۔ اور اس پر ایک اور ستم یہ کیا۔ کہ ان غلط الفاظ کے جو معنی مخالفین نے کئے تھے۔ وہی آپ نے بھی نقل کر دئے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر فروگذاشت آپ نے یہ کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے اُن معانی و تشریحات کو چھوڑ کر جو حضور نے خود بیان فرمائی ہیں۔ اپنی طرف سے ان کے معانی و تشریحات بیان کی ہیں۔ حالانکہ خود ملہم سے بڑھ کر اس کے الہام کی حقیقت کوئی دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس کی اپنی بیان کردہ تشریح و معنی کے خلاف کوئی تشریح و معنی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

غثم غثم غثم پر بحث

سب سے پہلا الہام جو آپ نے درج کیا ہے۔ وہ غثم غثم غثم ہے۔ لیکن یہ الہام غثم غثم غثم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی الہام نہیں۔ الہام کے اصل الفاظ غُثِمَ۔ غُثِمَ۔ غُثِمَ لَهٗ دُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ دُفْعَةً وَّاحِدَةً ہیں۔ اور اس کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔ "دیا گیا اس کو مال اس کا اچانک۔"

(البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۵ بحوالہ الحکم جلد ۲ نمبر ۲۶ و ۲۷ صفحہ ۱۴)

غُثِمَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اور عربی زبان میں غثم کے معنی

اچانک اور یکدم مال دینے کے ہیں۔ (صحاح جوہری و تاج العروس)

الہام غُثِمَ ۔ غُثِمَ ۔ غُثِمَ لَہٗ کے الفاظ میں ایک بات کو تین مرتبہ بطور تاکید بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر الہاماً اس کے یہ معنے بطور تفسیر بتائے گئے۔ دُفِعَ اِلَیْہِ مِنْ مَالِہٖ دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً یعنی اس کو اس کا مال اچانک دیا گیا۔ گویا اس الہام کا ایک حصہ اُسکے دوسرے حصہ کی تشریح اور تفسیر ہے۔ قرآن مجید کے متعلق بھی آیا ہے۔ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ یعنی اس کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر بیان کرتا ہے اور جس طرح قرآن مجید میں بہت سی ایسی پیشگوئیاں ہیں۔ جو مختلف زمانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کی اصل حقیقت ان کے ظہور کے وقت کھلتی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں بھی کسی آئندہ ہونے والے واقعہ کی پیشگوئی بیان ہوئی ہے۔ جس کی حقیقت اس کے وقت ظہور پر کھلیگی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام ہر اعتبار سے قرآن مجید کے مطابق ہے۔

دوسرے۔ تیسرے۔ چوتھے اور پانچویں نمبر پر دیانتدار و فاضل محقق صاحب نے حسب ذیل الہامات درج کئے ہیں۔

(۱) "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ۔ تو میرے بیٹے کے برابر ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۸۶)

(۲) اِسْمَعْ وَلَدِیْ۔ سُن بیٹا۔ (البشریٰ جلد ۱ ص۴۹)

(۳) اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں (حقیقۃ الوحی ص۷۴)

(۴) اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَھُمْ مِنْ فَشَلٍ یعنی اے مرزا تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے۔ اور دوسرے لوگ خشکی (مٹی) سے۔ (اربعین نمبر ۲ ص۳۹)"

اِسْمَعْ وَلَدِیْ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام نہیں ہے

مذکورہ بالا چار الہامات میں سے الہام نمبر ۲ یعنی اِسْمَعْ وَلَدِیْ جس کے معنی ہیں: "سُن بیٹا" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی الہام نہیں۔ اور نہ "البشریٰ" جس کے حوالہ سے یہ الہام درج کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی کتاب ہے ؛

اصل واقعہ

واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ کتاب ایک صاحب بابو محمد منظور الٰہی صاحب نے تالیف کی ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور کشوف حضورؑ کی مختلف کتابوں اور تحریرات سے جمع کئے ہیں۔ اور اس میں ایک الہام جس کے اصل الفاظ اَسْمَعُ وَ اَرٰی ہیں۔ غلطی سے اِسْمَعْ وَلَدِیْ چھپ گیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ بابو صاحب موصوف نے "البشریٰ" میں اس الہام کو بحوالہ "مکتوبات احمدیہ جلد اول صـ۱۲۳" درج کیا ہے۔ اور مکتوبات احمدیہ میں صحیح الہام اَسْمَعُ وَاَرٰی ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ "میں (خدا) سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں"۔ اور بابو محمد منظور الٰہی صاحب نے خود بھی اپنی تالیف کی اس غلطی کا اخبار الفضل جلد ۹ نمبر ۹۶ میں اعلان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"البشریٰ جلد اول صـ۴۹ سطر ۱۰ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے اَسْمَعُ وَاَرٰی کی بجائے اِسْمَعْ وَلَدِیْ چھپا ہے۔ اور ترجمہ بھی "اے میرے بیٹے سن" غلط کیا گیا ہے۔

. . . . . حوالہ مندرجہ "البشریٰ" اصل کیساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہُوا۔ کہ اصل الہام اَسْمَعُ وَاَرٰی ہے۔ جن احباب

کے پاس "البشریٰ" ہو۔ وہ اس غلطی کی اصلاح کر لیں"۔

ناظرین! ان حالات پر نظر کریں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالفین کی حالت پر غور فرمائیں۔ کہ یہ لوگ کس قدر کمزور بنیادوں پر اپنے اعتراضات کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ اگر کتابت کی غلطیوں پر اعتراضات کی بنیاد رکھنے کا نام "علمی تحقیقات" ہے۔ تو پھر جہالت اور نامعقولیت کس چیز کا نام ہے؟

محقق صاحب کی انتہائی ہٹ دھرمی

شرافت انسانیت کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ جب انسان کو کسی غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ تو اُسے تسلیم کر کے اس کی اصلاح کرے۔ مگر ہمیں محقق برنی صاحب پروفیسر معاشیات کی حالت پر رحم آتا ہے۔ کہ آپ باوجود جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہونے کے تعصب سے اس قدر اندھے ہو رہے ہیں۔ کہ غلطی کی اصلاح کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا۔ کہ یہ الہام جس پر آپ نے اعتراض کیا ہے۔ "البشریٰ" میں غلط چھپ گیا ہے۔ اور اصل کتاب میں یوں نہیں۔ تو آپ اس پر اصرار کرنے بیٹھ گئے۔ اور اپنے رسالہ "قادیانی حساب" صفحہ ۲۰ میں یہ ثابت کرنے کے درپے ہو گئے۔ کہ "البشریٰ" میں یہ الہام صحیح درج ہوا ہے۔ اور اصل کتاب میں جس سے "البشریٰ" میں نقل ہوا ہے۔ غلط ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب "البشریٰ" کا مصنف خود اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہے۔ تو آپ کون ہیں۔ جو اسے صحیح قرار دیں۔ کیا یہ ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہا نہیں؟

ہمیں آنجناب محقق برنی صاحب بالقابہ کے اس بے جا اصرار پر ایک پادری صاحب کا واقعہ یاد آ گیا۔ جن کے متعلق مشہور ہے۔ کہ انہوں نے

قرآن مجید کے بہت سے نسخے جو مختلف مطابع کے چھپے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کتابت کی غلطی تھی۔ اپنے ساتھ رکھ لیے۔ اور جہاں جاتے وہاں قرآن مجید کے محرف و مبدّل ہونے پر لیکچر دیتے۔ اور جب ثبوت مانگا جاتا۔ تو یہ سب نسخے سامنے رکھکر ان میں سے جس نسخہ میں کوئی آیت غلط چھپی ہوئی ہوتی۔ اسے نکال کر دوسرے نسخوں سے جن میں وہ آیت صحیح چھپی ہوئی ہوتی۔ مقابلہ کرتے۔ اور مقابلہ کرنے سے ان میں جو باہمی فرق ہوتا۔ اسے قرآن مجید کے محرف ہونے کی زبردست دلیل گردانتے۔ اور جب آپ سے یہ کہا جاتا کہ یہ تو محض کتابت کی غلطی ہے۔ تو اپنی بات پر اصرار کرتے۔ اور کہتے۔ کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے محرف ہونے کا ثبوت ہے۔

ہمارے نزدیک محقق برنی صاحب تو اب اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جس پر پہنچ کر انسان اپنی بات کی پچ میں عقل و خرد بلکہ شرم و حیا کو بھی جواب دے بیٹھتا ہے۔ اس لئے آپ سے یہ عرض کرنا تو بالکل فضول اور بے محل ہے۔ کہ آپ اپنی حالت پر غور کریں۔ اور سوچیں۔ کہ کیا آپ مذکورہ بالا پادری صاحب کے نقش قدم پر تو نہیں چل رہے ہیں۔ لیکن کیا ہم ان اصحاب سے جو واقعات کو میزانِ عدل میں وزن کرنے کے عادی ہیں۔ یہ توقع رکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ غور کریں گے۔ کہ محقق صاحب بالقابہ کا یہ رویّہ انصاف سے کہاں تک تعلق رکھتا ہے۔

انتہائی خبث باطن اور جہالت

حقیقۃ الوحی اور اربعین کے حوالوں سے جو الہامات درج کئے گئے ہیں وہ لفظاً صحیح ہیں۔ مگر ان میں سے چوتھے الہام یعنی اَنْتَ مِنْ مَّاءِنَا وَهُمْ مِّنْ فَشَلٍ کے معنے کرتے ہوئے ماءنا (ہمارے پانی) کے

الفاظ سے نطفہ مراد لینے میں انتہائی خبث باطن اور فشل (بزدلی) کا خشکی یا مٹی ترجمہ کرنے میں انتہائی جہالت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ کیونکہ فشل کے معنی کسی لغت کی کتاب میں خشکی یا مٹی کے نہیں ۔

نقل را عقل باید

در اصل جیسا کہ بارہا عرض کیا جا چکا ہے جناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور ان کے تراجم حضور کے مخالف مولویوں کی کتابوں سے نقل کئے ہیں۔ اس لئے ان کتابوں میں کسی الہام کے الفاظ یا اس کے ترجمہ میں جو غلطی تھی۔ وہ بعینہٖ بغیر کسی قسم کی کمی و بیشی کے جناب محقق صاحب کی "علمی تحقیقات" میں بھی منتقل ہو گئی۔ اگر آپ "نقل را عقل باید" کے حکیمانہ مقولہ پر عمل کرتے۔ تو آپ کی "علمی تحقیقات" کی اس قدر پردہ دری نہ ہوتی۔ اور نہ آپ کی اندھا دھند نقل کا بھانڈا قدم قدم پر یوں بری طرح پھوٹتا۔

الہام انت من مائنا وھم من فشل کا صحیح مطلب

ذیل میں اس عربی الہام کی جو تشریح خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔ درج کی جاتی ہے۔ حضور اپنی کتاب انجام آتھم صفحہ ۵۶ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی سے ہے۔ اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقویٰ کا پانی۔ وفا کا پانی۔ صدق کا پانی۔ حب اللہ کا پانی ہے۔ جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں۔ جو شیطان سے آتی ہے۔ اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بزدلی اور نامردی ہے۔"

اس الہام کے معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا تحریر

نہایت واضح ہے۔ مگر باوجود اس کے مغالطہ دہی سے کام لے کر آپ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کے لئے اس کے کوئی اور معنے کرنا کسی شریر ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

الہام اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ کی تشریح

الہام نمبر ۱ یعنی اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ۔ کے معنی بھی خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حسب ذیل تحریر فرمائے ہیں :۔

"خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں۔ کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کلمۂ کفر ہے۔ اور خدا بیٹوں سے پاک ہے۔ بلکہ اس لئے کہ استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ کہ بچہ کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ یعنی خدا کو ایسی محبت اور دلی جوش سے یاد کرو۔ کہ جیسے بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بنا پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں آب یا پتا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے۔ اور خدا کو استعارہ کے رنگ میں ماں سے بھی ایک مشابہت ہے۔ اور وہ یہ کہ جیسے ماں اپنے پیٹ میں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے پیارے بندے خدا کی محبت کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ اور ایک گندی فطرت سے ایک پاک جسم انہیں ملتا ہے۔ سو اولیاء کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں یہ صرف

ایک استعارہ ہے۔ ورنہ خدا اطفال سے پاک اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۳)

اس قدر وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص ازراہ شرارت اس الہام پر اعتراض کرے۔ تو اس سے اسکی اپنی گندی فطرت کا اظہار ہوگا۔

اولیاء اللہ پر اطفال حق کا اطلاق

اس امر کا ثبوت کہ صوفی اولیاء اللہ کو اطفال حق کہہ کر پکارتے ہیں۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا حسب ذیل ارشاد ہے۔

اولیاء اطفال حق اند اے پسر — در حضور و غیبت آنرا باخبر

غائبے منداش از نقصان شاں — کو کشد کیں از برائے جان شاں

گفت اطفال من اند ایں اولیاء — در غریبی فرد از کار و کیا

(مثنوی دفتر سوم ص۱۱)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے بھی فتح ربانی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۰ میں مندرجہ ذیل حدیث سے مخلوق الہٰی کے بطور استعارہ خدا کا عیال ہونے کا استدلال کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔

(مشکوٰۃ باب الشفقۃ)

یعنے مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالےٰ کے عیال سے نیک سلوک کرتا ہے۔ وہ اس کا سب سے پیارا بندہ ہے۔

الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کے معنے

الہام نمبر ۳ یعنی اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کی تشریح بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں درج کیجاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"اس کا پہلا حصہ (اَنْتَ مِنِّیْ) تو بالکل صاف ہے۔ کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے۔ اور جس انسان کو خدا تعالےٰ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے۔ اس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کرکے بھیجتا ہے۔ جیسے حکام کا بھی یہی دستور اور قاعدہ ہے۔ اور اس الہام میں جو خدا تعالےٰ فرماتا ہے اَنَا مِنْکَ۔ اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے۔ کہ میری توحید اور میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا" (اخبار الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰)

محقق صاحب محترم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام حقیقۃ الوحی ص۸۴ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اگر آپکو بذات خود حقیقۃ الوحی دیکھنے کا اتفاق ہوتا۔ تو آپ کو اس کا صحیح ترجمہ بھی وہیں نظر آجاتا۔ جو یہ ہے۔ تو مجھ سے ظاہر ہوا اور میں تجھ سے"

الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ اور عربی محاورہ

پھر اگر آپ کو عربی زبان سے ذرا بھی واقفیت ہوتی۔ تب بھی آپ اس الہام کے الفاظ کو قابلِ اعتراض نہ ٹھہراتے۔ کیونکہ یہ جملہ عربی زبان میں باہمی تعلق کے اظہار کے لئے بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت طالوت کے متعلق آتا ہے۔ کہ جب وہ اپنے لشکر کو مخالفین کے مقابلہ کے لئے لے جارہے تھے اور راستہ میں ایک نہر آئی۔ تو انہوں نے اپنے لشکر کو مخاطب کرکے فرمایا فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ (سورہ بقرہ ع ۳۳) یعنی جو اس نہر سے پیئے گا۔ وہ مجھ سے نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا۔ وہ مجھ سے ہے۔ اس آیت میں "وہ مجھ سے ہے" کے معنے

سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ کہ اس کا مجھ سے تعلق ہے مفسرین نے اس کے یہی معنے کئے ہیں ؎

حدیث میں بھی یہ محاورہ بہت عام استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ" اور اس جگہ بھی اس کے معنی گہرے تعلق کے ہیں ؎

اسی طرح عربی زبان کا ایک مشہور شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

فَإِنْ كُنْتِ مِنِّيْ أَوْ تُرِيْدِيْنَ صُحْبَتِيْ
فَكُوْنِيْ لَهٗ كَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الْأَدَمُ

یعنی اگر تو مجھ سے ہے۔ یا میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ تو تو میری گزشتہ بیوی کے بیٹے کے ساتھ پوری مطابقت اور صلح کے ساتھ رہ ؎

اس شعر میں شاعر کا مطلب اپنی بیوی کو مخاطب کرکے یہ کہنے سے کہ "اگر تو مجھ سے ہے" سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ اگر تو مجھ سے تعلق رکھنا چاہتی ہے ؎

مذکورہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے۔ کہ "اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ" کا مفہوم لغت عرب اور محاورہ کی رو سے قابل اعتراض نہیں۔ اور جناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے اپنے ذہن میں جو نتیجہ نکالا ہے۔ اور جس کی بناء پر آپ نے اسے قرآن مجید اور اسلام کی تعلیم کے خلاف سمجھ کر اعتراض کیا ہے۔ وہ درست نہیں ؎

آنجناب نے چھٹے نمبر پر	الہام یَحْمَدُكَ اللّٰهُ مِنْ عَرْشِهٖ پر بحث

بحوالہ انجام آتھم صفحہ ۵۵ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ وَ یَمْشِیْ اِلَیْکَ (خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چل کر آتا ہے) درج کیا ہے۔ اس الہام کے دو فقرے ہیں۔ اوّل "خدا تیری تعریف کرتا ہے"۔ دوسرا "خدا تیری طرف چلکر آتا ہے۔" اور یہ دونوں قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کے مطابق ہیں ؛

پہلے فقرہ کے مطابق اسلام ہونے کا ثبوت

پہلا اس لئے کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی تعریف سے پُر ہے۔ جا بجا انبیاء۔ اولیاء اور صلحاء کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں۔ جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (ہود ع) نیز فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (مریم ع)

اور حضرت اسمٰعیل۔ ادریس۔ اور ذوالکفل علیہم السلام کے متعلق فرمایا۔ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (انبیاء ع ۶)

اسی سنت انبیاء علیہم السلام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا۔ کہ ہم تیری تعریف کرتے ہیں ؛

دوسرے فقرہ کے مطابق اسلام ہونے کا ثبوت

دوسرا فقرہ یعنی یہ کہ "خدا تیری طرف چل کر آتا ہے" خدا تعالےٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے۔ جو حدیث قدسی میں بایں الفاظ وارد ہے۔ اِذَا تَقَرَّبَ عَبْدِیْ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَ اِذَا تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ

بَاعًا اَوْ بَوْعًا وَ اِذَا اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً (مسلم جلد۲ باب فضل الذکر والدعا والتقرب الی اللہ تعالیٰ)

یعنی جب کوئی مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے۔ میں اُس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ مجھ سے ایک گز قریب ہوتا ہے۔ میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کی مقدار کے مطابق نزدیک ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میرے پاس چل کر آئے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

اس حدیث سے ثابت ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے پاس دوڑ کر بھی آیا کرتا ہے۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کا یہ فقرہ کہ "خدا تیری طرف چل کر آتا ہے" تعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہو سکتا ؛

تولد فرزند گرامی ارجمند کی پیشگوئی

محقق برنی صاحب نے ساتویں نمبر پر بحوالہ اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسب ذیل الہام درج کیا ہے :-

" فرزند دلبند۔ گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ "

اس الہام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک عالی مرتبہ فرزند کے تولد ہونے کی بشارت دی ہے۔ اور یہ بشارت سنت انبیاء اور قرآن مجید کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام

کے پیدا ہونے کی قبل از وقت بشارتیں دی تھیں۔

نزول الٰہی سے مراد

اور چونکہ صالح اور نیک انسان دنیا میں خدا تعالیٰ کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس لئے الہام مذکورہ بالا میں جس فرزند کی پیدائش کی خبر دی گئی تھی۔ اسے خدا تعالیٰ کے صفات کا کامل مظہر بنایا گیا ہے۔ اور کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ (گویا خدا آسمان سے اتر آئیگا) کے الفاظ سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کی پیدائش انوارِ سماویہ اور برکاتِ روحانیہ کے نزول کا موجب ہوگی۔ اللہ تعالےٰ کے اترنے کا محاورہ الہامی زبان میں عام ہے۔ اور اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-
"یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حَتّٰی یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ" یعنی ہمارا خدا ہر شب رات کے آخری ثلث میں سب سے قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں۔ کہ اس جگہ خدا کے نزول سے مراد اس کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہے۔ اور اس کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جس لڑکے کے پیدا ہونے کی اس میں خوشخبری دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے برکات اور رحمتوں کا نزول ہوگا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ تشریح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس الہام کا یہی مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
"مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَا کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ یَظْهَرُ

يَظْهُوْرِهٖ جَلَالُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۶)
یعنی وہ حق اور بندی کا مظہر ہوگا۔ اس کے ظہور سے خدائے ربّ العالمین
کا جلال ظاہر ہوگا۔

اور اسی اشتہار مورخہ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں جس کے حوالہ سے
محترم محقق صاحب نے اس الہام کو پیش کیا ہے۔ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:
"مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَا كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول
بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا"
یہ تشریح مدنظر رکھتے ہوئے۔ کیا کوئی صاحب علم و فہم حضرت مسیح موعود
کے اس الہام کو قرآن و اسلام کے مخالف قرار دے سکتا ہے؟

رودر گوپال کی حقیقت

جناب محقق برنی صاحب نے آٹھویں نمبر پر
بحوالہ تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۱۳۰ حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل الہام پیش کیا ہے:۔
"ہے رودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی گئی"
یہ الفاظ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک کشف کے
ہیں۔ جسے آپ نے تصوف کے مشہور و معروف مسئلہ "رجعت بروزی"
کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں اس عبارت کے ضروری
اقتباسات جس کے ضمن میں اس کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ درج کرتے ہیں
تا ناظرین کو حقیقت حال کا علم ہو۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔
"خدا تعالےٰ کے عجیب اسرار میں سے ایک بروز کا مسئلہ ہے۔
خدا کی مقدس کتابوں میں بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت
یہ پیشگوئیاں ہیں۔ کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئینگے۔ اور پھر وہ پیشگوئیاں

اس طرح پر پوری ہوئیں۔ کہ جب کوئی اور نبی دنیا میں آیا۔ تو اس وقت کے پیغمبر نے خبر دی۔ کہ یہ وہی نبی ہے۔ جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا۔ . . . . . مثلاً الیاس نبی کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا۔ اور ملاکی نبی نے اپنے صحیفہ میں خبر دی تھی۔ کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ الیاس جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا۔ وہ یوحنا یعنی یحییٰ ہے۔ جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ . . . . . .

ایسے ہی اقوال ہندوؤں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے گذشتہ اوتاروں کے ناموں پر آئندہ اوتاروں کی انتظار کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی آخری اوتار کو جس کو کلگی اوتار کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کرشن کا اوتار مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جیسا کہ کرشن کی صفات میں سے رو درگوپال ہے یعنی سوروں کو ہلاک کرنیوالا۔ اور گائیوں کو پالنے والا۔ ایسا ہی کلگی اوتار ہوگا۔ یہ کرشن کی صفات کی نسبت استعارہ ہے۔ کہ وہ درندوں کو ہلاک کرتا تھا۔ یعنی سوروں اور بھیڑیوں کو۔ اور گائیوں کو پالتا تھا۔ یعنی نیک آدمیوں کو۔ اور عجیب بات ہے۔ کہ مسلمان اور عیسائی بھی آنیوالے مسیح کی نسبت یہی صفات رو درگوپال کے جو کلگی اوتار کی صفت ہے قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ وہ سوروں کو قتل کریگا۔ اور بیل اس کے وقت قابل قدر ہوں گے[۱] . .

. . . . اور میں وہی مسیح اور مظہر صفات مذکورہ ہوں۔ اس لئے

[۱] در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۵

کشفی طور پر ایک مرتبہ مجھے ایک شخص دکھایا گیا۔ گویا وہ سنسکرت کا ایک عالم آدمی ہے۔ جو کرشن کا نہایت درجہ معتقد ہے۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہؤا۔ اور مجھے مخاطب کر کے بولا "ہے رودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے"۔ اس وقت میں نے سمجھا۔ کہ تمام دنیا ایک رودر گوپال کا انتظار کر رہی ہے۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان اور کیا عیسائی۔ مگر اپنے اپنے لفظوں اور زبانوں میں۔ اور سب نے بھی وقت ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی یہ دونوں صفتیں قائم کی ہیں۔ یعنی سوروں کو مارنے والا۔ اور گائیوں کی حفاظت کرنیوالا۔ اور وہ میرا ہی نام ہے"۔ (تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے کشف کی جو تشریح مذکورہ بالا سطور میں بیان کی ہے۔ اسے پڑھ کر بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور کا یہ کشف تعلیم اسلام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس میں رجعت بروزی کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جسے اہل تصوف ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اگر جناب محقق برنی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پروفیسر معاشیات باوجود چشتی۔ قادری۔ فاروقی ہونے کے اس سے ناواقف ہوں۔ تو اس میں کسی دوسرے کا کیا قصور ہو سکتا ہے ✣

الہام "پیٹ پھٹ گیا" میں پیشگوئی

آپ نے نویں اور دسویں نمبر پر علی الترتیب حضرت مسیح موعودؑ کے الہام "پیٹ پھٹ گیا" اور "ایک دم میں دم رخصت ہؤا" درج کئے ہیں۔

یہ دونوں الہام درحقیقت ایک پیشگوئی پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں ایک شخص کی وفات کی قبل از وقت اطلاع دیگئی تھی۔ اور ذریعہ موت بھی بتلایا گیا تھا۔ اور

یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو ۳۰۔ جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے کئی تاریخوں میں وحی الہٰی کے ذریعہ بتلایا گیا۔ کہ ایک شخص اس جماعت میں سے ایک دم میں دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اور پیٹ پھٹ جائیگا۔ اور شعبان کے مہینہ میں وہ فوت ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور مہاجر جو صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا۔ یک دفعہ ایک دم میں پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔"

حضرت مسیح موعود کا یہ الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کشف کے مطابق ہے۔ جس کے متعلق حضور فرماتے ہیں۔ "رَأَيْتُ فِي رُؤْيَایَ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ بَدْرٍ (بخاری کتاب المغازی)

یعنی میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں نے ایک تلوار ہلائی ہے۔ جو درمیان سے ٹوٹ گئی۔ اس سے مراد جنگ بدر میں صحابہ کی شہادت تھی۔

خلاصۂ بحث

ہماری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی الہام تعلیم اسلام اور قرآن کے مخالف نہیں۔ اور یہ جناب محقق صاحب کی محض ناواقفی ہے۔ کہ آپ نے حضور کے بعض الہامات کو قابل اعتراض ٹھہرایا۔ اور ہم ان کے متعلق ثابت کر آئے ہیں۔ کہ وہ قرآن و اسلام کے مطابق ہیں ؛

قرآن میں قادیان کا نام

فصل سوئم میں چوتھا عنوان "قرآن میں قادیان" ہے۔ اور اس کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۷۶ سے ایک اقتباس درج کیا گیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں :-

"کشفی طور پر میں نے دیکھا۔ کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ قَرِیْبًا مِّنَ الْقَادِیَان۔ تو میں نے سُن کر بہت تعجب کیا۔ کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے الخ"

کشف تعبیر طلب ہوتا ہے

اس حوالہ سے فاضل محقق صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ظاہر میں قادیان کا نام قرآن مجید میں لکھا ہوا مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک کشف ہے۔ اور کشوف ہمیشہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ اگر ان کو ظاہر پر محمول کر کے صاحب کشوف پر اعتراضات کی بنیاد قائم کی جائے۔ تو ایسے اعتراضات کی زد سے کوئی بزرگ بھی نہیں بچ سکتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کشف

مثال کے طور پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل کشف دیکھ لیا جائے۔ جو تذکرۃ الاولیاء میں حضرت امام موصوف رحؒ کے تذکرہ میں بایں الفاظ درج ہے۔ "ایک رات آپ کو خواب آیا۔ اس میں دیکھا۔ کہ آپ پیغمبر علیہ السلام کی ہڈیاں لحد سے نکال کر اکٹھی کر رہے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو چن رہے ہیں۔"

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین آپ کے مذکورہ بالا کشف کو ظاہر پر محمول کر کے آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔ مگر یہ ان کی پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ کیونکہ کشفی حالت میں انسان بعض ایسے امور دیکھتا ہے۔ جو کسی طرح بھی ظاہر پر محمول نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اس کشف کے جواز کی تاویل کرنے کے لئے علماء نے علم تعبیر رؤیا ہی کی پناہ لی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ تعبیر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زیر بحث کشف بھی تعبیر طلب ہے۔ اور اس کی تعبیر آپ نے اسی مقام پر جہاں سے محقق برنی صاحب نے اسے نقل کیا ہے۔ حسب ذیل کی ہے:۔

"اس الہامی فقرہ کو ان کی زبان سے قرآن شریف میں پڑھتے سُنا۔ اس میں ایک بھید مخفی ہے۔ جسکو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھول دیا۔ کہ ان کے نام سے کشف کی تعبیر کو بہت کچھ تعلق ہے۔ یعنی ان کے نام میں جو قادر کا لفظ آتا ہے۔ اس کو کشفی طور پر پیش کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ یہ قادر مطلق کا کام ہے۔ اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے عجائبات قدرت اسی طرح پر ہمیشہ ظہور فرما ہوتے ہیں۔ کہ وہ غریبوں اور حقیروں کو عزت بخشتا ہے۔ اور بڑے بڑے بلند مرتبہ لوگوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔" (ازالہ اوہام ص۷۷)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ (۱) کہ اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہامی فقرہ ہے۔ نہ کہ قرآن شریف

کی کوئی آیت۔ (۲) آپ کا یہ کشف مثل دیگر رؤیا وکشوف تعبیر طلب ہے (۳) آپ کو یہ دعویٰ ہرگز نہ تھا۔ کہ ظاہر طور پر قرآن مجید میں قادیان کا نام لکھا ہوا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی واضح تحریر علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی اسی کتاب ازالہ اوہام میں مذکورہ بالا کشف بیان کرنے سے قبل واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :-

"کسی کتاب حدیث یا قرآن شریف میں قادیان کا نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا"

اس عبارت سے نہایت صفائی سے فیصلہ کر دیا۔ کہ حضرت مسیح موعود زیر بحث کشف سے یہ مراد ہرگز نہیں لیتے تھے۔ کہ حقیقتہً قرآن مجید میں قادیان کا نام موجود ہے۔ پس جناب محقق صاحب کا یہ اعتراض جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح تحریرات کے خلاف ہے۔ وہاں علم تعبیر رؤیا کے بھی خلاف ہے۔

بشیر الدولہ کی پیشگوئی جناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۶۰ میں زیر عنوان "ربانی بشارت" پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل الفاظ بحوالہ نزول المسیح صفحہ ۸۹ و ۱۰۸ نقل کئے ہیں۔

"جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی تجلّی فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی"

"اگر کوئی کلام یقین کے مرتبہ سے کمتر ہو۔ تو وہ شیطانی کلام ہے۔ نہ ربّانی"

اور پھر حضور؄ کی مندرجہ ذیل پیشگوئی کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

"بشیر الدولہ۔ عالم کباب۔ شادی خاں۔ کلمۃ اللہ خاں۔ بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا۔ کہ میاں منظور محمدؐ صاحب کے ہاں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کے یہ نام ہوں گے۔ یہ نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے"

اس پیشگوئی کو نقل کرنے کے بعد آپ نے مؤلف "البشریٰ" کا حسب ذیل نوٹ درج کیا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔ گو حضرت اقدس نے اس کا وقوع محمدی بیگم کے ذریعہ سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہے۔ اس لئے اب تخصیص نہ رہی۔ بہرصورت یہ پیشگوئی متشابہات میں سے ہے"

ظاہر ہے۔ کہ کسی پیشگوئی یا الہام کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک وشبہ پیدا ہو جانا اور بات ہے۔ اور اس کے وقت ظہور سے قبل ملہم پر اس کی پوری حقیقت اور مصداق کا منکشف نہ ہونا امر دیگر۔ مگر محقق صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کے مذکورہ بالا استدلال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ ان دونوں امور کو ایک دوسرے کا مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ جو آپ کی علوم دین سے ناواقفیت کا ثبوت ہے ہم اس سے قبل اس کتاب کے صفحہ ۹۶ تا ۹۸ میں اس امر پر کافی بحث کر چکے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنے الہامات کے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے میں کوئی شک نہ تھا۔ اور صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۵ میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ملہم پر بعض اوقات پیشگوئی کے ظہور سے قبل اسکی حقیقت

اور مصداق مخفی رہتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعض واقعات بطور دلیل پیش کر چکے ہیں ناظرین یہ صفحات ملاحظہ فرمائیں :

بشیر الدولہ کی تعیین

بشیر الدولہ کی پیدائش کی پیشگوئی کے مصداق کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ پیشگوئی سب سے پہلے اخبار الحکم مورخہ ۲۴۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ مارچ ۱۹۰۶ء اور اخبار بدر مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔ ان سب میں اس کے مصداق کی تعیین وعدم تعیین کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسب ذیل فیصلہ کن ارشاد درج ہے۔

"۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا۔ کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور دریافت کرتے ہیں۔ کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی۔ اور یہ الہام ہوا۔

"بشیر الدولہ"

فرمایا (یعنی حضرت مسیح موعودؑ نے) کہ کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ منظور محمدؐ کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ منظور محمد کی تعیین کے بارہ میں آپ پر الہاماً کوئی انکشاف نہیں ہوا تھا۔ ہاں آپ نے اس کی تعبیر کرتے ہوئے قیاساً یہ فرمایا تھا۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔

کہ پیر منظور محمدؐ صاحب کے ہاں ان کی بیوی محمدی بیگم سے لڑکا پیدا ہوگا۔ مگر آپ نے یہ ضروری قرار نہیں دیا۔ کہ جس منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہونے کا آپ نے رؤیا دیکھا تھا۔ اس سے مراد پیر منظور محمدؐ صاحب ہی تھے۔

خواب میں بعض اوقات صفاتی نام مراد ہوتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اس سے پیر منظور محمدؐ صاحب مراد نہ تھے۔ تو اور کون تھا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خواب میں بعض اوقات خواب دیکھنے والے پر ایک شخص کا نام لیکر اس کے ساتھ کسی واقعہ کا تعلق ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے مراد اس کا مسمّٰی نہیں ہوتا۔ بلکہ کوئی دوسرا وجود مراد ہوتا ہے۔ حضرت امام ابن سیرینؒ جو علم تعبیر رؤیا میں اُستاد مانے گئے ہیں۔ اپنی کتاب "منتخب الکلام فی تعبیر الاحلام" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"خواب کی تعبیر بعض دفعہ نام کے لفظ سے اور بعض دفعہ اس کے معنوں سے کی جاتی ہے۔ . . . . مثلاً فضل نامی شخص خواب میں دیکھا جائے۔ تو اس کی تعبیر افضال الٰہی ہوگی۔ اور راشد نامی شخص دیکھا جائے۔ تو اس کی تعبیر رُشد کے معنوں کے اعتبار سے ہوگی۔ اور سالم نامی شخص دیکھا جائے۔ تو اس سے مراد سلامتی ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت آئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں۔ اور ہمارے پاس ابن طاب کی تازہ کھجوریں لائی گئی ہیں۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی۔ کہ ابن رافع سے مراد یہ ہے۔ کہ ہمیں دنیا و آخرت میں رفعت (بلندی) حاصل ہوگی۔

اور ابن طاب سے یہ کہ ہمارا دین طیب و مطہر ہے۔" (حاشیہ تطہیر الانام مطبوعہ مصر)

منظور محمدؐ سے حضرت مسیح موعودؑ اور بشیر الدولہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مراد ہیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا رؤیا سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خواب میں کسی شخص کیساتھ ایک واقعہ کا تعلق نظر آئے۔ تو ضروری نہیں۔ کہ اس سے خود وہ شخص ہی مراد ہو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زیر بحث خواب میں یہ ضروری نہیں۔ کہ منظور محمدؐ سے پیر منظور محمد صاحب ہی مراد ہوں۔ بلکہ اس سے مراد ایسی صفات کا شخص بھی ہو سکتا ہے۔ جو اس نام کا معناً مصداق ہو۔ اور منظور محمدؐ اس کا علم نہ ہو۔ بلکہ صفاتی نام ہو۔ یعنی ایسا شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور نظر ہو۔ اور اس لحاظ سے اس کا مصداق خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات ہے۔ اور "بشیر الدولہ" حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں ؎

ولادت سے ولادت معنویہ مراد ہے

اور جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۹ میں ہم انشاء اللہ مفصل بحث کرینگے۔ پیدائش کا لفظ بعض اوقات ایک روحانی مقام پر فائز ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس خواب میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی پیدائش سے مراد آپ کا خلافت روحانیہ کے عہدہ پر فائز ہونا ہے۔

الہامی ناموں کی تشریح

اور آپ کا "عالم کباب" ہونا بایں معنی ہے۔ کہ آپ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے معاً بعد جنگ عظیم کی آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ جس سے تمام عالم (جہان) خواہ حاکم تھا۔ یا محکوم متاثر ہوا ؎

علاوہ ازیں آپکے عہد مبارک میں خدا تعالےٰ نے سلسلہ احمدیہ کو ہر رنگ میں ترقی عطا فرمائی۔ جس سے دشمن جل کر کباب اور دوست شاداں ہوئے۔ پس آپ عالم کباب بھی ہیں۔ اور شادی خاں و بشیر الدولہ بھی؛
حضرت مسیح موعود علیہ السلام بشیر الدولہ اور عالم کباب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بشیر الدولہ۔ عالم کباب یہ دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے۔ اور ان کی تعبیر اور تفہیم یہ ہے۔ (۱) بشیر الدولہ سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کی بشارت دینے والا ہوگا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد زلزلہ عظیمہ (جنگ عظیم) کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئیں گی۔ اور گروہ کثیر ہماری طرف رجوع کریگا۔ اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئے گی۔ (۲) عالم کباب سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جبتک وہ اپنی برائی بھلائی شناخت کرے۔ دنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی۔ گویا دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس وجہ سے اس لڑکے کا نام عالم کباب رکھا گیا۔ غرض وہ لڑکا اس لحاظ سے کہ حق القول کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگا۔ عالم کباب کے نام سے موسوم ہوگا۔"

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۵ نمبر ۶)

محقق صاحب نے اپنی کتاب کے ایڈیشن دوئم کی فصل پنجم میں "گپت الہام"	وہ الہامات جن کے معنے معلوم نہیں ہیں

؎ "اس کے بعد معلوم ہوا۔ کہ لڑکے کے دو نام اور ہیں۔ ایک شادی خاں کیونکہ وہ جماعت کے لئے شادی کا موجب ہوگا۔ دوسرا کلمۃ اللہ خاں کیونکہ وہ خدا کا کلمہ ہے جو ابتدا سے مقرر تھا۔" منہ

کے عنوان کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے الہامات درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک خطوط پر مشتمل ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ [illegible] - اور باقی ہندسوں پر مشتمل ہیں۔ اور بظاہر ان کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

حروف مقطّعات کے معانی

اس کا اصولی جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الہامات قرآن مجید کی سورتوں کے ابتدائی حروف مقطّعات کی مانند ہیں۔ جن کے معانی کے متعلق زمانۂ نزول قرآن سے آجتک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اور مفسرین نے باوجود عجیب وغریب موشگافیاں کرنیکے ان کے کوئی ایسے معنے بیان نہیں کئے ہیں۔ جن پر سب کا اتفاق ہو۔ اور جو یقینی طور پر ان کے صحیح معنے قرار دئے جا سکیں ؛

حروف مقطّعات مخفی علم ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر جلد اول میں سورہ بقرہ کی تفسیر کرتے ہوئے حروف مقطّعات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ ایک چھپا ہوا علم اور بھید ہے۔ جسے خدا تعالیٰ نے اپنی لئے مخصوص کیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی بھید رکھا ہے۔ اور قرآن مجید میں وہ بھید سورتوں کے ابتدائی حروف مقطعات ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک کتاب کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کا خلاصہ حروف تہجی ہیں . . . اور امام شعبی رضؓ سے حروف مقطعات کے معنے پوچھے گئے۔ تو اُنہوں نے

فرمایا۔ یہ ایک خدائی بھید ہے۔ جس کے معلوم کرنے کے پیچھے مت لگو۔ اور ابو ظبیان نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ علماء ان حروف کے معانی کے ادراک سے عاجز آ گئے ہیں۔ اور حسین بن الفضل رحؒ نے کہا ہے۔ کہ یہ متشابہات میں سے ہیں ''

حروف مقطعات میں پیشگوئیاں بعض علماء نے حروف مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں۔ اور منجملہ دیگر معانی کے ابوالعالیہ[ا] وغیرہ مفسرین نے ایک یہ معنی بھی کئے ہیں۔ کہ ان میں حساب جمل کے اعداد کے لحاظ سے بعض اقوام کے بقاء اور بعض کی تباہی کی مدت کی پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد اول صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ کہ:۔

" علامہ حوفی رحؒ نے کہا ہے۔ کہ بعض ائمہ نے " الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ " کے حروف سے تعداد ابجدی کے حساب سے ۵۸۳ھ میں فتح بیت المقدس کی پیشگوئی نکالی ہے۔ چنانچہ اسی طرح وقوع میں آیا۔ علامہ سہیل رحؒ نے کہا ہے۔ کہ قرآن کی سورتوں کے ابتدار میں جو حروف مقطعات آئے ہیں۔ ان میں سے جو مکرر آئے ہیں۔ ان کو حذف کر دیا جائے۔ تو بقیہ کا حروف ابجد کے اعداد کے حساب سے جو عدد نکلتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ اتنی مدت امت محمدیہ باقی رہیگی " مصنف قنوی کہتا ہے۔ کہ " زیادہ مناسب یہ ہے۔ کہ یہ کہا جائے۔ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد دنیا کے باقی رہنے کی مدت کیطرف اشارہ ہے "

[ا] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۱۔

تفسیر روح المعانی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں سورہ بقرہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے حمعسق سے معاویہؓ کے واقعہ کی پیشگوئی نکالی ہے۔

ہندسوں میں بھی آئندہ واقعات کی پیشگوئیاں

ان اقوال سے معلوم ہوا۔ کہ بعض اوقات ہندسوں میں بھی پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ جن کی حقیقت ظہور کے وقت کھلتی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی الہامات ہندسوں میں ہوئے۔ ان میں بھی آئندہ واقعات کی پیشگوئیاں تھیں۔ جن میں سے بعض ظاہر ہو چکی ہیں۔ اور بعض آئندہ اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظاہر ہونگی۔

ایک ہندسوں والی پیشگوئی کا ظہور

جو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۵ء میں ایک رؤیا دیکھا۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"[illegible] ہوئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو رؤیا میں دیکھا۔ پہلے کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر خیال آیا۔ کہ یہ تو فوت شدہ ہیں۔ آؤ ان سے دعا کرائیں۔ تب میں نے ان کو کہا۔ کہ آپ میرے واسطے دعا کریں۔ کہ میری عمر اتنی ہو۔ کہ سلسلہ کی تکمیل کے لئے کافی وقت مل جائے . . . . . . تب انہوں نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے۔ مگر اونچے نہ کئے۔ اور کہا اکیس ۲۱۔ میں نے کہا۔ کھول کر بیان کرو۔ مگر انہوں نے کچھ کھول کر نہ بیان کیا۔ اور بار بار اکیس ۲۱ اکیس ۲۱ کہتے رہے۔ اور پھر چلے گئے۔"[1]

[1] رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۵ء

اس رُؤیا میں اکیس[۲۱] کے لفظ سے مراد یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کی عمر اکیس سال ہوگی۔ اس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ کیونکہ آپ نے مولوی عبد الکریم صاحب سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ آپ میری عمر کی زیادتی کے لئے دعا کریں۔ تا میں کافی تبلیغ کر سکوں۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب نے اکیس کا لفظ فرمایا۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ آپ کو تبلیغ کے لئے کُل اکیس سال کا عرصہ دیا جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور واقعات کو دیکھنے سے اس کی سچائی نہایت صفائی سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار بیعت جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد اکیسویں سال یعنی ۱۳۲۶ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ جس سے اس خواب کی تعبیر خوب واضح ہوگئی۔ کہ اس خواب میں اکیس کے لفظ سے مراد یہ تھی۔ کہ اکیسویں سال آپ کی وفات ہوگی ؛

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامات میں سے جو ہندسوں پر مشتمل ہیں۔ ایک کا ذکر ہم نے بطور نمونہ سطور بالا میں کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان میں آئندہ واقعات کی پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ اور گو ان میں سے بعض کی حقیقت اس وقت پردۂ خفا میں ہے۔ مگر واقعات خود ظاہر کر دیں گے۔ کہ ان سے مراد کیا ہے۔

خطوط میں پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو الہام خطوط پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض انبیاء کو خدا تعالےٰ کی طرف سے خطوط کا علم بھی دیا گیا تھا۔ مسلم شریف جلد ۲ باب تحریم الکہانۃ

واتیان الکاہن میں یہ روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے دریافت کیا۔ کہ ہم میں سے بعض لوگ خطوط کے ذریعہ آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں۔ حضور کا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَالِكَ یعنی ایک نبی خطوط کے ذریعہ پیشگوئیاں کیا کرتا تھا۔ جس کا خط اس کے خط کے موافق ہو۔ وہ درست ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ خطوط بھی الہام ہو سکتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو الہام خطوط پر مشتمل ہے۔ وہ اس نبی کے خطوط کے موافق ہے۔ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

کشف الظنون جلد اول صفحہ ۵۷۶ میں اور ابجد العلوم جلد دوم صفحہ ۴۹۴ میں مذکورہ بالا حدیث درج کر کے لکھا ہے۔ کہ:۔

"اس میں جس نبی کا ذکر ہے۔ وہ ادریس علیہ السلام تھے۔ اور خطوط کے ذریعہ پیشگوئی کرنا ان کا معجزہ تھا۔ اور ایک بزرگ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ یہ علم (یعنی خطوط کا) منجملہ گذشتہ آثار کے ہے۔ جن کا اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی آیت اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورہ احقاف ع ۱) میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور مصباح الرمل میں ہے۔ کہ یہ علم چھ پیغمبروں کو بطور معجزہ دیا گیا تھا۔ اور وہ یہ ہیں۔ آدم۔ ادریس۔ لقمان۔ ارمیاہ۔ اشعیا۔ اور دانیال علیہم السلام پس اگر کسی کا خط ان پیغمبروں کے موافق ہو۔ تو جائز ہے۔"

کشف میں بعض امراض کا علاج

جناب محقق صاحب نے اسی ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے کشوف کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن میں حضورؑ کو بعض امراض کا علاج بتایا گیا۔ مثلاً ایک دفعہ جبکہ آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ کو کشفی حالت میں ایک شیشی دکھائی گئی۔ جس پر پیپرمنٹ لکھا ہوا تھا۔ اور الہاماً اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ پیپرمنٹ کے استعمال سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

بظاہر ان کشوف پر کسی جہت سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ محقق برقی صاحب نے انہیں اپنی کتاب میں کس غرض کو مدنظر رکھکر نقل کیا ہے۔ شاید آپ کے نزدیک کشف یا رؤیا میں کسی جسمانی بیماری کا علاج نہیں بتایا جا سکتا۔ اور اس وجہ سے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان کشوف کو تعلیم اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔

خواص الادویہ کا بیان بعثت انبیاء کی اغراض میں سے ہے

لیکن ظاہر ہے۔ کہ آپ کے اس خیال کی کسی عقلی یا شرعی اصل پر بنیاد نہیں۔ اس لئے اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ کے اس زعم باطل کی کسی عقلی یا شرعی اصل سے تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس متکلمین نے کتب عقائد میں اس امر کی تصریح کی ہے۔ کہ انبیاء کی بعثت کے اغراض میں سے ایک خواص اشیاء کا بیان ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے خواص اشیاء کا بذریعہ الہام یا کشف و رؤیا علم دیا جائے۔ شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ مصر میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اغراض نبوت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَمِنْهَا بَيَانُ مَنَافِعِ الْاَغْذِيَةِ وَالْاَدْوِيَةِ وَمَضَارِّهَا الَّتِيْ لَا تَفِيْ بِهَا التَّجْرِبَةُ اِلَّا بَعْدَ اَدْوَارٍ وَاَطْوَارٍ مَعَ مَا فِيْهَا مِنَ الْاَخْطَارِ" یعنی اغراض نبوت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ انبیاء غذاؤں اور دواؤں کے منافع اور نقصانات بیان کرتے ہیں جن کا تجربہ سے بغیر مختلف ادوار و اطوار اور خطرات میں سے گذرنے کے پتہ نہیں لگ سکتا ؛

کتب تعبیر سے بذریعہ رؤیا علاج الامراض کا ثبوت

کتب تعبیر رؤیا کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بسا اوقات جسمانی بیماریوں کے علاج خوابوں میں بتائے جاتے ہیں۔ "الاشارات فی علم العبارات" جو امام خلیل ابن شاہین رح کی علم تعبیر رؤیا میں نہایت مشہور کتاب ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "ایک شخص نے حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر کہا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ اور آج رات میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا۔ جس نے مجھ سے کہا کہ لَا وَلَا استعمال کرو۔ حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم زیتون کھاؤ" امام خلیل ابن شاہین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام ابن سیرین رح نے یہ تعبیر قرآن مجید کی اس آیت سے لی ہے۔ جس میں زیتون کی متعلق آیا ہے۔ لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (سورہ نور ع ۵)

کتب علم تعبیر رؤیا میں اور بھی بہت سے ایسے واقعات لکھے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعض بزرگوں پر خوابوں کے ذریعہ بیماریوں کے علاج ظاہر کئے گئے۔ اور ایسے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس وجہ سے اعتراض صحیح نہیں ہے ؛

حضرت اقدس کی عمر کی پیشگوئی پر بحث

جناب محقق صاحب نے ایڈیشن دوم کی فصل پنجم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے متعلق بھی اعتراض کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کی عمر آپ کے الہامات کی رُو سے اسّی برس یا اس کے قریب ہونی چاہیئے تھی۔ مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ کی عمر صرف اڑسٹھ سال ہوئی:

پیشگوئی کے الفاظ اور تشریح

سب سے پہلے ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ الہام درج کرتے ہیں۔ جو آپ کی عمر کے متعلق نازل ہُوا۔ اور وہ یہ ہے۔ ثَمَانِيْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذَالِكَ۔ یعنی آپ کی عمر اسّی سال یا اس کے قریب ہوگی۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے آپ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جو بظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں۔ وہ چوہتر[۷۴] اور چھیاسی[۸۶] کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔" نیز اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی۔ کہ تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔"

تقدیر معلّق

اس الہام میں یا کا لفظ تقدیر معلّق کے اظہار کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ اور اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (سورہ طٰہٰ ع ۲) یعنی خدا تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔ تو انہیں ہدایت فرمائی۔ کہ اس سے نرمی سے باتیں کرنا شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام کے الفاظ چوہتر[۷۴] اور چھیاسی[۸۶]

سال کے اندر اندر آپ کی عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ اور چونکہ الہام کے الفاظ سے یہ احتمال بھی نکلتا ہے۔ کہ آپ کی عمر اسی سال سے کچھ کم ہو۔ اور یہ بھی کہ اسی سال سے کچھ زیادہ ہو۔ اس لئے آپ نے اپنی کتابوں میں یہ دونوں احتمالات ذکر کئے ہیں۔ یعنی یہ بھی کہ میری عمر الہام کے مطابق اسی سال سے کچھ کم ہوگی۔ اور یہ بھی کہ اسی سال سے کچھ زیادہ ہوگی۔ اور اس کے بیان کرنے میں آپ نے یہ التزام نہیں کیا۔ کہ ہر جگہ جہاں آپ اپنی عمر کے الہام کیطرف اشارہ کریں۔ وہاں اسی سال سے کمی اور بیشی دونوں کا ذکر کریں۔ بلکہ کہیں آپ نے صرف کمی کا ذکر کیا ہے۔ اور کہیں صرف بیشی کا ؛

حضرت اقدس کی عمر پیشگوئی کے مطابق ہوئی

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپکی عمر الہام کے مطابق ہوئی یا نہیں۔ دو طریق ہیں۔ اول یہ کہ آپ کی اپنی تحریرات کو دیکھا جائے۔ کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ آپ کے مخالفین کی شہادات دیکھی جائیں کہ وہ آپ کی عمر کے متعلق کیا بتلاتے ہیں ؛

حضرت اقدس کی تحریرات سے تین ثبوت

آپ کی اپنی تحریرات جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی عمر الہام کے مطابق ہوئی حسب ذیل ہیں۔

اول۔ آپ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عجیب امر ہے۔ اور میں اسکو خدا تعالےٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ کہ ٹھیک بارہ سو نوے ہجری میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا"

اس تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ آپ پر الہامات کے نزول کا سلسلہ

سنہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں شروع ہوا۔ ایک دوسری کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔
"جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا" (تریاق القلوب صفحہ ۶۸)

ان دونوں تحریروں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آپ کی وفات سنہ ۱۳۲۶ھ میں ہوئی جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ سنہ ۱۲۹۰ھ کے بعد آپ چھتیس سال اور زندہ رہے۔ اور نزول الہام سے پہلی عمر کے چالیس سال اس میں جمع کئے جائیں۔ تو آپ کی عمر کل ۷۶ سال بنی۔ جو الہام کے مطابق ہے۔

دوئم۔ آپ اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم مطبوعہ سنہ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۹۷ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "اب میری عمر ستر برس کے قریب ہے" اس کے بعد تیسرے سال یعنی سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ فوت ہوئے۔ پس اس لحاظ سے بھی آپ کی عمر ۷۴ سال بنی۔ اور یہ بھی الہام کے مطابق ہے۔ اس جگہ یہ بات خاص طور پر مدنظر رکھنے کے لائق ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سنہ ۱۹۰۵ء میں اپنی عمر ستر برس کے "قریب" ظاہر کی ہے۔ اور قریب کا لفظ کمی کا احتمال بھی رکھتا ہے اور بیشی کا بھی۔ لیکن اگر اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تحریرات کی روشنی میں دیکھا جائے جن کی رو سے ہم آپ کی عمر ۷۶ سال ثابت کر آئے ہیں۔ تو "قریب" کے لفظ کے معنی بیشی کے متعین ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ بیشی ایک دو سال ہی کی مان لی جائے۔ تو اس تحریر کے لحاظ سے آپ کی عمر ۷۵-۷۶ سال بنجاتی ہے۔

سوئم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب اعجاز احمدی صفحہ ۳ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "مجھے دکھلاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر

کے برابر تھی یعنی ۶۴ سال کے۔ اگر شک ہو تو اس کی پنشن کے کاغذات دفتر سرکاری میں دیکھ لو۔ اور انجام آتھم صفحہ ۱ میں آپ تحریر فرماتے ہیں: "مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷۔ جولائی ۱۸۹۶ء بمقام فیروزپور فوت ہوگئے"

ان دونوں تحریروں سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۱۸۹۶ء میں ۶۴ سال کے قریب تھی۔ آپ اس کے بعد تیرھویں سال یعنی ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے۔ اور ۶۴ میں تیرہ جمع کئے جائیں۔ تو آپ کی عمر ۷۷ سال کے قریب بنتی ہے۔ جو الہام کے مطابق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعجاز احمدی میں بھی اپنی عمر ۷۴ سال کے قریب لکھی ہے۔ اس لئے اس میں بھی سابقہ حساب مدنظر رہنا چاہیئے۔ سنین کے حساب میں یہ امر بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کہ سن ہجری میں تھوڑے دن ہوتے ہیں۔ اور سن عیسوی میں زیادہ۔ کیونکہ اول الذکر میں قمری حساب ہوتا ہے۔ اور موخر الذکر میں شمسی۔ اور ستر سال کے عرصہ میں دونوں حسابوں میں دو سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور بھی بعض تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپکی عمر الہام کے مطابق ۷۴ سال ہوئی۔ مگر ہم بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

مخالفین میں سے مولوی ثناء اللہ کی شہادت

مخالفین کی شہادتوں میں سے ہم سب سے پہلے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اہلحدیث کی شہادت درج کرتے ہیں۔ آپ اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے ایک سال قبل لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کہہ چکے ہیں۔ کہ میری موت عنقریب اسی سال سے کچھ نیچے اوپر ہے۔ جس کے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں"

اس کے علاوہ آپ نے اہلحدیث مؤرخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۲ میں اور مرقع قادیانی بابت ماہ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۷۵ سال تسلیم کی ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی شہادت دوسری شہادت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی ہے۔ جو اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذاتی اور خاندانی حالات سے خوب واقف تھے۔ زیادہ وقیع ہے۔ آپ اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۲ صفحہ ۵۵ میں ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں: "۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے" گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۱۸۹۳ء میں ۶۳ برس کی تھی۔ اس کے بعد آپ پندرہ برس زندہ رہے۔ اور ۶۳ میں پندرہ جمع کئے جائیں۔ تو آپ کی عمر کل ۷۸ سال بنتی ہے۔

ایڈیٹر "زمیندار" لاہور کی شہادت تیسری شہادت مولوی سراج الدین صاحب ایڈیٹر "زمیندار" لاہور کی ہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر مئی ۱۹۰۸ء میں اپنے اخبار میں لکھا:-

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔"

عمر کے اندازہ میں اختلاف کی وجہ اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے لوگوں کی تحریرات میں آپکی عمر

کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر اس کا باعث صرف یہ ہے۔ کہ آپ کی پیدائش ایسے زمانہ میں ہوئی۔ جبکہ پیدائش و موت کی تاریخوں کی حفاظت کا کوئی التزام نہیں کیا جاتا تھا۔ اور نہ زمانہ حال کی طرح سرکاری طور پر اس کا کوئی انتظام تھا۔ کیونکہ آپ کی پیدائش سکھوں کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس لئے آپکی پیدائش کی صحیح اور معین تاریخ اور سن کا علم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ ایک شخص کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"عمر کا اصل اندازہ از خدا تعالےٰ کو معلوم ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ اب اس وقت تک جو سن ہجری ۱۳۲۳ ہے میری عمر ستر سال کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳)

اس تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ آپ کی عمر کے متعلق سب اندازے قیاسات پر مبنی ہیں۔ اور ایسے حالات میں اندازہ کرتے ہوئے دو تین سال کا فرق پڑ جانا ایک معمولی بات ہے۔

آنحضرت صلعم کی عمر کے اندازہ میں اختلاف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ میری وفات ساٹھ سال کی عمر میں ہوگی۔[۹۵] مگر وفات کے وقت حضورؐ کی عمر کے بارہ میں احادیث میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بخاری باب وفاۃ النبیؐ میں ایک ایک روایت ہے۔ کہ حضورؐ کی عمر وفات کے وقت ساٹھ سال کی تھی۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ تریسٹھ سال کی۔ اور ترمذی جلد دوئم میں ہے۔ کہ پینسٹھ سال کی۔ اور اس اختلاف کا باعث بھی یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہ تھی۔ اور اندازہ کرنے میں چند سالوں کا فرق پڑ جانا قرین قیاس ہے۔

[۹۵] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۰

محقق برنی صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر بحث کرتے ہوئے جن اعتراضات کا پہلے ایڈیشن کے اعتراضات پر اضافہ کیا ہے۔ ان کے جوابات سے فارغ ہوکر ہم ایڈیشن اول کی فصل سوئم کے دوسرے اعتراضات کے جوابات دینے کی طرف عود کرتے ہیں ؛

"قادیان کا حج" آپ نے اس فصل میں پانچواں عنوان "قادیان کا حج" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں تین اقتباسات پیش کئے ہیں۔ طرفہ یہ کہ ان تینوں اقتباسات کے حوالہ جات غلط ہیں۔

غلط حوالہ جات پہلے اقتباس کا حوالہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۵ اور دوسرے کا برکات خلافت صفحہ ۶۰۵۔ اور تیسرے کا اخبار "پیغام صلح" جلد ۳۱ نمبر ۲۲ دیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلے دونوں حوالوں کے متعلق اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ براہین احمدیہ اور برکات خلافت علی الترتیب کُل ۵۶۵ اور ۱۳۸ صفحات کی کتابیں ہیں۔ لہذا ان کے صفحہ ۵۰۵ اور صفحہ ۶۰۵ سے کسی اقتباس کا حوالہ دینا بے معنی بات ہے۔ اسی طرح اخبار "پیغام صلح" کی کل بائیس جلدیں ہیں۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ جناب محقق صاحب اپنی "علمی تحقیقات" میں ایک اقتباس درج کرکے اس کا حوالہ اکتیسویں جلد سے درج کرتے ہیں۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حوالہ جات کی غلطیاں واضح کرنے کے بعد اب ہم ان اقتباسات کی حقیقت ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ جو مذکورہ بالا عنوان کے ذیل میں پیش کئے گئے ہیں۔

پہلے اقتباس کی حقیقت

ان میں سے "برکات خلافت" کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس پر ہم اس سے پیشتر صفحہ ۱۱ و ۱۲ میں بحث کر آئے ہیں۔ لہذا اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسرے اقتباس کی حقیقت

براہین احمدیہ کے حوالہ سے جو عبارت درج کی گئی ہے۔ وہ بجائے صفحہ ۵۸۵ کے صفحہ ۵۵۸ کے حاشیہ پر ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنا الہام اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ سُهُوْلَةً فِيْ كُلِّ اَمْرٍ۔ بَيْتُ الْفِكْرِ وَبَيْتُ الذِّكْرِ۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا درج کرکے اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی۔ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا۔ اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت و حسن ایمان داخل ہوگا۔ وہ سُوئے خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔ بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے۔ جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کے لئے مشغول رہا ہے۔ اور رہتا ہے۔ اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے۔ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے۔"

محقق صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" یہ خاص حرم کعبۃ اللہ کی صفت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔ مرزا صاحب الہام کی بناء پر وہی صفت اپنی قادیانی مسجد کی قرار دیتے ہیں۔

بیت اللہ کے ظلی صفات

اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ جیسا کہ اس سے پیشتر صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ میں ہم بدلائل و شواہد

ثابت کر آئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین پر بعض اوقات بطریق وراثت و تبعیت خاص وہی آیات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں اُتری ہیں۔ نازل ہوسکتی ہیں۔ اور ہم بتا آئے ہیں کہ گذشتہ صلحاء اُمت اور اولیاء کرام پر قرآنی آیات کا نزول ہوتا رہا ہے۔ پس جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض صفات حضور کے متبعین کو بطور ظل حاصل ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح حضور کی مسجد یا بیت اللہ الحرام اور مسجد اقصیٰ کے صفات بھی دوسری مساجد کو ظلی طور پر حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس میں شرعاً کوئی محظور لازم نہیں آتا ؛

حدیث سے استشہاد

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اِنَّ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ[۱] (میری مسجد آخری مسجد ہے) میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کو آخری قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضور کی مسجد کے بعد اس کی اتباع میں اور بھی دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مساجد مسلمانوں نے تعمیر کیں۔ لیکن باوجود اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کو آخری قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ دوسری مساجد کو جو مسلمانوں نے تعمیر کیں۔ بوجہ اتباع اور پیروی مسجد نبوی میں ہی شمار کیا جائے۔ اس حدیث کی رُو سے دنیا کی ہر مسجد ظلی طور پر مسجد نبوی ہے۔ بشرطیکہ وہ مسجد ضرار نہ ہو ؛

تیسرے اقتباس کی حقیقت

اس عنوان کے ذیل میں جو عبارت اخبار "پیغام صلح" کے حوالہ سے درج کی گئی ہے۔ وہ جلد ۳۱ کی بجائے جلد ۲۱ نمبر ۲۲ میں ہے۔ مگر اخبار پیغام صلح نہ حضرت

[۱] مسلم باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینۃ ومکۃ

مسیح موعود علیہ السلام اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف ہے۔ لہذا اصولی طور پر جناب محقق صاحب ہم سے اس کے جواب کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ہاں ہمیں اُن سے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے۔ کہ جب انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں دو دفعہ بتاکید یہ لکھا ہے۔ کہ اس میں آپ نے جو اقتباسات درج کئے ہیں۔ وہ "خود بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے" درج کئے ہیں۔ تو پھر اخبار "پیغام صلح" سے حوالہ پیش کرنے کے کیا معنی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اخبار "پیغام صلح" میں زیر بحث عبارت کسی گمنام شخص کی طرف منسوب کی گئی ہے ؏

ایک کشف پر اعتراض

فصل سوئم میں چھٹا عنوان "اللہ تعالیٰ کی روشنائی کے دھبے" ہے۔ اس کے ذیل میں محقق صاحب چشتی قادری نے بحوالہ تریاق القلوب صفحہ ۳۴ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حسب ذیل عبارت پیش کی ہے :۔

"مجھ کو کشفی طور پر دکھایا گیا۔ کہ میں نے بہت سے احکام قضاء و قدر کے اہل دنیا کی نیکی و بدی کے متعلق نیز اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے لکھے ہیں۔ اور پھر تمثل کے طور پر میں نے خدا تعالیٰ کو دیکھا۔ اور وہ کاغذ جناب باری کے آگے رکھدیا۔ کہ اس پر دستخط کر دیں۔ . . . . سو خدا تعالےٰ نے سُرخی کی سیاہی سے دستخط کر دیئے۔ اور قلم کی نوک پر جو سُرخی تھی اُسکو جھاڑا۔ اور فوراً جھاڑنے کے ساتھ ہی اس سُرخی کے قطرے میرے کپڑوں اور عبد اللہ کے کپڑوں پر پڑے۔ . . . . میں رقّت کے ساتھ

اس قصہ کو میاں عبداللہ کے پاس بیان کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں اس نے بھی وہ تر بتر قطرے کپڑوں پر پڑے ہوئے دیکھ لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ وہی سرخی تھی۔ جو خدا تعالےٰ نے اپنے قلم سے جھاڑی تھی۔ اب تک وہ کپڑے میاں عبداللہ کے پاس موجود ہیں۔ جن پر وہ بہت سی سرخی پڑی تھی "

معلوم ہوتا ہے۔ جناب محقق برنی صاحب باوجود چشتی قادری ہونے کا دعویٰ کرنے کے مسائل تصوف، اور اولیاء کرام کے حالات سے قطعی بے بہرہ ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو ذرا بھی تصوف سے مس ہوتا۔ تو آپ ہرگز اس کشف کو تعلیم اسلام کے خلاف قرار نہ دیتے ؂

کشفی امور کا اثر عالم جسمانی میں

تصوف کی کتابوں میں اولیاء کرام کے کئی ایسے کشوف کا ثبوت ملتا ہے۔ جن میں انہوں نے وہ چیزیں جو ان پر عالم کشف میں ظاہر ہوئیں بیداری کے بعد عالم جسمانی میں ظاہری حواس سے محسوس کیں۔

پہلی مثال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

" ایک رات میں نے موت یاد کی اور میں شام سے سحر تک روتا رہا۔ روتے ہوئے میں خدا سے یہ التجا کرتا تھا۔ اے خدا! میری روح ملک الموت کی بجائے تو خود قبض کیجیو۔ پھر میں نے آنکھ بند کی۔ تو مجھے ایک خوبصورت بوڑھا آدمی نظر آیا۔ وہ دروازے میں سے اندر آیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں ملک الموت ہوں۔ میں نے کہا۔ میں نے خدا سے یہ دعا کی ہے۔ کہ میری روح تیری بجائے وہ خود قبض کرے۔ اس نے پوچھا۔ تو نے یہ دعا کیوں کی۔ میرا کیا

قصور ہے۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ کسی کے ساتھ مجھے نرمی کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور کسی کے ساتھ سختی کرنے کا۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے لپٹ گیا اور رو پڑا۔ میں بھی اسکے ساتھ رونے لگا۔ پھر میں بیدار ہُوا۔ تو ابھی رو رہا تھا"

(فتح ربانی کلام شیخ عبدالقادر جیلانی صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ مصر)

دوسری مثال

اسی طرح حضرت ابو عبداللہ الجلار رحمۃ اللہ علیہ کا حسب ذیل قصہ بھی امام ابن سیرین کی کتاب "منتخب الکلام فی تعبیر الاحلام" اور رسالہ قشیریہ اور تذکرۃ الاولیا وغیرہ کتب تصوف میں مذکور ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ "میں ایک دفعہ مدینۃ النبی میں گیا۔ اور مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر حضورؐ اور حضور کے دونوں ساتھیوں (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما) پر سلام بھیجا۔ اور عرض کی۔ یا حضرت! میں بہت بھوکا ہوں۔ آپ ہی کا مہمان ہوں۔ یہ کہہ کر میں روضۂ مبارکہ سے کچھ دور ہو کر سو رہا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ مَیں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ حضورؐ نے مجھے ایک روٹی دی۔ میں نے اس میں سے آدھی کھالی جب بیدار ہُوا۔ تو نان کا باقی حصہ میرے ہاتھ میں تھا"

صوفیاء کرام اور اولیاء امت کے اس قسم کے ذاتی تجارب سے تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر امید ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ اور حضرت ابو عبداللہ الجلارؒ کے مذکورہ بالا واقعات ہی جناب محقق صاحب چشتی قادری کی تسلی اور اطمینان کے لئے کافی ہوں گے ؛

معجزات کا انکار اور دہریت کا اثر

دراصل اس زمانہ میں دہریت کی رَو سے متاثر ہو کر ایسے امور کا جو خارق عادت طور پر

اولیاء اللہ کے لئے بطور کرامت اور انبیاء کے لئے بطور معجزہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتے ہیں۔ انکار کیا جاتا ہے۔ اور اسی اثر کے ماتحت ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔ بی پروفیسر معاشیات نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا کشف کو قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جسے دور کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں بھیجا۔ تا دنیا تازہ نشانات دیکھے۔ کیونکہ پرانے قصے انسان کو اطمینان نہیں دلا سکتے اور نہ یقین کے مرتبہ تک پہنچا سکتے ہیں۔

اگر محقق صاحب نے کبھی ان معجزات کی حقیقت پر غور کیا ہوتا۔ جو پہلے انبیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اور جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور آپ کا ان پر ایمان ہوتا۔ تو آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس معجزہ پر کبھی اعتراض نہ کرتے۔

خدا تعالیٰ کی صفت خلق کا ظہور

کیا یہ بات انہونی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بطور اعجاز اپنی صفت خلق کے ذریعہ سرخی کے چند قطرات پیدا کرے۔ یقیناً سمجھو۔ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ سوائے اس کے جو خدا تعالیٰ کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہو۔ مگر کیا قرآن مجید کی کوئی آیت یا احادیث نبویہ میں سے کوئی حدیث پیش کی جا سکتی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا کشف اور معجزہ کو اس کے کسی قانون کے خلاف قرار دیا گیا ہو۔ اگر نہیں کی جا سکتی۔ تو پھر اسے قرآن مجید یا تعلیم اسلام کے خلاف قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے ؎

تمسخر آمیز عنوان

اس فصل میں جناب محقق صاحب نے عنوان ہفتم " الہامی حمل" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۳ اور کشتی نوح صفحہ ۴۷ سے دو حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے " استعارہ کے رنگ میں" اپنے حاملہ ہونے کا ذکر کیا ہے:۔

حضور کے اس کلام پر اگر ایک ایسا شخص جو اسالیب کلام مثلاً استعارہ و مجاز وغیرہ علمی اصطلاحات سے جاہل ہو۔ ہنسی اور استہزاء کرے۔ تو وہ اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے معذور خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک ایسے شخص کا جو اپنے تئیں جدید تعلیم یافتہ نوجوان ایم۔ اے۔ ایل۔ بی اور پروفیسر ظاہر کرے۔ اور اس کے علاوہ چشتی قادری فاروقی ہونے کے دعاوی بھی کرے۔ حضور کے اس کلام پر اعتراض کرنا۔ اور اس کے لئے تمسخر آمیز عنوان قائم کرنا نہایت مایوس کن ہے۔

مسئلہ ولادت روحانیہ اور استعارہ مرشحہ

ولادت معنویہ یا ولادت روحانیہ کا مسئلہ تصوف میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا کلام میں اسی کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

جب انسان اپنی تمام نفسانی خواہشات پر موت وارد کر کے بکلّی خدا تعالے کے ماتحت ہو جاتا ہے۔ اور خدا کے ہاتھ میں اسکی حالت مُردہ بدست زندہ کی مثال کے مطابق ہو جاتی ہے۔ تو خدا تعالے اپنی محبت اور فضل کے پانی سے اُسے دوبارہ زندہ کرتا ہے۔ اور اس مقام کو اہلِ تصوّف ولادت معنویہ یا روحانی پیدائش سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس

ولادت کے تمام مراحل جسمانی نہیں ہوتے۔ بلکہ روحانی ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ اس روحانی پیدائش میں بھی جسمانی پیدائش کی طرح سالک کو مختلف مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس لئے پیدائش کے لفظ کی مناسبت سے ان مراحل روحانیہ کے نام بطور استعارہ وہی رکھے جاتے ہیں۔ جو جسمانی پیدائش کے مختلف مراحل کے نام ہیں۔ اور اس استعارہ کو علم معانی کی اصطلاح میں استعارہ مرشحہ کہتے ہیں۔ مختصر المعانی ص۳۹۱ میں لکھا ہے:-

"وَھِیَ مَا قُرِنَ بِمَا یُلَائِمُ الْمُسْتَعَارَ مِنْهُ نَحْوُ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ اُسْتُعِیْرَ الْاِشْتِرَاءُ لِلْاِسْتِبْدَالِ وَالْاِخْتِیَارِ ثُمَّ فُرِّعَ عَلَیْھَا مَا یُلَائِمُ الْاِشْتِرَاءَ مِنَ الرِّبْحِ وَالتِّجَارَةِ۔"

یعنی استعارہ مرشحہ وہ ہے۔ جو مستعار منہ کے ملائمات سے مقرون ہو۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ الخ (وہی لوگ ہیں جنھوں نے خریدی گمراہی ہدایت کے عوض پس ان کی تجارت سُودمند نہ ہوئی) اس میں اشتراء (خریدنے) کا لفظ استبدال اور اختیار کے لئے بطور استعارہ استعمال ہُوا ہے۔ اس لئے اس کے بعد بطور تفریع انہی چیزوں کا ذکر ہُوا ہے۔ جو اشتراء کے مناسب ہیں۔ یعنی ربح اور تجارت۔

غالباً محقق برنی صاحب پروفیسر معاشیات پر مذکورہ بالا مثال سے استعارہ مرشحہ کی حقیقت بخوبی منکشف ہوگئی ہوگی۔ اس کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کا مطلب نہایت واضح ہے۔ یعنی یہ کہ حضورؑ نے اپنی روحانی پیدائش کے مختلف مراحل کو حیض۔ حمل اور

دردِزہ وغیرہ الفاظ سے بطور استعارہ مرشحہ تعبیر فرمایا ہے۔

یہ عجیب بات ہے۔ کہ اگر قرآن مجید۔ احادیث یا دیگر بزرگوں کے کلام میں اسالیب فصاحت اور روحانی استعارات ومجازات کا استعمال ہو۔ تو اسے کلام کے اعلیٰ کمالات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ان کا استعمال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں ہو۔ تو اس پر ہنسی اور مذاق اڑایا جاتا ہے۔

روحانی پیدائش کا ثبوت قرآن مجید سے

ولادت روحانیہ کا ثبوت فرقان مجید کی اس آیت سے ملتا ہے۔ سورہ احزاب رکوع ۱ میں فرمایا۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ۔ یعنی نبی مومنوں سے ان کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور آپ کی بیویاں انکی مائیں ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات میں لفظ "اب" کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ یُسَمَّی النَّبِیُّ اَبَا الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الآیہ وَفِیْ بَعْضِ الْقِرَاءَاتِ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ . . . . وَاِلٰی ھٰذَا اَشَارَ بِقَوْلِہٖ کُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ۔ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ جیسے آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الآیہ میں بیان ہوا ہے۔ اور بعض قراءتوں میں "وہ (نبی) ان (مومنوں) کا باپ ہے" کے الفاظ صریح طور پر بھی آئے ہیں . . . . اور اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ ہر ایک سبب اور رشتہ منقطع ہوجائیگا سوائے میرے سبب اور رشتہ کے

قرآن مجید کی اس آیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہے۔ کہ جب کوئی شخص کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کی نئی پیدائش ہوتی ہے۔ اور اس پیدائش میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باپ اور حضورؐ کی بیویاں اس کی مائیں ہیں۔

رُوحانی پیدائش کا ثبوت حدیث سے

مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ولادتِ روحانیہ کا ثبوت ملتا ہے۔ بخاری کتاب الحج میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔ یعنی جو اللہ کی خاطر حج کرے اور اس میں کسی قسم کے رفث وفسوق کا مرتکب نہ ہو۔ وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ جیسا اس دن تھا۔ جس میں اس کی ماں نے اس کو جنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ حج کرنیوالے کی بھی نئی ولادت ہوتی ہے:۔

روحانی پیدائش کا ثبوت تصوّف سے

اسی طرح امام الطائفہ الشیخ سہروردیؒ فرماتے ہیں:۔

"مُرید اپنے شیخ کا حصہ بن جاتا ہے۔ جیسے بیٹا ولادتِ طبیعیہ میں باپ کا جُزء ہو جاتا ہے۔ اور مُرید کی ولادت معنوی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وارد ہوا ہے۔ کہ آسمانوں کی بادشاہت میں وہ شخص داخل نہ ہو گا۔ جو دو دفعہ پیدا نہیں ہوا۔ طبعی ولادت سے انسان کا دنیا سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اور معنوی ولادت سے اس کا تعلق عالم ملکوت سے ہو جاتا ہے۔" (ترجمہ از عبارت عربیہ عوارف المعارف جلد اول ص۴۵)

روحانی پیدائش کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب

براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۸ و ۵۰۹ کے حاشیوں میں فرماتے ہیں :-

" امور مالوفہ اور معتادہ کو یک لخت چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشوں کو جن کی ایک عمر سے عادت ہو چکی ہے۔یک دفعہ ترک کرنا۔اور ہر ایک ننگ اور ناموس اور عُجب اور ریا سے مُنہ پھیر کر اور تمام ماسوی اللہ کو کالعدم سمجھ کر سیدھا خدا کی طرف رُخ کر لینا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے۔جو موت کے برابر ہے۔اور یہ موت روحانی پیدائش کا مدار ہے۔اور جیسا دانہ جب تک خاک میں نہیں ملتا اور اپنی صورت کو نہیں چھوڑتا تب تک نیا دانہ وجود میں آنا غیر ممکن ہے۔اسی طرح روحانی پیدائش کا جسم اس فنا سے تیار ہوتا ہے۔جوں جوں بندہ کا نفس شکست پکڑتا جاتا ہے۔اور اس کا فعل اور ارادت اور رو بخلق ہونا فنا ہوتا جاتا ہے۔توں توں پیدائش روحانی کے اعضاء بنتے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ جب فنا اتم حاصل ہو جاتی ہے۔تو وجود ثانی کی خلعت عطا کی جاتی ہے۔اور ثُمَّ اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا وقت آجاتا ہے "

مذکورہ بالا تقریر سے ظاہر ہے۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روحانی پیدائش اور اس کے درمیانی مراحل کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔وہ قرآن مجید اور اسلام کی تعلیم کے عین مطابق ہے ؛

"خدا کی انگریزی شان" پر اعتراض

فصل سوئم کا آخری عنوان جناب محقق صاحب ایم۔اے۔ایل ایل۔بی نے " خدا کی انگریزی شان " قائم کیا ہے۔اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض انگریزی الہامات درج کئے ہیں۔نمعلوم آپ کو " خدا کی انگریزی شان " کیوں ناپسند ہے۔شاید اس لئے

کہ خود بدولت ایم ۔اے ہیں۔اس لئے یہ امر ناگوار گذرا۔کہ خدا تعالےٰ بھی انگریزی میں کلام کرے۔

خدا تعالیٰ کی مختلف شانیں

اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے ۔جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ یعنے ہر روز اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ اس لئے اگر خدا تعالیٰ کی انگریزی شان بھی مان لی جائے۔ تو یہ عین قرآن مجید کے مطابق ہوگا۔ اس پر اعتراض کیوں ؟

اسلام کی رواداری کی تعلیم

در اصل اس حقیقت کو نہیں سمجھا گیا۔کہ خدا تعالیٰ محض عرب ہی کا رب نہیں ۔بلکہ وہ رب العالمین ہے۔اس لئے ہر ملک اور ہر زبان میں اس کی شان کا ظہور ہوتا ہے۔جناب محقق صاحب کو دعویٰ تو جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہونے کا ہے۔ مگر تنگ نظری کا یہ حال ہے۔کہ خدا تعالےٰ کی شان کو محض عربی سے مخصوص کرتے ہیں :۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرما کر کہ (۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا[1] (۲) وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ[2] اس خیال کی بیخ کنی کر دی۔کہ کوئی خاص ملک یا قوم خدا تعالےٰ کے الہام یا انوار کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ یہ خیال باہمی تعصب اور مذہبی فسادات کی جڑ ہے۔

یہ وہ رواداری کی تعلیم ہے جو قرآن مجید نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ اگر آج تمام اقوام عالم اس اصل کو تسلیم کر لیں۔کہ ہر ایک قوم اور ملک میں خدا تعالےٰ کے برگزیدہ رسول آتے رہے۔ تو تمام مذہبی مناقشات اور جھگڑوں کا یک قلم فیصلہ ہو جائے۔ اسلام نے ہمیں یہ پاکیزہ تعلیم

---

[1] ترجمہ۔اور ضرور ہم نے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے۔ [2] ترجمہ۔اور نہیں ہے کوئی قوم مگر گذرا ہے اس میں کوئی رسول۔

دی ہے۔ کہ ہم نے ہر قوم میں ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے بندے بھیجے۔ لہذا تم سب قوموں کے بزرگوں کی عزت کرو۔ پس جس طرح عرب میں خدا تعالے کے نبی آئے۔ اسی طرح ہندوستان اور یوروپ وغیرہ ممالک میں بھی اس کے نبی آئے۔ اور جس طرح خدا تعالے کی "عربی شان" ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اس کی "ہندی" اور "انگریزی شان" بھی ظاہر ہوئی۔ اس میں قابل اعتراض امر کون سا ہے۔ کیا خدا تعالے نے انگریزی میں اپنی شان کا اظہار حرام کر رکھا ہے؟

انگریزی میں الہام ہونے کا بستر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر انگریزی زبان میں الہامات نازل ہونے پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے "ریویو براہین احمدیہ" میں مفصل بحث کی ہے۔ جس میں سے ضروری حصہ ذیل میں برائے افادۂ ناظرین درج کیا جاتا ہے۔

" اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ باوجودیکہ مؤلف براہین احمدیہ کی مادری زبان ہندی ہے۔ اور مذہبی و علمی زبان عربی اور صرف علمی و استعمالی فارسی۔ انگریزی نہ ان کی مادری زبان ہے۔ نہ مذہبی۔ نہ علمی۔ نہ اس زبان سے ان کو کسی قسم کی واقفی ہے۔ پھر ان کو انگریزی میں کیوں الہام ہوتے ہیں۔ اور اس کا بستر و فائدہ کیا ہے۔ . . . . . اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس زبان میں (جس سے مؤلف کی زبان۔ کان۔ دل اور خیال کسی کو آشنائی نہ تھی) مؤلف کو الہام ہونے میں ایک فائدہ و بستر تو یہ ہے۔ کہ اس میں سامعین و مخاطبین کو مؤلف کی طبیعت یا خیال کی بناوٹ کا احتمال و گمان نہ ہو۔ ہندی فارسی۔ عربی (جو ان کی مادری و مذہبی و علمی زبانیں ہیں) کے الہامات میں یہ

بھی احتمال اور متردد ذہن کو خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ یہ الہامات مؤلف نے خود عمداً بنالئے ہیں۔ یا بلا ارادہ و اختیار ان کی حالت خواب میں اُن کے دماغ و خیال نے گھڑ لئے ہیں۔ اس گھڑت و بناوٹ کا خیال انگریزی الہامات میں (جس سے صاحب الہام کی زبان، کان۔ دل و خیال کو کسی قسم کا تعلق نہیں) کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ طبیعت و خیال کو اسی چیز تک رسائی ہو سکتی ہے جس سے اس کو کسی وجہ سے تعلق ہو۔ ہندی نژاد (جو عربی سے محض ناآشنا ہو) کا خیال عربی نہیں بنا سکتا۔ جیسے مچھلی اڑ نہیں سکتی۔ اور چڑیا تیر نہیں سکتی۔" (ریویو براہین احمدیہ ص۳۸۲)

ایک اور حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایسی زبانوں میں جنھیں آپ سمجھتے نہ تھے۔ الہامات نازل ہونے میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے۔ کہ آپ کے زمانہ میں الہام لفظی سے انکار کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے بھی ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا۔ جو الہام لفظی کا منکر تھا۔ اور قرآن مجید کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ اس کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر الہام نفسی نازل ہوتا تھا۔ یعنی خیالات دل میں ڈالے جاتے تھے۔ جنھیں حضور اپنے الفاظ میں بیان فرماتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک قرآن مجید کے الفاظ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہیں۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہیں۔ اور ان کے پاس کلام لفظی کے خلاف سب سے زبردست دلیل یہ تھی۔ کہ قول مشہور کے مطابق ملہمین کو عموماً انہی زبانوں میں الہامات ہوتے ہیں۔ جن سے وہ واقف ہوتے ہیں۔ اگر کلام لفظی بھی درست ہوتا۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کبھی کسی ملہم پر ایسی زبان میں الہام نازل کرتا جس

سے وہ قطعاً ناآشنا ہوتا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کے خیالات فاسدہ کی تردید کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایسی زبانوں میں الہامات نازل فرمائے۔ جن سے آپ ناواقف تھے۔ اور ان میں ایسی پیشگوئیاں ظاہر فرمائیں۔ جو وقت پر پوری ہوئیں۔ اور اس طرح الہام لفظی کے منکرین پر اتمام حجت ہوئی۔

حضرت اقدس پر اعتراضات کی نوعیت

تتمہ فصل سوئم میں جناب محقق صاحب نے ایک نیا عنوان "معترضین کو دھمکی" بھی قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے تین اقتباس درج کئے ہیں۔ جن میں حضور فرماتے ہیں۔ کہ میرے مخالفین مجھ پر جو اعتراضات کرتے ہیں۔ ان میں کوئی اعتراض بھی ایسا نہیں۔ جو گذشتہ انبیاء میں سے کسی اور نبی پر نہ وارد ہوتا ہو۔ اور یہ امر ان کے اعتراضات کے غلط ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

دھمکی یا امر واقعہ

محقق صاحب بالقابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کو "دھمکی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ سو اگر اسے "دھمکی" کہنا صحیح ہے۔ تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ یہ دھمکی کوئی نئی دھمکی نہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی اپنے مخالفین کو دی ہو۔ بلکہ یہ ایسی دھمکی ہے۔ جو قرآن مجید نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو دی۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَمَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ (سورہ حٰم سجدہ عٰ۵) یعنے اے رسول تم پر مخالفین کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ مگر وہی جو پہلے انبیاء کے مخالفین اپنے اپنے وقت کے نبیوں پر کرتے رہے۔ اور ہمارے نزدیک جس طرح قرآن مجید

کا یہ ارشاد دھمکی نہیں۔ بلکہ ایک امر واقعہ کا اظہار ہے۔ اسی طرح اس کی اتباع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذکورہ بالا ارشاد بھی دھمکی نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ثابتہ کا اظہار ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

محقق صاحب مرد میدان بنیں

اور ہم محقق صاحب کو چیلنج کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے تمام اعتراضات میں سے کوئی ایک اعتراض ہی ایسا دکھائیں۔ جو اصولی رنگ میں گذشتہ انبیاء پر وارد نہ ہوتا ہو۔ لیکن اگر وہ نہ دکھا سکیں۔ اور یقیناً نہیں دکھا سکتے۔ تو پھر اس امر میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ کہ ان کے تمام اعتراضات باطل ہیں۔ کیا ہم امید کریں۔ کہ آنجناب میدان میں نکلیں گے۔ اور اس طریق فیصلہ کے مطابق اپنے اعتراضات کی صحت کو پرکھیں گے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آسان طریق فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

ہماری مظلومی

بات یہ ہے۔ کہ ہمارے مخالفین قرآن و حدیث اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام کے حالات سے بالکل آنکھیں بند کر کے اندھا دھند حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر اعتراضات کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ایسے ایسے طریق پر ہنسی اور استہزاء کرتے ہیں۔ کہ گذشتہ انبیاء کے مخالفین کو بھی شرما دیتے ہیں۔ ہماری حالت ان کے مقابلہ میں بالکل مظلومانہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ہم ان کی ہنسی یا مذاق کا الزامی جواب دینے لگیں۔ تو اس سے کوئی نبی بھی بچ نہیں سکتا۔ مگر گذشتہ انبیاء پر کس مونہہ سے ہنسی یا مذاق کریں۔ کیونکہ وہ ہمارے بھی مقدس ہیں۔ اس لئے ہمیں خون کے گھونٹ پی کر صبر کرنا پڑتا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

قَوْمِیْ هُمُ قَتَلُوْا اُمَیْمَ اَخِیْ + فَاِذَا رَمَیْتُ یُصِیْبُنِیْ سَهْمِیْ

یعنی میرے بھائی امیم کی قاتل میری قوم ہی ہے۔ اب اگر میں بطور قصاص ان پر تیر چلاؤں۔ تو یہ تیر بھی مجھے ہی آکر لگتا ہے۔ کیونکہ آخر وہ میری ہی قوم ہے۔ اس لئے میں کروں تو کیا؟

یہاں فصل سوئم اور اس سے متعلقہ عنوانات پر تنقید ختم ہوئی۔ اب ہم بفضلہٖ تعالےٰ فصل چہارم پر تنقید شروع کرتے ہیں ؂

فصل چہارم

اور اُس سے متعلّقہ مضامین پر تنقید

بُروز و اتّحاد کی اصلیّت

فصل چہارم اور تتمہ فصل چہارم میں چودہ ۱۴ مختلف عنوان ہیں۔ جن میں سے سب سے پہلا عنوان "حلول و اتحاد کی حقیقت" ہے۔ اس کے ذیل میں محقق صاحب بالقابہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض ایسی تحریریں درج کی ہیں۔ جن میں حضورؑ نے اپنے تئیں گذشتہ انبیاء مثلاً حضرت کرشنؑ۔ حضرت مسیحؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار

دیا ہے۔" بروز و اتحاد" کی حقیقت پر اس سے قبل تالیف ہٰذا کی فصل اوّل کے عنوان نمبر ۵ یعنی" بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود رسول اللہ کی ذات" کے جواب میں کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ناظرین کتاب ہٰذا کا صفحہ ۸-۱۱-۱۵-۱۲۰ ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ رجعت بروزی

اس جگہ اس قدر عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ" بروزیت" " حقیقت کا حلول" اور نزول روحانیت" وغیرہ تمام اصطلاحات ہم معنی ہیں۔ اور تحفہ گولڑویہ ص۱۰۱۔ اور کلمۃ الفصل" ص۱۸۵ میں جو فرمایا ہے۔ کہ مسیح موعود کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ظہور ہے۔ اس میں بھی مسئلہ رجعت بروزی کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے معنے فنا فی الرسول کے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں اس مرتبہ کو اتحاد سے تعبیر کرتے ہوئے ایک عربی رباعی درج کی ہے۔ جو مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

تَوَهَّمَ وَاشِيْنَا بِلَيْلٍ مَزَارِهٖ | فَهَمَّ لِيَسْعٰى بَيْنَنَا بِالتَّبَاعُدِ
فَعَانَقْتُ حَتّٰى اتَّحَدْنَا تَعَانُقًا | فَلَمَّا اَتَانَا مَا رَاٰى غَيْرَ وَاحِدٖ

یعنی ہمارے بدگو رقیب نے شب کو ہمارے پاس معشوق کے آنے کا گمان کیا۔ اور ہم میں جدائی ڈالنے کی کوشش کی۔ پس میں نے اپنے معشوق کو گلے سے لگا لیا۔ پھر وہ رقیب آیا۔ تو اس نے بجز مجھ ایک کے کسی اور کو نہ دیکھا۔

فارسی کا مندرجہ ذیل شعر بھی اس کے ہم معنی ہے۔ جو نواب صاحب نے مزید وضاحت کے لئے درج کیا ہے:۔

جذبۂ شوق بحدیست میانِ من و تو
کہ رقیب آمد و نشناخت نشانِ من و تو

غیر مستند حوالہ

عنوان مذکورہ بالا کے ذیل میں فاضل محقق صاحب نے مندرجہ ذیل شعر بھی پیش کیا ہے :- ؎

محمدؐ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں ٭ اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

یہ شعر نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا۔ اور "ہینڈبل" بھی جس کے صفحہ ۲ کے حوالہ سے یہ شعر درج کیا گیا ہے۔ نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی تصنیف ہے۔ اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی۔ اس لئے محقق صاحب اسے اصولی طور پر پیش کرنے کا حق نہیں رکھتے ٭

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات اور حضرت مسیح موعودؑ

فصل چہارم کا دوسرا عنوان "عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات" تیسرا "ایک قرآنی معجزہ کی تفسیر" اور چوتھا "مسمریزم کی تشریح" ہے۔ اور ان کے ذیل میں دیانتدار محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب ازالہ اوہام اور ضمیمہ انجام آتھم کے بعض اقتباسات نقل کئے ہیں۔ نیز رسالہ تشحیذ الاذہان بابت ماہ اپریل و جون ۱۹۱۳ء سے بھی دو اقتباسات پیش کئے ہیں۔

مسیحی معجزات تعلیم اسلام کی روشنی میں

افسوس ہے۔ محقق برنی صاحب نے حسب عادت حوالہ جات نقل کرنے میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اقتباسات نامکمل درج کرکے قارئین کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اگر ازالہ اوہام کے وہ صفحات یکجائی نظر سے پڑھے جائیں

جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات پر بحث کی ہے۔ اور جن سے قطع و برید کے ساتھ مخالفین سلسلہ احمدیہ نے وہ اقتباسات لئے ہیں۔ جنھیں محقق صاحب محترم نے بھی نقل کیا ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار نہیں کر رہے۔ بلکہ قرآن مجید میں جو معجزات آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ انہیں قرآن مجید اور اسلام کی تعلیم کی روشنی میں درست تسلیم کرتے ہیں۔ اور انکار صرف اس امر سے ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ایسے معجزات منسوب کئے جائیں۔ جو قرآنمجید اور اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں ؀

معجزہ خلق طیور کے معنی

مثلاً خلق طیور (پرندے پیدا کرنا) کے معجزہ کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس سے حقیقی طور پر پرندوں کا خلق مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسا ماننے سے اللہ تعالےٰ کے سوا ایک اور خالق حقیقی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ قرآنمجید کی رُو سے ہر چیز کا خالق خدا تعالےٰ ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (فرقان ع) یعنی ہر چیز خدا نے پیدا کی ہے۔ اور پھر اُس نے ایک اندازہ کے مطابق اُسے محدود کر دیا ہے۔ اور مشرکوں نے بجُز اس خدائے حقیقی کے اور ایسے ایسے خدا مقرر کر رکھی ہیں۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود پیدا شدہ اور مخلوق ہیں ؀

اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی خالق مان لیا جائے۔ تو اس سے ان کا خدا تعالیٰ کی صفت خلق میں شریک ہونا لازم آتا ہے اس لئے حضرت مسیحؑ

کے لئے "خلق طیر" (پرندے پیدا کرنے) کے الفاظ حقیقت پر محمول نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے کوئی ایسے معنے کرنے چاہئیں۔ جو قرآن مجید کی دوسری آیات اور اسلام کی تعلیم کے خلاف نہ ہوں۔

معجزات کی دو قسمیں ہیں

اسی سلسلۂ بحث میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ معجزات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ

"جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کا کچھ دخل نہ ہو۔ جیسے معجزۂ شق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا . . . . . دوسرے عقلی معجزات ہیں۔ جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کا وہ معجزہ جو صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْر ہے۔" (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۳۰۱)

معجزہ خلق طیور عقلی ہے

معجزات کی اس تقسیم کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزۂ خلق طیور کو دوسری قسم سے قرار دیتے ہوئے ازالہ اوہام طبع اول کے صفحہ ۳۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیحؑ کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کے معجزہ کی طرح عقلی تھا۔"

اور صفحہ ۳۰۳ میں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی ہو۔ کہ ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو۔ جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے۔"

اور ایسا معجزہ دکھانے کی ضرورت کے متعلق تحریر فرمایا:۔

"تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ان دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں

کے خیالات جھکے ہوئے تھے۔ جو شعبدہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سُود اور عوام کو فریفتہ کر نیوالے تھے۔"

یعنی چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہودی لوگ شعبدہ بازی کی قسم کے کرتب دکھا کر لوگوں کو حیران کرتے تھے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کا بطلان ثابت کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو اس زمانہ کے مناسب حال معجزہ خلق طیر عطا فرمایا۔ اور یہ معجزہ عقلی تھا جس کی تعریف یہ ہے۔ کہ اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوا ہو۔ جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔ نہ اس عقل سے جو مجرد عقل انسانی کہلاتی ہے۔ اسی کا نام مسمریزم یا عمل الترب ہے۔

زمانہ کے مناسب حال معجزہ

اور انبیاء کو زمانہ کے مناسب حال معجزہ دیا جانا متکلمین کے نزدیک مسلم ہے۔

علامہ تفتازانیؒ شرح المقاصد جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کَانَتْ مُعْجِزَۃُ کُلِّ نَبِیٍّ مِنْ جِنْسِ مَا غَلَبَ عَلٰی اَھْلِ زَمَانِہٖ وَتَوَاکَلُوْا عَلَیْہِ وَتَفَاخَرُوْا بِہٖ کَالسِّحْرِ فِیْ زَمَنِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَالطِّبِّ فِیْ زَمَنِ عِیْسٰی وَالْمُوْسِیْقِیْ فِیْ زَمَنِ دَاوٗدَ وَالْفَصَاحَۃِ فِیْ زَمَنِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔"

یعنی ہر نبی کو اسی چیز میں اعجاز بخشا جاتا ہے۔ جس میں اس کے زمانہ کے لوگ فخر کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں موسیقی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت پر فخر کیا جاتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان میں سے ہر ایک نبی کو زمانہ کی ضرورت کے مطابق اعجاز بخشا۔

مسمریزم سے نفرت

رہا یہ امر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ خلق طیور کو مسمریزم سے تعبیر کر کے۔ اور پھر یہ لکھکر کہ میں اس کام کو مکروہ اور قابل نفرت سمجھتا ہوں۔ ان کی ہتک کی ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک مکروہ کام کرتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں اس کام کو مکروہ سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہوں۔ وہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ :-

" حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے۔ باذن و حکم الہٰی اختیار کیا تھا۔ ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا " (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۳۱۰ حاشیہ)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مدعا حضرت مسیح علیہ السلام کی شان کو گھٹانا اور ان کی ہتک کرنا نہیں ؛

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسمریزم یا عمل الترب کو شرعی اصطلاح کے مطابق مکروہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ عرفی اصطلاح کے مطابق اسے مکروہ کہا ہے۔ جس کے معنے صرف کراہت طبع کے ہیں ؛

معجزہ خلق طیور کے ایک اور معنے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خلق طیور کے ایک اور معنے بیان کرتے ہوئے ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۴ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" چونکہ قرآن شریف اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے

ان آیات کے روحانی طور پر یہ معنی بھی کر سکتے ہیں۔ کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ اُمّی اور نادان لوگ ہیں۔ جن کو حضرت عیسیٰؑ نے اپنا رفیق بنایا۔ گویا صحبت میں لے کر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا۔ پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی۔ جس سے وہ پرواز کرنے لگے۔"

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے منکر نہ تھے۔ بلکہ ان کو قرآن مجید اور تعلیم اسلام کی روشنی میں درست تسلیم کرتے تھے:

حضرت اقدس مسیحی معجزات کے منکر نہ تھے

محقق صاحب بالقابہ نے ازالہ اوہام کی جن عبارتوں سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا ہے۔ ان کے متعلق حضرت اقدس اپنی کتاب شہادت القرآن صفحہ ۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنھوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اس عاجز کو دے کر ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے۔ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں۔ مگر واضح رہے۔ کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے۔ ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں۔ بے شک ان سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے۔"

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا واضح اقرار کے باوجود بھی کوئی منصف مزاج اور حق پرست انسان یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ

آپ معجزات عیسوی کے منکر تھے ؟

حضرت مسیح کی توہین کا الزام

صداقت شعار محقق صاحب نے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات" اور "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت" کے عنوانات کے ذیل میں ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ تا ۷ حاشیہ اور مکتوبات احمدیہ جلد سوم ص۲۳ کے حوالوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں حضور نے حسب ذیل امور بیان فرمائے ہیں :۔

۱۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف بہت سے معجزات منسوب کرتے ہیں۔ مگر ان کے پاس ان معجزات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائی کہتے ہیں۔ کہ وہ بعض بیماروں کو چنگا کرتے تھے۔ مگر انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے زمانہ میں ایک تالاب کے پانی کی بھی یہی خاصیت تھی۔ کہ اس میں نہانے والے بیمار اچھے ہو جاتے تھے۔ اور یہ امر حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو جن کی بناء پر عیسائی آپ کی الوہیت کے قائل ہیں مشتبہ کر رہا ہے۔

۳۔ عیسائی معتقدات کی رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بعض دادیاں اور نانیاں زنا کار تھیں۔

۴۔ اناجیل سے ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سر پر بعض بدکار عورتوں نے تیل اور عطر ملا۔

۵۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا شادی نہ کرنا۔ آنحضرت صلعم پر ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ مگر حقیقت میں یہ امر ظاہر کرتا ہے۔ کہ ان میں مردانہ صفت مفقود تھی۔ اس لئے آپ حسن معاشرت

کا وہ عملی نمونہ پیش نہ کر سکے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا :

پادری فتح مسیح کو الزامی جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا تحریرات کو نقل کرنے سے محقق صاحب کا مقصود یہ ہے کہ پبلک میں آپ کے خلاف یہ زہر پھیلائیں۔ کہ گویا آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک اور تحقیر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں تحریریں یعنی ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳ تا ۱۰ کا حاشیہ اور مکتوبات احمدیہ جلد سوئم کا مکتوب ۳ ایک پادری فتح مسیح نامی کو مخاطب کر کے الزامی رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ پادری مذکور نے اپنے ایک خط میں جو اس نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نہایت ناپاک اور گندے حملے کئے تھے۔ اس لئے حضرت اقدس نے اُسے عیسائی مسلمات کی رُو سے الزامی جواب دیا۔ چنانچہ آپ نے ان تحریرات میں جابجا اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ یہ سب کچھ فتح مسیح کے خط کے جواب میں بطور الزام لکھا گیا ہے۔ ورنہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا سچا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں آپ کے جو معجزات اور شان بیان کی گئی ہے۔ اسپر ہمارا ایمان ہے :

پادری فتح مسیح کا دل آزار خط

پادری فتح مسیح کے جس خط نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ تحریرات شائع کرنے پر آمادہ کیا۔ اس کے مضامین از حد اشتعال انگیز اور ایک غیور مسلمان کی غیرت کو انتہائی درجہ برانگیختہ کرنے والے تھے۔ ہمیں اندیشہ ہے۔ کہ اس ناپاک خط کا ذکر قارئین کرام کے جذبات کو ٹھیس لگانے کا موجب ہوگا۔ مگر چونکہ حقیقت حال کا انکشاف بھی ضروری ہے۔

اس لئے اس خط کے بعض مضامین بالاختصار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ تا ناظرین اندازہ کر سکیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن تحریرات پر چشتی قادری محقق صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ ان کی اصل بنا کیا تھی۔ اور یہ کہ حضور ایسا لکھنے میں کہاں تک حق بجانب تھے۔

پادری فتح مسیح کے خط کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذالک شہوت پرست اور زانی تھے۔ (خدا کی لعنت اس پر جس نے ایسا کہا) آپ نے شہوت رانی کے لئے بہت سی لونڈیاں اور بیویاں کیں۔ جن میں سے سب سے کمسن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جن کی عمر بوقت شادی ۹ برس کی تھی۔ آپ نے اپنے متبنی کی بیوی حضرت زینب رضؓ سے بھی شادی کی۔ جو ناجائز ہے۔

۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی روحانی کام سرانجام نہیں دیا۔ بلکہ ساری عمر عیش و عشرت میں گذاری (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) لیکن برخلاف اس کے حضرت مسیح علیہ السلام نے بیماروں کو اچھا کرنے کے معجزات دکھائے۔ اور تمام دنیاوی تعلقات سے منقطع رہے نہ شادی کی۔ اور نہ جنگیں کیں۔

ہم نے مذکورہ بالا سطور میں بادل ناخواستہ پادری فتح مسیح کے خط کا ایک حصہ خلاصۃً درج کیا ہے۔ اسے پڑھنے سے ایک غیور مسلمان کا دل چھلنی ہو جاتا۔ اور اس کا خون کھولنے لگتا ہے۔ اور اگر حالات مجبور نہ کرتے۔ تو ہم ان ناپاک کلمات کو اس جگہ درج نہ کرتے۔ ناظرین ان کے درج کرنے میں ہمیں معذور خیال کرتے ہوئے غور فرمائیں۔ کہ کیا اس خط کے

جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بحیثیت ایک غیور مسلمان یہ فرض نہ تھا۔ کہ آپ ایسے خبیث انسان کو جس نے محض آپ کا دل دکھانے کے لئے یہ بکواس کی تھی۔ تحقیقی جواب کے علاوہ الزامی جواب بھی دیتے۔ اور عیسائیوں کے یسوع کی جسے وہ خدا مانتے ہیں۔ کسی قدر حقیقت ظاہر کرتے۔ تا انہیں ہوش آتا۔ اور وہ آئندہ ایسے گندے حملوں سے باز آتے ؛

مقامِ افسوس

کیا یہ مقام افسوس نہیں ہے۔ کہ آج مسلمان کہلانے والے ایک شخص پر اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس نے عیسائی معترضین کو جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ازراہِ شرارت اعتراضات کئے تھے۔ دندان شکن جواب دئے۔ تعجب ہے۔ ان کی غیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک تو برداشت کرلیتی ہے۔ مگر عیسائیوں کے یسوع کی نسبت اگر کوئی کلمہ الزامی جواب کے رنگ میں مسیحی مسلمات کی رُو سے کہا جائے۔ تو ان کی خفتہ غیرت فوراً بیدار ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے سارے سازوسامان کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرت مسیح کی دو حیثیتیں

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وہ جو عیسائی پیش کرتے ہیں۔ یعنی الوہیت وابنیت کا مقام۔ دوسری وہ جو قرآن مجید نے پیش کی ہے۔ یعنی نبوت و رسالت کا مقام۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ انجام آتھم اور مکتوبات احمدیہ جلد سوئم کی زیر بحث تحریرات میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ الزامی جواب کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کی پہلی حیثیت کو مدنظر رکھ کر عیسائیوں کے مقابل میں لکھا ہے۔ چنانچہ حضور مکتوبات احمدیہ جلد سوئم کے صفحہ ۲۰ میں پادری فتح مسیح کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔

"اے نالائق! کیا تو اپنے خط میں سرور انبیاء علیہم السلام پر زنا کی تہمت لگاتا ہے۔ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ اور ہمارا دل دکھاتا ہے۔ ہم کسی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور نہ کریں گے۔ مگر آئندہ کے لئے سمجھاتے ہیں۔ کہ ایسی ناپاک باتوں سے باز آجاؤ۔ اور خدا سے ڈرو جس کی طرف پھرنا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بھی گالیاں مت دو۔ یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت برا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ خدائی کا دعوےٰ کیا۔ اور نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی۔ اور ان پر ایمان لایا۔"

اور ضمیمہ انجام آتھم صہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بالآخر ہم لکھتے ہیں۔ کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا۔ کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سی گالیاں دی ہیں۔ . . . . اور مسلمانوں کو واضح رہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی۔ کہ وہ کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔"

الزامی جواب کا پہلو مجبوراً اختیار کیا گیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا تحریرات سے صاف عیاں ہے۔ کہ آپ نے

یسوع کی نسبت جو چند کلمات اپنی بعض کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں۔ وہ عیسائیوں کے مسلمات کی رُو سے بطور الزام مجبوراً لکھے ہیں۔ تا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بے ہودہ اور شرارت آمیز اعتراضات کرنے سے رُک جائیں۔ آپ کا اگر کوئی قصور ہے۔ تو صرف یہ کہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف مخالفین اسلام کا کوئی کلمہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے عیسائیوں کی طرف سے بہت کچھ ستائے جانے کے بعد الزامی جوابات دینے کا پہلو اختیار کیا۔ کیونکہ صرف تحقیقی جوابات انہیں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام پر گندے اعتراضات کرنے سے روک نہ سکے۔ لہذا بطور علاج الزامی جواب دینے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ مکتوبات احمدیہ کے مذکورہ بالا خط کے صفحہ ۳۳ میں پادری فتح مسیح وغیرہ پادریوں کو مخاطب کرکے تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر خدا تعالےٰ آپ لوگوں کو اخلاق نصیب کرے۔ تو ہم بچوں کی طرح آپ لوگوں کو شفقت اور رحمت سے تعلیم دے سکتے ہیں۔ اور محبت اور خلق سے ہر ایک بات میں آپ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ مگر آپ تو درندوں کی طرح ہم پر گرتے ہیں۔ پھر آخر ہم نہ جوش غصہ سے بلکہ تادیب کے لئے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ہاں اگر آپ حقیقی خلق برتنے اور درندگی چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ تو ہم بھی محبت اور خلق اور عزت کرنے کے لئے طیار ہیں"

حضرت مسیح کی واجبی تعظیم کے واضح اقرار

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا تحریرات ہی اس امر کا کافی ثبوت ہیں۔ کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں۔

تاہم مزید وضاحت کے لئے حضور کی بعض اور تحریرات سے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے اس الزام کا بکلی استیصال ہو جاتا ہے۔ کہ آپ نے نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین کی ہے۔

۱۔ "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے۔ جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے" (ایام الصلح ص ٹائٹل پیج)

۲۔ "ہم جس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں۔ تو پھر کیونکر ہماری قلم سے انکی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں" (کتاب البریہ ص ۹۳)

۳۔ "میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ کوئی شخص حسینؓ یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدظنی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے" (اعجاز احمدی ص ۳۱)

۴۔ "موسیٰؑ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہمنام ہوں۔ اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے۔ کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا" (کشتی نوح ص ۱۶)

حضرت عیسیٰؑ کے حقیقی بھائی

جناب محقق صاحب نے زیر عنوان "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت" دو حوالے کشتی نوح صفحہ ۱۶ اور اس کے حاشیہ سے بھی نقل کئے ہیں۔

جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ حضرت یسیح علیہ السلام کے چار حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں بھی تھیں۔ اور چونکہ یہ امر تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے آپ نے حاشیہ میں بطور شہادت پادری جان، ایلن گائلز کی کتاب اپاسٹولک ریکارڈس کا حوالہ بھی درج فرمایا ہے۔ جسے حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائی بہنوں کے وجود میں شک ہو۔ وہ کتاب مذکور دیکھ سکتا ہے ؛

اگر یہ سوال ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائی بہنوں کے لئے حقیقی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس سے یہ شبہ پڑتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک جس طرح حضرت مسیحؑ کے بھائی بہنوں کی ولادت باپ کے وسیلہ سے ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بھی با باپ تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "حقیقی" کے لفظ کی اسی جگہ خود تشریح فرما دی ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ" ایک ہی ماں کے بیٹے" اور" سب مریم بتول کے پیٹ سے ہیں"۔ نہ ان معنوں میں کہ ان سب کی ولادت با باپ تھی۔ پس حقیقی کا لفظ اس جگہ مجازی کے بالمقابل استعمال ہوا ہے ؛

حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں متعدد مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے کشتی نوح کی عبارت میں "حقیقی" کے لفظ سے ایسے معنے مراد نہیں لئے جا سکتے۔ جو حضورؑ کی دیگر واضح تحریرات کے خلاف ہوں۔ ذیل میں ان میں سے بعض درج کی جاتی ہیں ؛

۱۔ "اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا۔ کہ یہود کی جڑ کاٹ دے۔ اور ان کی ذلت و رسوائی کو پختہ کرے۔ سو اس نے اس کے لئے پہلی بات یہ کی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ محض قدرت سے پیدا کیا" (مواہب الرحمٰن ص۲ ترجمہ عبارت عربیہ)

۲۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی" (" ص۲۶ ")

۳۔ "حضرت عیسیٰؑ کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا۔ کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیحؑ کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا۔ کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔ پس اس نے تنبیہ کے طور پر ان کو یہ نشان دکھایا۔ کہ ان میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا" (لیکچر سیالکوٹ ص۱۷)

۴۔ "عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل میں سے سوائے ماں کے کوئی باپ نہ تھا۔ اس طرح پر خدا نے ان کو بے باپ پیدا کیا۔ اور اس میں ایک اشارہ ہے۔ اور یہ ایک نشان اور دلیل تھی یہود کے لئے۔ اور ایک پوشیدہ خبر تھی۔ اور وہ راز یہ تھا۔ کہ بنی اسرائیل میں سے اب نبوت جاتی رہے گی۔ اور یہ امر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بطور ارہاص تھا" (خطبہ الہامیہ ص۳۶)

حضرت مریم علیہا السلام کی عفت

محترم محقق صاحب نے فصل چہارم میں ایک عنوان "مریم علیہا السلام کی عصمت" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح ص۱۶ سے ایک عبارت درج کی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت مریم علیہا السلام قدرت الٰہی سے حاملہ ہوئیں۔ تو بزرگان قوم کے اصرار کی وجہ سے انہوں نے حمل کی حالت میں یوسف نجار سے نکاح کر لیا۔ گو (یہودی) لوگ اعتراض

جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے چار حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں بھی تھیں۔ اور چونکہ یہ امر تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے آپ نے حاشیہ میں بطور شہادت پادری جان ایلین گائلز کی کتاب ایپا سٹولک ریکارڈس کا حوالہ بھی درج فرمایا ہے۔ جسے حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائی بہنوں کے وجود میں شک ہو۔ وہ کتاب مذکور دیکھ سکتا ہے ؛

اگر یہ سوال ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائی بہنوں کے لئے حقیقی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس سے یہ شبہ پڑتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک جس طرح حضرت مسیح کے بھائی بہنوں کی ولادت باپ کے وسیلہ سے ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بھی با باپ تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "حقیقی" کے لفظ کی اسی جگہ خود تشریح فرما دی ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ "ایک ہی ماں کے بیٹے" اور "سب مریم بتول کے پیٹ سے ہیں"۔ نہ ان معنوں میں کہ ان سب کی ولادت با باپ تھی۔ پس حقیقی کا لفظ اس جگہ مجازی کے بالمقابل استعمال ہوا ہے ؛

حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں متعدد مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے کشتی نوح کی عبارت میں "حقیقی" کے لفظ سے ایسے معنے مراد نہیں لئے جا سکتے۔ جو حضورؑ کی دیگر واضح تحریرات کے خلاف ہوں۔ ذیل میں ان میں سے بعض درج کی جاتی ہیں ؛

۱۔ "اللہ تعالےٰ نے ارادہ کیا۔ کہ یہود کی جڑ کاٹ دے۔ اور ان کی ذلت ورسوائی کو پختہ کرے۔ سو اس نے اس کے لئے پہلی بات یہ کی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ محض قدرت سے پیدا کیا۔" (مواہب الرحمٰن صـ۲۲ ترجمہ عبارت عربیہ)

۲۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔" (" صـ۷۶ ")

۳۔ "حضرت عیسیٰؑ کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا۔ کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیحؑ کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا۔ کہ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔ پس اس نے تنبیہ کے طور پر ان کو یہ نشان دکھایا۔ کہ ان میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا۔" (لیکچر سیالکوٹ صـ۱۷)

۴۔ "عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل میں سے سوائے ماں کے کوئی باپ نہ تھا۔ اس طرح پر خدا نے ان کو بے باپ پیدا کیا۔ اور اس میں ایک اشارہ ہے۔ اور یہ ایک نشان اور دلیل تھی یہود کے لئے۔ اور ایک پوشیدہ خبر تھی۔ اور وہ راز یہ تھا۔ کہ بنی اسرائیل میں سے اب نبوت جاتی رہے گی۔ اور یہ امر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بطور ارہاص تھا۔" (خطبہ الہامیہ صـ۳۳)

حضرت مریم علیہا السلام کی عفت

محترم محقق صاحب نے فصل چہارم میں ایک عنوان "مریم علیہا السلام کی عصمت" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح صـ۱۶ سے ایک عبارت درج کی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت مریم علیہا السلام قدرت الٰہی سے حاملہ ہوئیں۔ تو بزرگان قوم کے اصرار کی وجہ سے انہوں نے حمل کی حالت میں یوسف نجار سے نکاح کر لیا۔ گو (یہودی) لوگ اعتراض

کرتے ہیں۔ کہ توریت کی تعلیم کی رُو سے یہ نکاح کئی وجوہ سے جائز نہ تھا۔ مگر یہ سب اعتراضات غلط ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ مجبوریوں کی وجہ سے کرنا پڑا (ملخصاً)

اُلٹی سمجھ

یہ معلوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر سے "حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت" پر کیا حرف آتا ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہودیوں وغیرہ معترضین کے اعتراضات کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ تو پھر بھی اسے محل اعتراض قرار دینا کسی اُلٹی سمجھ والے انسان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی زبان

پاکیزہ اطوار محقق صاحب نے فصل چہارم میں ساتواں عنوان "مرزا صاحب کی زبان" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حسب ذیل کتابوں اور اشتہارات سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔

(۱) آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷ (۲) انوار الاسلام ص۳۱ (۳) ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳ (۴) نجم الہدیٰ ص۱۰[۱] (۵) جنگ مقدس ص۱۸۹[۲] (۶) اشتہار مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء (۷) اشتہار مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۸۹۸ء (۸) اشتہار مورخہ ۵۔ نومبر ۱۸۹۹ء۔

آنجناب نے مذکورہ بالا کتابوں اور اشتہارات سے بعض سخت الفاظ

---

[۱] نجم الہدیٰ کل ۷۲ صفحات کی کتاب ہے۔ جو عبارت جناب محقق صاحب نے صفحہ ۶۰ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ وہ اس کے ص۱۰ میں ہے۔ [۲] جناب محقق صاحب نے جو الفاظ جنگ مقدس ص۱۸۹ کے حوالہ سے درج کئے ہیں۔ وہ "روئداد مباحثہ جلسہ ۵ رجون" کے عنوان کے ماتحت ص۱ میں ہیں۔ جنگ مقدس کا ۱۸۹ صفحہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

نقل کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنے مخالفین کے حق میں دشنام دہی اور سخت کلامی کرنے کا الزام لگایا ہے۔

فریب کاری

لیکن ناظرین یہ سنکر متعجب ہونگے۔ کہ ان میں سے جنگ مقدس۔ اشتہار مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۹۴ء۔ اشتہار مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء اور اشتہار مورخہ ۵ر نومبر ۱۸۹۹ء کے حوالوں سے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے کسی مخالف کے حق میں استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ وہ الفاظ ہیں۔ جو آپکے مخالفین آپ کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ اور آپ نے انہیں بطور حکایت نقل کر کے خدا تعالےٰ کے حضور دعا کی ہے۔ کہ اے خدا اگر میں واقعی ایسا ہوں جیسا کہ یہ لوگ میرے متعلق مشہور کرتے ہیں۔ تو تو مجھے تباہ و برباد کر۔ اور اگر میں ایسا نہیں۔ تو میری صداقت کا کوئی نشان ظاہر کر۔ تا یہ لوگ میری تکذیب اور گالیوں سے باز آئیں۔ اور ہدایت سے دور نہ جا پڑیں چنانچہ ان میں سے اشتہار مورخہ ۵۔ نومبر ۱۸۹۹ء کا ایک اقتباس جس میں چند سخت الفاظ فاضل محقق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ میں نقل کئے ہیں۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ تا ناظرین سمجھ سکیں۔ کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب نے اپنی "علمی تحقیقات" میں کیسی کیسی ناجائز کارروائیاں کی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام" اس عاجز غلام احمد قادیانی کی آسمانی گواہی طلب کرنے کے لئے ایک دعا۔ اور حضرت عزت سے اپنی نسبت آسمانی فیصلہ کی درخواست" کے عنوان کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:—

" اے میرے حضرت اعلیٰ ذوالجلال قادر قدوس حیّ و قیوم جو ہمیشہ

راستبازوں کی مدد کرتا ہے۔ تیرا نام ابد الآباد تک مبارک ہے۔ تیری قدرت کے کام کبھی رُک نہیں سکتے۔ تیرا قوی ہاتھ ہمیشہ عجیب کام دکھاتا ہے۔ تُو نے ہی اس عاجز کو اس چودھویں صدی کے سر پر مبعوث کیا ہے۔ . . . . مگر اے میرے قادر خدا تُو جانتا ہے۔ کہ اکثر لوگوں نے مجھے منظور نہیں کیا۔ اور مجھے **مفتری** سمجھا۔ اور میرا نام کافر اور کذاب اور دجّال رکھا گیا۔ مجھے گالیاں دی گئیں۔ اور طرح طرح کی دلآزار باتوں سے مجھے ستایا گیا۔ . . . . . . یہ وہ باتیں ہیں۔ جو خود ان لوگوں نے میری نسبت کہیں۔ جو مسلمان کہلاتے اور اپنے تئیں اچھے اور اہلِ عقل اور پرہیزگار جانتے ہیں۔ . . . . . . انہوں نے صدہا آسمانی نشان تیری طرف سے دیکھے۔ مگر پھر بھی قبول نہ کیا۔ . . . . . . سوائے میرے قادر مولا خدا! اب مجھے راہ بتا۔ اور کوئی ایسا نشان ظاہر فرما۔ جس سے تیرے سلیم الفطرت بندے نہایت قوی طور پر یقین کریں۔ کہ میں تیرا مقبول ہوں۔ اور اس طرح پر تمام قومیں جو زمین پر ہیں۔ تیری قدرت اور جلال کو دیکھیں۔ اور سمجھیں۔ کہ تو اپنے بندے کے ساتھ ہے۔ لیکن اگر اے پیارے مولا میری رفتار تیری نظر میں اچھی نہیں۔ تو مجھے اس صفحۂ دنیا سے مٹا دے۔ تا میں بدعت اور گمراہی کا موجب نہ ٹھہروں۔ . . . . . . اے میرے خدا تیرے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ اگر تُو چاہے۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تُو میرا ہے۔ جیسا کہ میں تیرا ہوں۔ میں تیری جناب میں الحاح سے دُعا کرتا ہوں۔ اگر یہ سچ ہے۔ کہ میں تیری طرف سے ہوں۔ اور اگر یہ سچ ہے۔ کہ تُو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ تو تُو میری تائید میں اپنا کوئی ایسا نشان دکھا۔ جو پبلک کی نظر میں انسانوں کے ہاتھوں اور انسانی منصوبوں سے برتر

یقین کیا جائے۔ تا لوگ سمجھیں۔ کہ میں تیری طرف سے ہوں۔ . . .
. . . . مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم ہے۔ کہ مجھے تیرا فیصلہ منظور
ہے۔ پس اگر تو تین برس کے اندر جو جنوری سنہ ۱۹۰۰ عیسوی سے شروع ہو کر
دسمبر سنہ ۱۹۰۲ عیسوی تک پورے ہو جائیں گے۔ میری تائید میں اور میری
تصدیق میں کوئی آسمانی نشان نہ دکھاوے۔ اور اپنے اس بندے کو ان
لوگوں کی طرح رد کر دے۔ جو تیری نظر میں شریر اور پلید اور بیدین
اور کذاب اور دجال اور خائن اور مفسد ہیں۔ تو میں تجھے گواہ کرتا
ہوں۔ کہ میں اپنے تئیں صادق نہ سمجھوں گا۔ اور ان تمام تہمتوں اور الزاموں
اور بہتانوں کا اپنے تئیں مصداق سمجھ لوں گا۔ جو میرے پر لگائے جاتے
ہیں۔ دیکھ! میری روح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسے پرواز کرتی
ہے۔ جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے۔ سو میں تیری قدرت کے
نشان کا خواہشمند ہوں۔ لیکن نہ اپنے لیئے اور نہ اپنی عزت کے لیئے بلکہ
اس لیئے کہ لوگ تجھے پہچانیں۔ اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں۔ اور
جس کو تو نے بھیجا ہے۔ اس کی تکذیب کر کے ہدایت سے دور نہ جا پڑیں
. . . . . اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں۔ اور جیسا کہ خیال کیا گیا
ہے۔ کافر اور کاذب نہیں ہوں۔ تو ان تین سال میں جو اخیر دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء
تک ختم ہو جائیں گے۔ کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو۔
. . . . . اور میں نے اپنے لیئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ اگر میری یہ
دعا قبول نہ ہو۔ تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور کافر اور بے دین
اور خائن ہوں۔ جیسا کہ مجھے سمجھا گیا ہے۔ اگر میں تیرا مقبول بندہ ہوں۔ تو
میرے لیئے آسمان سے ان تین برسوں کے اندر گواہی دے۔ تا ملک میں

امن اور صلحکاری پھیلے۔ اور نا لوگ یقین کریں۔ کہ تُو موجود ہے۔ اور دعاؤں کو سنتا ۔ اور ان کی طرف جو تیری طرف جھکتے ہیں۔ جُھکتا ہے۔ اب تیری طرف اور تیرے فیصلہ کی طرف ہر روز میری آنکھ رہے گی۔ جب تک آسمان سے تیری نصرت نازل ہو ؟"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا سوز و گداز اور خدا تعالیٰ پر ایمان سے پُر دعا میں سے جدید تعلیمیافتہ محقق صاحب بالقابہ نے صرف وہ سخت الفاظ جنہیں ہم نے جلی قلم سے لکھا ہے ۔نقل کئے ہیں۔ اور یوں ناظرین کو اس خطرناک غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الفاظ اپنے مخالفین کے حق میں استعمال کر کے انہیں گالیاں دی ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ محترم محقق صاحب کی اس شرمناک حرکت کا کیا نام رکھیں۔ اس لئے ہم اسے آپ ہی کی نگاہِ انتخاب پر چھوڑتے ہیں۔ کہ وہ اس کے لئے بہترین عنوان یا نام تجویز کر سکتی ہے۔

دیانتدار محقق صاحب کی اس فریب کاری کا پردہ چاک کرنے کے بعد ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں بعض مواقع پر جو سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ وہ کن حالات اور کن کے حق میں استعمال فرمائے ہیں۔ اور یہ کہ ان کے استعمال میں آپ نے قرآن مجید ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و صلحاء کی سنّت کی پیروی کی ہے ۔

آنحضرت صلعم پر مخالفین پر سختی کرنے کا الزام

مخالفین پر سختی کرنے کا اعتراض کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ جو آج صرف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہی ہوا ہو۔ بلکہ یہ ایسا اعتراض ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی آریہ اور عیسائی وغیرہ مخالفین اسلام کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور اہل اسلام کی طرف سے اس کا صرف ایک ہی جواب دیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین پر ابتداءً سختی نہیں کی۔ بلکہ ایک لمبے عرصہ تک ان کے مظالم کا تختۂ مشق بنے رہنے کے بعد مظلومی کی حالت میں بطور دفاع کی۔ اور ہماری طرف سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سختی کا الزام لگانے والوں کے لئے یہی جواب ہے۔ اگر ہمارے مخالف انصاف سے کام لیں۔ اور واقعات پر دیانتداری سے نگاہ ڈالیں۔ تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ابتداءً کسی پر سختی نہیں کی۔

ابتداء کس نے کی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پبلک زندگی کی ابتداء ۱۸۸۰ء سے ہوئی جبکہ آپ نے کتاب براہین احمدیہ جلد اول تا جلد چہارم کی تصنیف شروع کی۔ اسکی تالیف و اشاعت پورے چار سال کے بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ کتاب مخالفین اسلام کے رد میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد آپ نے ۱۸۸۶ء و ۱۸۸۷ء میں علی الترتیب "سرمہ چشم آریہ" و "شحنۂ حق" آریوں کے رد میں لکھیں۔ ان کے علاوہ حضورؑ نے بعض اور رسائل و اشتہارات بھی اس عرصہ میں اسلام کی تائید میں تصنیف فرمائے۔ یہ سب تصانیف مسلمانوں میں نہایت مقبول ہوئیں۔ اور ان کی وجہ سے آپ کا نام تمام ہندوستان میں مشہور ہو گیا۔ اور عام طور پر آپکو اسلام کا خیرخواہ اور مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسلام کا بہادر سپاہی سمجھا جاتا تھا۔

مولویوں کی بدتمیزی

اس کے بعد آپ کی زندگی کا وہ دَور شروع ہُوا جس میں آپ نے خدا تعالےٰ کے حکم اور وحی سے وفاتِ مسیح اور اپنے ماموروثیلِ مسیح ہونے کا عملی الاعلان دعوٰی کیا ۔ اس کی ابتداء ۱۸۹۰ء سے ہوئی ۔ جبکہ آپ نے اپنی کتب " توضیح مرام" اور " فتح اسلام" شائع کیں ۔ ان کے شائع ہوتے ہی علماء نے آپ کی مخالفت شروع کردی ۔ اور انفرادی طور پر بعض نے کفر کا فتوٰی بھی لگایا ۔ اور سب وشتم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا ۔

اس کے کچھ عرصہ بعد حضور کی کتاب " ازالہ اوہام" شائع ہوئی جس میں آپ نے اپنے دعوٰی مسیحیت اور وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام کو قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے بدلائل ثابت کیا ۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر علماء کے گروہ نے پہلے سے بھی زیادہ بدتمیزی دکھائی ۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو پہلے حضورؑ کا مدّاح تھا ۔ اور اب دشمن بن چکا تھا ۔ سارے ہندوستان میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آپ کے خلاف علماء و جہلاء میں مخالفت اور دشمنی کی آگ لگادی جس کے نتیجہ میں وہ ننگِ اسلام فتوٰی تکفیر تیار ہُوا ۔ جس پر تمام فرقوں کے سینکڑوں علماء کے دستخط ثبت ہیں ۔ اور جس کی اشاعت کا سہرا مولوی محمد حسین بٹالوی کے سر پر ہے ۔ اس میں علماء کرام نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جی بھر کر گالیاں دیں ۔ اور دنیا کے تمام بُرے القاب آپ کی طرف منسوب کیے ۔

علماء کی شیریں کلامی کے نمونے

ذیل میں علماء کی اس شیریں کلامی کے چند نمونے درج کئے جاتے ہیں ۔ جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اس فتوے میں کی ہے :-

علیہ السلام نے صبر سے کام لیا۔ اور آپ ایک عرصہ تک ان لوگوں کو نرمی
سے سمجھاتے رہے۔ لیکن جب یہ لوگ اس پر بھی حد سے گذرتے گئے۔ اور
او کسی طرح بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ تو پھر آپ نے بھی بحیثیت مظلوم ہونے
انکے۔ ان کے مقابل میں اصلاح کی غرض سے بطور دفاع سختی کی۔ چنانچہ آپ
بابت یہ فرماتے ہیں :-

"تمام مخالفوں کی نسبت میرا یہی دستور رہا ہے۔ کوئی ثابت نہیں
کر سکتا۔ کہ میں نے کسی مخالف کی نسبت اس کی بدگوئی سے پہلے خود
بانی میں سبقت کی ہو۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب جرأت سے
منہ زبان کھول کر میرا نام دجال رکھا۔ اور میرے پر فتویٰ کفر لکھوا کر صد ہا
وبندوستان کے مولویوں سے گالیاں دلوائیں۔ اور مجھے یہود
میں حمانی سے بدتر قرار دیا۔ اور میرا نام کذاب۔ مفسد۔ دجال۔ مفتری۔ مکار
دجال۔ فاسق۔ فاجر۔ خائن رکھا۔ تب خدا نے میرے دل میں ڈالا۔ کہ
نیک نیت کے ساتھ ان تحریروں کی مدافعت کروں۔ میں نفسانی
مسیح موعود ہے کسی کا دشمن نہیں۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ ہر ایک سے بھلائی
کروں۔ مگر جب کوئی حد سے بڑھ جائے۔ تو میں کیا کروں۔ میرا انصاف
کے پاس ہے۔ ان سب مولوی لوگوں نے مجھے دُکھ دیا۔ اور حد سے زیادہ
دکھ دیا۔ اور ہر ایک بات میں ہنسی اور ٹھٹھا کا نشانہ بنایا۔ پس میں بجز
اس کے کیا کہوں۔ کہ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ
رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ٢)

سطور بالا میں حضرت مسیح موعود نے اپنے معترضین کو چیلنج کیا ہے۔
کہ وہ کسی ایک شخص کی نسبت یہ ثابت کریں۔ کہ آپ نے اس پر سختی کرنے

میں ابتدار کی ہو۔ مگر آج تک کسی کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیونکہ واقعات کی رُو سے کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا۔ کہ حضورؐ نے سختی کرنے میں ابتدار کی ہو ؂

بطور دفاع سختی اور تعلیم اسلام

پس آپ کی اپنے مخالفین پر سختی بطور مدافعت تھی۔ اور آپ کا ان کے ساتھ یہ سلوک اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ مبارکہ کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ (سُورہ نسار عؔ) یعنی (کسی کی) بُری بات کا علانیہ اظہار خدا تعالےٰ کو پسند نہیں۔ ہاں جس پر ظلم ہُوا ہو۔ وہ علانیہ طور پر بھی (اس کی) بدی کا اظہار کرسکتا ہے ؂

(۲) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ٥ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ٥ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ٥ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ (شوریٰ عؔ) ترجمہ۔ مومن وہ ہیں۔ کہ جب ان پر کوئی ظلم کرے۔ تب وہ بدلہ لیتے ہیں (یعنی بطور خود ابتدار نہیں کرتے) اور برائی کا بدلہ اُتنی ہی بُرائی ہے۔ اور جو بنظر اصلاح معاف کردے۔ تو اس کا خدا تعالےٰ اجر دیگا۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیں مظلومی کی حالت میں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ صرف الزام ان لوگوں پر ہے۔ جو ظلم کرتے (اور ابتدار کرتے) ہیں۔ اور اس

طرح زمین میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۳) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ٭ (حج ع) ترجمہ۔ اجازت دی گئی (دفاع کی) ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالےٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

(۴) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ٭ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (   ) ترجمہ۔ دعوت دے اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور بحث کر لوگوں سے بہتر طریق پر۔ تیرا رب خوب واقف ہے گمراہوں سے اور ان سے بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور اگر تم بدلہ لو۔ تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو ایذا پہنچائی گئی ہو۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے ظاہر ہے۔ کہ بطور دفاع برائی کا بدلہ برائی سے دینا جائز ہے۔ کیونکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض طبائع نرمی سے نہیں سمجھتیں۔ بلکہ اپنی شرارت میں حد سے بڑھتی جاتی ہیں۔ لیکن جب ان پر سختی کی جائے۔ تو انہیں ہوش آ جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم کا اُسوہ حسنہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ کہ حضور نے ابتداء میں کس طرح خدا تعالیٰ کے حکم سے کفار کی ایذار پر ایک وقت تک صبر کیا۔ لیکن جب وہ اپنی ایذا دہی سے باز نہ آئے۔ تو آپ کو مجبوراً دفع شر کے لئے اذنِ الٰہی کے مطابق ان کی سختی کا سختی سے مقابلہ کرنا پڑا۔ تب جا کر ان کی شرارت کا سدِ باب ہوا۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کفار کے مقابل میں سختی محض جنگ تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ کفار کی زبانی ہجو کا جواب زبانی ہجو سے دیا جاتا تھا۔ چنانچہ **مسلم شریف جلد ۲ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ** میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ اُهْجُهُمْ اَوْ هَاجِهِمْ وَجِبْرَئِيْلُ مَعَكَ۔ یعنی تو کفار کی شعروں میں ہجو بیان کر۔ جبرئیل فرشتہ تیری امداد کریگا۔

اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ارشاد فرمایا۔ اُهْجُوْا قُرَيْشًا فَاِنَّهٗ اَشَدُّ عَلَيْهَا مِنْ رَشْقِ النَّبْلِ فَاَرْسَلَ اِلٰى ابْنِ رَوَاحَةَ فَقَالَ اهْجُهُمْ فَهَجَاهُمْ فَلَمْ يَرْضَ فَاَرْسَلَ اِلٰى كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى حَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ۔ یعنی تم قریش کی ہجو کرو۔ کیونکہ ہجو ان کے لئے تیروں کی مار سے بھی زیادہ سخت اور تکلیف دہ ہے۔ آپ نے پہلے ابن رواحہ رضؓ کو بلا بھیجا۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ ہجو کرے۔ پس اس نے ہجو کی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہجو سے خوش نہ ہوئے۔ پھر حضورؐ نے کعب بن مالکؓ کو بلا بھیجا۔ اور اس کے بعد حسان بن ثابتؓ کو۔ حسان بن ثابت نے ایک لمبا قصیدہ پڑھا جسکا پہلا شعر یہ ہے

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ ÷ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْجَزَاءُ

یعنے تو نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی ہے۔ جس کا میں جواب دیتا ہوں اور خدا تعالےٰ مجھے اس کا اجر دیگا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

"قَالَ الْعُلَمَاءُ وَيَنْبَغِي اَنْ لَا يَبْدَأَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالسَّبِّ وَالْهِجَاءِ لِتَنْزِيْهِ اَلْسِنَةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَنِ الْفُحْشِ اِلَّا اَنْ تَدْعُوْا اِلٰى ذَالِكَ ضَرُوْرَةٌ لِابْتِدَائِهِمْ بِهٖ فَيُكَفَّ اَذَاهُمْ وَنَحْوُهٗ كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

یعنی علماء نے کہا ہے۔ کہ ابتداءً مشرکوں کے مقابل میں سختی اور ہجو نہیں کرنی چاہیئے۔ تاکہ مسلمانوں کی زبانیں فحش سے پاک رہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ضرورت متقاضی ہو۔ اور ان کی طرف سے گالیوں کی ابتداء ہو۔ تو پھر بطور دفاع ان کی شرارت کو روکنے کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا۔"

اس بحث کا مدعا یہ ہے۔ کہ بطور مدافعت مخالفین پر سختی قرآن مجید و احادیث نبویہ کی رُو سے جائز ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ بطور مدافعت اپنے مخالفین پر سختی کی۔ اس لئے آپ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی سختی کی دوسری وجہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے مخالفین پر سختی کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ آپ اس زمانہ کے مامور اور مرسل تھے۔ اور خدا تعالےٰ کے انبیاء اور مامور دنیا کی اصلاح کے لئے آتے ہیں۔ ان کی حیثیت ڈاکٹر اور طبیب کی ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح جسمانی ڈاکٹر اور طبیب مریض کے مرض کی تشخیص کرکے اُسے اُس کے مرض کی اطلاع دیتا ہے۔ اور اگر اس کے جسم میں ناسور وغیرہ زخم ہو۔ تو محض ہمدردی کے طور پر اس کا اپریشن کرکے تمام گند نکالتا ہے۔ اسی طرح روحانی مصلحین جن لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے روحانی امراض کی تشخیص کرکے انہیں بتاتے ہیں۔ کہ ان میں

کیا کیا نقائص اور خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ تا وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اور بعض اوقات جب ان میں کوئی ایسا مرض پیدا ہو جاتا ہے جس کی اصلاح بغیر اپریشن کے ناممکن ہو۔ تو انہیں مجبوراً نشتر چلاکر ان کا اندرونی گند صاف کرنا پڑتا ہے۔ اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمل جراحی اپنی اپنی قوم کی تطہیر کے لئے ہر نبی اور مصلح کو کرنا پڑا۔ اور گو ان کی قومیں اس سے سخت چڑتی اور برہم ہوتی تھیں۔ مگر وہ ان کے نقائص اور خرابیاں بغیر کسی قسم کی مداہنت کے برملا بیان کر دیتے تھے۔ اور حقیقت کے اظہار سے کوئی چیز انہیں روک نہ سکتی تھی ؂

آنحضرت صلعم کا طریق عمل

گو اس ضمن میں بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کے کلمات طیبات بھی قرآن مجید سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مگر ہم ذیل میں عصر حاضر کے بہت بڑے مؤرخ مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں اس پاکیزہ کلام کے چند نمونے پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کے اعمال شنیعہ کا علی الاعلان اظہار فرمایا۔ مولانا موصوف اپنی "سیرت النبیؐ" کی جلد اول میں زیر عنوان "(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب" تحریر فرماتے ہیں:

"ایک بڑا سبب یہ تھا۔ کہ قریش میں بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب جو خاندانِ ہاشم میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ اس نے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زرّیں چُرا کر بیچ ڈالا تھا۔ اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا۔ نمام اور کذاب تھا ۔۔۔

نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بُت پرستی کی بُرائیاں بیان فرماتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے۔ جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں ہمیں علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا۔ لیکن لوگ جانتے تھے۔ کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔

(۱) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ (سورۂ قلم ع۱)

(۲) كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ہے۔ طاعن ہے۔ چغلیاں لگاتا ہے۔ لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے۔ حد سے بڑھ گیا ہے۔ بد ہے۔ تُند خو ہے۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے۔ وہ سُن رکھے۔ کہ اگر وہ باز نہ آیا۔ تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جو کہ جھوٹے اور خطا کار ہیں ؂

ممکن تھا۔ کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا۔ لیکن مدت کی غفلت۔ عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر۔ ریاست کا زعم۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی۔ وہ باخبر نہ ہوتے۔ اس لئے بڑے بڑے جبّار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے ؂

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ہ وَّجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ہ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ہ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ہ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ہ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ہ (سورۂ مدثر ع)

ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو۔ میں نے اس کو پیدا کیا۔ پھر بہت سا مال دیا۔ بیٹے دئے۔ سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے۔ کہ ہم اس کو اور دیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے۔ جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے۔ جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔ لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی۔ اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا۔ یہ تھی۔ کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کی حاجت روائے عام تھے۔ اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے۔ اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا۔ اور ان کی شان میں کہتا تھا۔ اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورہ انبیاء) تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔

ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ توقع یہ تھی۔ کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہو جاتیں۔ لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا۔ . . . . . .

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت کیا۔ اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی۔ تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ادائے فرض سے

باز نہ آ سکتے تھے۔ اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں تمام رؤسائے قریش۔ یعنی عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان۔ عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا۔ کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ یا تم بھی میدان میں آؤ۔ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا۔ کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے۔ اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا۔ کہ "جان عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال۔ کہ میں اٹھا نہ سکوں"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے۔ ابوطالب تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ "خدا کی قسم۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دیں۔ تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا تو اس کام کو پورا کریگا۔ یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا"۔ آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مذکورہ بالا واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ حضور نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے اس کی خرابیوں اور روحانی امراض کا صاف صاف اور بعض اوقات سخت الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اور گو یہ بات آپکی قوم کے لئے انتہائی صبر آزما تھی۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

فریضۂ خداوندی کی ادائیگی سے کسی طرح باز نہ آئے۔ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بعض ناگزیر حالات میں اپنی قوم کی خرابیوں اور نقائص کا علی الاعلان ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ امر قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مصلحین اقوام کو بنظرِ اصلاح ایسا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ناممکن ہے۔

سخت الفاظ کا مخاطب گروہ

قرآن مجید۔ احادیث نبویہ اور حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ مبارکہ سے یہ دکھانے کے بعد کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے مخالفین کے لئے بعض جگہ سخت الفاظ کا استعمال بجا اور برمحل ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت الفاظ کے مخاطب آپ کے سب مخالفین یا نہ ماننے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے صرف وہ لوگ ان کے مخاطب ہیں۔ جو محض شرارت اور عداوت سے آپ کی مخالفت کرتے تھے ؛

دشمن مخالفین

نجم الہدیٰ کے حوالہ سے جو عبارت جناب محقق صاحب نے پیش کی ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر "دشمنوں" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ نہ ماننے والوں اور دشمنوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ نیک نیتی کے ساتھ کسی سے اختلاف عقیدہ رکھنا اور بات ہے۔ اور دشمنی رکھنا امر دیگر۔ پس کسی شخص کو یہ حق نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت الفاظ کو عام کر کے یہ کہے۔ کہ یہ تمام نہ ماننے والوں کے حق میں استعمال کئے گئے ہیں ؛

آنحضرت صلعم کی شکست چاہنے والے

انوار الاسلام صفحہ ۳۰ کے حاشیہ میں

جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس سے بھی ہر مخالف اور نہ ماننے والا مراد
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی کلام کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے۔
کہ اس کے استعمال کے محل اور موقعہ کو نظر انداز نہ کیا جائے یہی وجہ ہے۔
کہ عموماً قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں مفسرین نے ان کے شان نزول کو
ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اسی اصل کے ماتحت اگر انوار الاسلام کی محولہ عبارت
پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نے صرف ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ جو یہ مشہور کرتے پھرتے تھے۔ کہ
آپ کو پادری آتھم کے مقابل میں شکست ہوئی ہے۔ حالانکہ اس مقابلہ میں
پادری آتھم عیسائیوں کی طرف سے وکیل تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ
السلام اہل اسلام کی طرف سے۔ مگر بعض مخالفین جو اپنے آپ کو اسلام
کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے آل محمد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی روحانی اولاد ہونے کے مدعی تھے۔ عیسائیوں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان
کی ہم آہنگی کرتے ہوئے محض شرارت کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے متعلق یہ کہنے لگ گئے۔ کہ آپ کو آتھم کے مقابل میں شکست ہوئی
ہے۔ جو اس امر کا مترادف تھا۔ کہ وہ دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی فتح کے خواہاں نہ تھے۔ بلکہ عیسائیوں کی فتح چاہتے تھے۔ اور جو اپنے
باپ کی فتح نہ چاہے۔ بلکہ اس کی ذلت میں اس قدر مسرت محسوس کرے
کہ اس کی فتح کو بھی شکست قرار دے۔ اس کے ولد الحرام ہونے میں
کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انوار الاسلام
میں ایک خاص گروہ کو ولد الحرام کہا ہے۔ اور وہ بھی حقیقی معنوں میں نہیں۔
بلکہ مجازی معنوں میں ؛

ذُرّیۃ البغایا کون ہیں

اسی طرح آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۷ کی عبارت کا مفہوم بھی اتنا وسیع اور عام نہیں۔ کہ سب مخالفین یا نہ ماننے والے اس کے مصداق قرار دئے جاسکیں کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اول اپنی ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے برکات اور حقانیت و فضیلت اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب ثابت کی گئی ہے۔ مثلاً براہین احمدیہ و سرمہ چشم آریہ۔ اور اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :-

"ان کتابوں کو ہر ایک مسلمان محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور ان میں جو معارف (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے) بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور میری باتوں کو (جو میں نے ان کتابوں میں اسلام کی تائید میں لکھی ہیں) مانتا ہے۔ اور میری (اسلام کی طرف لوگوں کو) دعوت کی تائید کرتا ہے۔ سوائے ذریۃ البغایا کے جن کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے مُہر کردی ہے۔ پس وہ (مذکورہ بالا امور کو) نہیں مانتے"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عبارت کو اگر بنظر انصاف دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں آپ نے اپنے مخالفین میں سے صرف انہیں کو ذریۃ البغایا قرار دیا ہے۔ جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی تھی۔ اور جن کی چشم عداوت کو آپ کا ہنر بھی عیب دکھائی دیتا تھا حتیٰ کہ وہ آپ کی ان اسلامی خدمات سے بھی منکر تھے۔ جن کا سارا زمانہ معترف اور مقر تھا۔ اور چونکہ ایسے لوگ جوشِ عداوت میں ان معارف کا بھی انکار کرتے تھے۔ جن سے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ وسلم کی دوسرے

مذاہب اور ان کے انبیاء پر فضیلت ثابت ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے ان کے لئے مجازاً ذریۃ البغایا کے الفاظ استعمال فرمائے۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان امور سے محض بوجہ دشمنی انکار کیا۔ جن سے آپؑ کی افضلیت ثابت ہوتی تھی۔ ایسے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اور نہ وہ قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مؤمنین کی مائیں قرار دی گئی ہیں۔ کیونکہ آنحضورؐ کی ازواج مطہرات کی اولاد ایسی بے غیرت اور نامعقول نہیں ہو سکتی۔ کہ جب ایک شخص دنیا پر آپؐ کی فضیلت ظاہر کرے۔ تو وہ دشمنی سے اس کی مخالفت کرنے لگے۔ اور ذریۃ البغایا کے مذکورہ[۵] بالا معنے لینا لغت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ

---

[۵] محقق صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی حساب" میں صفحہ ۲۴ سے ۲۷ تک لسان العرب وغیرہ سے بعض حوالہ جات "تلاش کروا کر اس امر کے ثبوت میں درج کئے ہیں۔ کہ بغیہ کے معنے بدکار عورت ہیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں۔ کہ بغیہ کے یہ معنی بھی لغت میں موجود ہیں۔ مگر جو بات ہم پیش کر رہے ہیں۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ تاج العروس کے حوالہ کی رُو سے ابن البغیہ کی ترکیب ایسے شخص کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ جو ہدایت و رشد سے دُور ہو۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیر بحث تحریر میں یہی معنے مقصود ہیں۔ پس اگر محقق صاحب کو اپنی علمیت کے اظہار کا شوق ہے۔ تو انہیں چاہیئے۔ کہ بجائے اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کرنے کے اصل موضوع پر بحث کریں۔ اور دلائل سے تاج العروس کے معنے غلط ثابت کریں۔ کیونکہ جب تک تاج العروس کے بیان کردہ معنی غلط ثابت نہیں کئے جا سکتے۔ تب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ؛

تاج العروس میں ہے۔ "البغیۃ فی الولد نقیض الرشد و یقال ھو ابن بغیۃ - یعنی ابن بغیّۃ کے معنے ہیں۔ ایسا شخص جو ہدایت سے دور ہے۔ اور ذریۃ البغایا جمع کا صیغہ ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ ایسے لوگ جو ہدایت سے دور ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہودیوں کو انہی معنوں میں حرامکار (متی ۱۲/۳۹) سانپوں کے بچے (متی ۳/۷) اور ابلیس کی اولاد (یوحنا ۸/۴۴) کہا ہے ؛

دو بیرونی شہادتیں یہ تو اس امر کی اندرونی شہادتیں ہیں۔ کہ محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے جو سخت الفاظ نقل کئے ہیں۔ کہ ان کے مصداق سب مخالفین یا نہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اب ہم ذیل میں بطور بیرونی شہادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے دو اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جن میں آپ نے اس امر کی نہایت وضاحت سے تصریح فرمائی ہے۔ کہ میری تحریرات میں سخت الفاظ کے مصداق سب مخالفین نہیں ہیں۔ حضور اپنی کتاب لجۃ النور صفحہ ۶۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ کہ نیک علماء اور شریف و مہذب لوگوں کی خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں۔ یا عیسائیوں اور آریوں میں سے۔ توہین اور ہتک کریں" (ترجمہ از عبارت عربیہ)

الہدیٰ ص۶ میں علماء کے متعلق بعض سخت الفاظ اظہار واقعہ کے طور پر استعمال کر کے تحریر فرماتے ہیں:" لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِیْ اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ "

یعنی ہماری یہ گفتگو نیکوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ شریروں کے متعلق ہے ؛

ناظرین خدارا انصاف فرمائیں۔ کہ ان اور اس قسم کی دوسری بہت سی

تحریرات کی موجودگی میں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے سخت الفاظ کا مصداق صرف شریروں کا گروہ قرار دیا ہے۔ محقق صاحب کا اپنے رسالہ "قادیانی حساب" میں ہمارے متعلق یہ شکایت کرنا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت الفاظ کا مصداق آپ کے سب مخالفین کو قرار نہیں دیتے۔ بلکہ نیک اور شرفاء کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ کہاں تک بجا اور درست ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم

محقق صاحب بالقابہ نے تتمہ فصل چہارم میں آٹھواں عنوان "اصحاب قادیانی مرزا صاحب کی زبانی" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں پہلے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارتیں درج کی ہیں۔ جن میں حضور نے اپنے متبعین کو آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (جمعہ ع) کے مطابق صحابۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مثیل قرار دیا ہے۔ اور پھر اشتہار مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ جس میں حضور نے اپنے بعض مریدوں کی کمزوریوں مثلاً باہمی لڑائی جھگڑے کا ذکر کر کے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ افسوس ہے۔ فاضل محقق صاحب نے یہ اقتباس گمراہ کن طریق پر نامکمل درج کیا ہے۔ اگر آپ اُس حصہ سے جسے آپ نے نقل کیا ہے۔ ایک سطر عبارت اور آگے نقل کر دیتے۔ تو آپ کے اعتراض کی ساری حقیقت ظاہر ہو جاتی۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس وقت میری جماعت میں جتنے لوگ داخل ہیں۔ ان میں نجیب الطبع اور سعیدوں کی اکثریت ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ بعض مریدوں میں بیعت کے بعد بھی کچھ نقائص کا پایا جانا قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ امر ان کے مثیلِ صحابہؓ ہونے میں روک بن سکتا ہے۔ کیونکہ کسی جماعت کی عام اخلاقی حالت

تاج العروس میں ہے۔ "البغیۃ فی الولد نقیض الرشد و یقال ھو ابن بغیۃ۔ یعنی ابن بغیۃ کے معنے ہیں۔ ایسا شخص جو ہدایت سے دور ہے۔ اور ذریۃ البغایا جمع کا صیغہ ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ ایسے لوگ جو ہدایت سے دور ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہودیوں کو انہی معنوں میں حرامکار (متی ۱۲/۳۹) سانپوں کے بچے (متی ۳/۷) اور ابلیس کی اولاد (یوحنا ۸/۴۴) کہا ہے ؛

دو بیرونی شہادتیں یہ تو اس امر کی اندرونی شہادتیں ہیں۔ کہ محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے جو سخت الفاظ نقل کئے ہیں۔ کہ ان کے مصداق سب مخالفین یا نہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اب ہم ذیل میں بطور بیرونی شہادت، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے دو اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جن میں آپ نے اس امر کی نہایت وضاحت سے تصریح فرمائی ہے۔ کہ میری تحریرات میں سخت الفاظ کے مصداق سب مخالفین نہیں ہیں۔ حضور اپنی کتاب لجۃ النور صفحہ ۶۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ کہ نیک علماء اور شریف و مہذب لوگوں کی خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں۔ یا عیسائیوں اور آریوں میں سے۔ توہین اور ہتک کریں" (ترجمہ از عبارت عربیہ)

الہدیٰ صفحہ ۶ میں علماء کے متعلق بعض سخت الفاظ اظہار واقعہ کے طور پر استعمال کر کے تحریر فرماتے ہیں۔ "لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِیْ اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ" یعنی ہماری یہ گفتگو نیکوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ شریروں کے متعلق ہے ؛

ناظرین خدارا انصاف فرمائیں۔ کہ ان اور اس قسم کی دوسری بہت سی

تحریرات کی موجودگی میں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے سخت الفاظ کا مصداق صرف شریروں کا گروہ قرار دیا ہے۔ محقق صاحب کا اپنے رسالہ " قادیانی حساب" میں ہمارے متعلق یہ شکایت کرنا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت الفاظ کا مصداق آپ کے سب مخالفین کو قرار نہیں دیتے۔ بلکہ نیک اور شرفاء کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ کہاں تک بجا اور درست ہے ؟

حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہؓ

محقق صاحب بالقابہ نے تتمہ فصل چہارم میں آٹھواں عنوان " اصحاب قادیانی مرزا صاحب کی زبانی" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں پہلے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارتیں درج کی ہیں۔ جن میں حضورؑ نے اپنے متبعین کو آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ) کے مطابق صحابہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مثیل قرار دیا ہے۔ اور پھر اشتہار مورخہ ۲۷ ر دسمبر ۱۸۹۳ء سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ جس میں حضورؑ نے اپنے بعض مریدوں کی کمزوریوں مثلاً باہمی لڑائی جھگڑے کا ذکر کرکے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ افسوس ہے۔ فاضل محقق صاحب نے یہ اقتباس گمراہ کن طریق پر نامکمل درج کیا ہے۔ اگر آپ اس حصہ سے جسے آپ نے نقل کیا ہے۔ ایک سطر عبارت اور آگے نقل کر دیتے۔ تو آپ کے اعتراض کی ساری حقیقت ظاہر ہو جاتی۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس وقت میری جماعت میں جتنے لوگ داخل ہیں۔ ان میں نجیب الطبع اور سعیدوں کی اکثریت ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ بعض مریدوں میں بیعت کے بعد بھی کچھ نقائص کا پایا جانا قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ امر ان کے مثیلِ صحابہؓ ہونے میں روک بن سکتا ہے۔ کیونکہ کسی جماعت کی عام اخلاقی حالت

کا اندازہ کرنے کے لئے اکثریت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ نہ کہ بعض کمزور افراد کا۔ اور قوم کے تمام افراد کا اخلاقی اور روحانی حالت میں مساوی ہونا تو ناممکن ہی ہے۔

آنحضرت صلعم کے صحابہ رضؓ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کونسا نبی مزکی ہوسکتا ہے۔ مگر جو لوگ احادیث سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں۔ کہ حضورؐ کے بعض صحابہ میں بھی کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کے حرکات پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اور حضورؐ کو سختی بھی کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ترمذی شریف جلد ۲ تفسیر سورۃ المنافقین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ سے روایت آئی ہے۔ کہ غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر ایک مہاجر اور انصاری کی آپس میں تکرار ہوگئی۔ مہاجر نے زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق یَا لَلْمُھَاجِرِیْن کہہ کر مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ اور انصاری نے یَا لَلْاَنْصَار کہہ کر انصار کو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آوازیں سنیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اسلام میں یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے۔ لوگوں نے عرض کی۔ رَجُلٌ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ کَسَعَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ۔ یعنی مہاجرین میں سے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کے سرین پر لات ماری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا۔ دَعُوْھَا فَاِنَّھَا مُنْتِنَۃٌ۔ یعنی ایسی گندی باتوں کا ذکر چھوڑ دو۔

مسلم شریف جلد ۲ (کتاب البر والصلۃ والآداب) میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی آئے۔ انہوں نے حضورؐ سے کوئی ایسی بات کی۔ جس کا مجھے علم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوگئے[1]۔ اور ان پر لعنت کی۔ اور انہیں برا بھلا کہا۔

---

[1] حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ فَاَغْضَبَاہُ فَلَعَنَھُمَا وَسَبَّھُمَا۔

. . . . . جب وہ چلے گئے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ اے عائشہ! کیا تجھے علم نہیں۔ کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی ہوئی ہے۔ کہ اے خدا میں بشر ہوں۔ جس مسلمان پر میں لعنت بھیجوں۔ یا اُسے بُرا بھلا کہوں۔ تو اُسے اُس کیلئے زکوٰۃ اور اجر کا موجب بنا دے۔

اکثریت کیسی ہے

احادیث میں بعض صحابہؓ کی عملی کمزوریوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ان پر ناراضگی کا اور بھی متعدد جگہ ذکر آیا ہے۔ مگر اس سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر کوئی حرف آتا ہے۔ اور نہ صحابہؓ کی عظمت میں کوئی فرق۔ کیونکہ دنیا کی کوئی جماعت ایسی نہیں۔ جو کمزوروں کے وجود سے خالی ہو۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں بھی اگر بعض لوگ کمزور ہیں۔ تو یہ ایک عام قاعدہ ہے۔ اور اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیئے۔ کہ اکثریت کیسے لوگوں کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے متعلق اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ اور ہزارہا لوگوں میں بیعت کے بعد میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے۔ کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے۔ ہرگز ایسا صاف نہیں ہوسکتا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں۔ کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مُرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں۔ کہ ایک ایک فرد ان میں سے بجائے ایک ایک نشان کے ہے "

اور حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۶ و ۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" میں خدا کا شکر کرتا ہوں۔ کہ اس نے مجھے (حضرت مولوی حکیم نورالدین رضؓ)

ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا۔ جو راستباز اور جلیل القدر فاضل ہے ... اور میں خدا تعالیٰ کا اس پر بھی شکر کرتا ہوں۔ کہ اُس نے اور استبازوں اور متقیوں کی جماعت بھی دی۔ جو عالم۔ صالح اور عارف ہیں۔ ان کی آنکھوں سے حجاب دُور کئے گئے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں سچائی بھردی گئی ہے۔ اور وہ حق کو دیکھنے اور پہچاننے والے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ اور اندھوں کی طرح نہیں چلتے۔ اور وہ افاضۂ حق سے معرفت کی بارش کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہیں۔ اور انھوں نے معرفت کا دُودھ پیا ہے۔ اور ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی معرفت کی راہوں کی محبت پلائی گئی ہے۔ اور ان کے سینوں کو قبولیت حق کے لئے کھولا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھیں اور کان بھی کھول دئے ہیں۔ اور انکو وہ پیالہ عشقِ الٰہی کا پلا دیا ہے۔ جو عارفوں کو پلایا جاتا ہے۔" (ترجمہ از عبارت عربیہ)

حضرت مسیح موعودؑ اور حکومت برطانیہ

جناب محقق صاحب بالقابہ نے فصل چہارم میں نواں عنوان "مرزا صاحب کی سیاسیات" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں حضورؑ نے حکومت برطانیہ کی اس بنا پر تعریف کی ہے۔ کہ اس کے زیر سایہ مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اور تمام مذاہب کے ماننے والے بلاروک ٹوک اپنے فرائض منصبی بجا لاتے ہیں *

خط کشیدہ فقرات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تحریرات میں سے جن فقرات کو خاص طور پر جناب محقق برنی صاحب پروفیسر معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی نے زیر خط نقل کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) "خدا نے مجھے اس اصول پر قائم کیا ہے۔ کہ محسن گورنمنٹ کی جیسا کہ یہ گورنمنٹ برطانیہ ہے۔ سچی اطاعت کی جائے۔ اور سچی شکر گذاری کی جائے۔ سو میں اور میری جماعت اس اصول کی پابند ہے"۔

(۲) "جو جماعت میرے ساتھ تعلق بیعت و مریدی رکھتی ہے۔ وہ ایک سچی مخلص اور خیر خواہ اس گورنمنٹ کی بن گئی ہے"۔

(۳) "وہ (جماعت) گورنمنٹ کے لئے ایک وفادار فوج ہے۔ جس کا ظاہر و باطن گورنمنٹ برطانیہ کی خیر خواہی سے بھرا ہوا ہے"۔

امن کے شاہزادے

نامعلوم محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا فقرات کو کس اعتبار سے قابل اعتراض سمجھکر اور کیا غرض ملحوظ خاطر رکھ کر نقل کیا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورنمنٹ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے۔ اور اپنی جماعت کو بھی باغی بننے کی تعلیم دیتے؟

خدا تعالےٰ کے انبیاء امن کے شاہزادے ہوتے ہیں۔ ان کا کام دنیا میں نیکی اور امن پھیلانا ہوتا ہے۔ نہ شرارت اور فساد پیدا کرنا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام حکومتِ وقت کے خلاف بلا وجہ بغاوت پھیلانے کی تعلیم کیونکر دے سکتے تھے۔

حکومت برطانیہ کی امتیازی خصوصیت

یہ امر واقعہ ہے۔ کہ حکومت برطانیہ دوسری حکومتوں پر بلحاظ حسن انتظام فوقیت رکھتی تھی۔ اور ایمانداری و دیانتداری کا اقتضاء یہ تھا۔ کہ اس کی اس خوبی کا اعتراف اور شکریہ ادا کیا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ یعنی جو شخص لوگوں

کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں سلطنت انگلشیہ کی جو تعریف کی ہے۔ اور اس کی وفاداری پر زور دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ آپ کے نزدیک یہ حکومت دوسری حکومتوں کی نسبت رعایا کے مفاد کو زیادہ مدنظر رکھتی تھی:

یہ بات آج اگر بعض لوگوں کو سمجھ نہ آسکے۔ تو وہ ایک حد تک معذور ہیں۔ مگر جو شخص انگریزی حکومت کے آنے سے پہلے سکھوں کی حکومت کے مظالم دیکھ چکا تھا۔ اس کی نگاہ میں حکومت برطانیہ یقیناً ایک رحمت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سکھوں کی حکومت کے مظالم کا ذاتی تجربہ تھا۔ اور حضورؑ نے انہیں نہایت شرح وبسط سے اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے آپ کا سکھوں کے مقابل میں انگریزوں کی تعریف کرنا ایک طبعی امر تھا:

حکومت غلطی سے مبرّا نہیں

مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ حکومت کو غلطی سے مبرّا سمجھتے تھے۔ اور اس کی ناجائز بات کی بھی تائید فرماتے تھے۔ نور القرآن نمبر ۲ کے صفحہ ۲ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے شکر گذار ہیں۔ اور اس کے خیرخواہ ہیں۔ . . . . مگر ہم اس کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس کے قوانین کو حکیمانہ تحقیقاتوں پر مبنی سمجھتے ہیں۔"

پادریوں اور مولویوں کے اوچھے ہتھیار

بعض لوگ یہ دیکھکر کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتابوں میں گورنمنٹ کی وفاداری پر بہت زور دیا ہے۔ آپ پر حکومت کے خوشامدی ہونے کا شبہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر یہ درست نہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب آپ نے مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو سب دنیا آپ کی

مخالف ہوگئی۔ اور اس مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ مولویوں اور پادریوں نے لیا۔ مولوی صاحبان اس لئے آپ کے دشمن ہوگئے۔ کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر آپ کامیاب ہوگئے۔ تو ہماری روٹیاں بند ہو جائیں گی۔ اور پادری صاحبان اس لئے۔ کہ آپ کاسرِ صلیب ہونے کے مدعی بھی تھے۔ اور آپ نے ان کے دجل کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ اس لئے یہ دونوں گروہ آپ کے دلائل کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ اور ایذادہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حتیٰ کہ آپ پر قتل کے جھوٹے مقدمات چلائے گئے۔ اور بڑے بڑے علماء اور پادری آپ کے خلاف ان مقدمات میں جھوٹی گواہیاں دینے کے لئے عدالتوں میں حاضر ہوئے اور ان کی یہ ناجائز کارروائیاں سرکاری عدالتوں کے ریکارڈوں میں ابھی تک محفوظ ہیں۔ جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت مرزا صاحب ؑ کے ساتھ خدا کا زبردست ہاتھ تھا۔ جو اپنے بندوں کی ہر مقام پر حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے آپ کے خلاف یہ سب کارروائیاں اکارت گئیں۔ اور خدا تعالےٰ نے آپ کو ہر ذلت سے بچا کر عزت پر عزت دی۔ بالآخر جب ان لوگوں کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ تو انہوں نے مل کر گورنمنٹ کے کان بھرنے شروع کر دئے۔ اور آپ کے خلاف جھوٹی مخبریاں کیں۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ کو یقین دلایا۔ کہ آپ درپردہ حکومت کے باغی ہیں۔ یہ پروپیگنڈا پہلے مخفی تھا۔ پھر علانیہ ہوگیا۔ چنانچہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں بھی جو پنجاب کا نیم سرکاری اخبار ہے۔ اس کے متعلق بعض مضامین شائع ہوئے۔

الزامِ بغاوت کی تردید

مخالفین کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گورنمنٹ کے بعض حکام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کو حکومت کا باغی خیال کرنے لگے۔ اندریں حالات آپ کا فرض تھا۔ کہ ان کے جھوٹ اور اپنی پُرامن تعلیم ظاہر کرتے۔ اور بتلاتے کہ آپ ایک منصوبہ باز اور باغی نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک انگریزی رسالہ بعنوان "میرا رویہ گورنمنٹ انگریزی کے متعلق" شائع کیا۔ جس میں اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے عائد کردہ الزامات کی پُرزور تردید کی۔ اور حکومت کو یقین دلایا۔ کہ بغاوت اور فساد پھیلانا تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ اور آپ گورنمنٹ کے باغی نہیں ہیں۔

ایک مولوی کا قابلِ شرم جھوٹ

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے مضامین کے علاوہ علماء کرام کے گروہ میں سے مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی آپ کے خلاف ایک رسالہ لکھکر اور اس کا انگریزی ترجمہ کرا کر گورنمنٹ کو بھیجا تھا۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بعنوان "قابل توجہ گورنمنٹ" شائع کیا۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس رسالہ کو دیکھنے سے مجھے بہت افسوس ہُوا۔ کیونکہ اس نے میری نسبت اور نیز اپنے اعتقاد مہدی کے آنے کی نسبت نہایت قابلِ شرم جھوٹ بولا ہے۔ اور سراسر افترا سے کوشش کی ہے۔ کہ مجھے گورنمنٹ عالیہ کی نظر میں باغی ٹھہراوے۔"

حق کا اظہار بزدلی نہیں

اب ہم جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں۔ وہ بتائیں۔ کہ اگر کوئی ان پر ایسا ہی جھوٹا الزام لگائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر پادریوں اور مولویوں نے لگایا تھا۔ تو کیا وہ اس کا ازالہ کرینگے۔ یا اس خیال

ہے کہ لوگ کہیں انہیں بُزدل نہ سمجھ لیں۔ خاموش بیٹھے رہیں گے۔ اور حقیقت کا اظہار نہیں کریں گے؟ ایک موٹی سے موٹی عقل کا انسان بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈر کر خاموش رہنا بُزدلی ہے۔ نہ کہ حق کا اظہار ؛

امام مہدی اور جہاد کا عقیدہ

مولویوں اور عیسائیوں کے پروپیگنڈے کے علاوہ جو بات سب سے زیادہ گورنمنٹ کی نگاہ میں خطرہ کا موجب تھی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعوئی مہدویت تھا۔ مہدی کے متعلق غلط طور پر مسلمانوں میں عموماً یہ مشہور تھا۔ کہ وہ بزورِ شمشیر دنیا میں اسلام پھیلائے گا۔ اور جہاد کے ذریعہ تمام کفار کو قتل کرے گا۔ اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قبل بھی ایک شخص مہدی سوڈانی ہو گذرا تھا۔ جس نے مہدویت کا دعوئی کرکے گورنمنٹ کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے گورنمنٹ کو گوناگون مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لئے گورنمنٹ طبعًا ہر مدعیٔ مہدویت سے ترساں تھی مولویوں نے بھی جو اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف گورنمنٹ کو اُکساتے ہوئے مہدی سوڈانی کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے متعلق حقیقۃ المہدی صہ۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" مولوی محمد حسین بٹالوی بٹالہ سے بنارس تک اپنا قابلِ شرم استفتاء لے کر میرے کفر کی نسبت مُہریں لگواتا پھرا۔ اور پھر جب فقط ایسی کارروائی پر اس کی طبیعت خوش نہ ہوئی۔ تو گورنمنٹ تک خلاف واقعہ باتیں میری نسبت پہنچاتا رہا۔ کہ یہ شخص درپردہ باغی ہے۔ اور مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے "

جہاد کے متعلق اسلام کی صحیح تعلیم

ظہور امام مہدی اور مسئلہ جہاد کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ چونکہ غیر مسلموں میں اسلام کی بدنامی کا موجب بن رہا تھا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضروری سمجھا۔ کہ آپ اسلام کی صلح پسندی اور ارشاد کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور اسلام کے دامن سے اس بدنما داغ کو جو عوام نے اپنی جہالت کی وجہ سے لگایا ہوا تھا۔ دُور کریں۔ اور بتائیں۔ کہ مسئلہ جہاد کے بارہ میں اسلام کی اصل تعلیم اور اس کے شرائط کیا ہیں۔

جہاد کا مفہوم عام طور پر بذریعہ تلوار لڑائی کرنا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ جہاد کی صرف ایک شق ہے۔ جس پر ایسے حالات میں عمل کیا جاتا ہے جبکہ مخالفین اسلام تلوار کے ذریعہ اسلام پر حملہ آور ہوں۔ اس کے بغیر مخالفین پر تلوار اُٹھانا ناجائز ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے بھی انہی حالات میں کفار سے جنگیں کیں۔ اور ہمارے اس زمانہ میں چونکہ ہندوستان میں اسلام پر بذریعہ تلوار کوئی قوم حملہ آور نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے ہمیں قرآن مجید کی رُو سے تلوار اٹھانا منع ہے۔

جہاد کبیر

اس زمانہ میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے۔ کہ معترضین کے اعتراضات کے جوابات دئے جائیں۔ اور دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کی جائے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم پھیلائی جائے۔ قرآن مجید نے اسلام کی تبلیغ ہی کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (سورۃ فرقان ع ۵) اور اگر سوچا جائے۔ تو جہاد صغیر یعنی تلوار کے ذریعہ کفار کا مقابلہ بھی اسی غرض سے کیا گیا تھا۔ کہ وہ اسلام کی تعلیم کو پھیلانے میں حائل ہوتے تھے۔ اسلام صلح اور آشتی

کا مذہب ہے۔ اس میں کسی قوم پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں۔ پس
مہدی کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ وہ ظاہر ہوتے ہی اعلان جہاد کردیگا۔
اور تمام کفار کو قتل کردیگا۔ اسلام کی تعلیم کے خلاف اور اس کے خوشنما چہرہ
پر ایک بدنما داغ تھا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے تمام
خیالات کی تردید کی۔ اور گورنمنٹ کو اپنے متعلق یقین دلایا۔ کہ میں نہ ایسے
جہاد کا قائل ہوں۔ جو خلاف تعلیم اسلام عوام میں مشہور ہے۔ اور نہ ایسا
مہدی ہونے کا مدعی۔ جو دنیا میں مذہب کو پھیلانے کیلئے تلوار اٹھائیگا ؛

حضرت اقدسؑ اور اظہار حق

یہ وہ حالات ہیں۔ جن کے ماتحت
حضرت اقدسؑ نے اپنی تصانیف میں بار بار
گورنمنٹ کی وفاداری کا اعلان کیا۔ اور چونکہ آج ہمارے سامنے وہ حالات
نہیں ہیں۔ جن میں آپ کو اس قدر زور سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین
دلانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ اشتباہ
پیدا ہوتا ہے۔ کہ شاید آپ کو گورنمنٹ کی خوشامد کرنا منظور تھا۔ حالانکہ حقیقت
اس کے برعکس یہ ہے۔ کہ آپ ایک بہادر اور جری مومن تھے۔ اور حق کے
اظہار سے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی آپ کو روک نہ سکتی تھی۔
اور یہ مومنانہ جرأت ہی تھی۔ جس کی بدولت باوجود سیاسی طور پر انگریزوں
کی تعریف کرنے کے آپ نے بیسیوں کتابیں ایسی لکھیں۔ جن میں ان کی
مذہب پر شدید نکتہ چینی کی۔ اور پیغام حق پہنچانے میں آپ کی دلیری کا یہ
حال تھا۔ کہ آپ دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔
چنانچہ آپ نے ملکۂ انگلستان کے نام ایک خط رسالہ کی صورت میں روانہ
فرمایا۔ جس میں اُسے نہایت واضح الفاظ میں عیسائیت ترک کرکے اسلام

میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اور یہ آپ ہی کی قائم کردہ سنت ہے۔ جسے تازہ اور زندہ رکھنے کے لئے حضور کے خلیفۂ ثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا یہ طریق ہے۔ کہ آپ موقع و محل کی مناسبت سے شاہانِ عالم کو مخاطب کرکے ارشاد خداوندی اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کے مطابق تبلیغ حق پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور آپ کی تصانیف تحفۃ الملوک۔ تحفۃ الامیر۔ تحفہ شہزادہ ویلز اور تحفہ لارڈ ارون اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں ؛

اغراض نبوت اور بغاوت

اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے۔ تو انبیاء کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو جو خدا تعالےٰ کے آستانہ سے دُور جا پڑے ہیں۔ تبلیغ کے ذریعہ ہدایت کی طرف دعوت دیں۔ یہی وہ مقصد وحید ہے۔ جس کے گرد اُن کی تمام کوششیں چکر لگاتی ہیں۔ اگر اُن میں سے بعض کو بدرجہ مجبوری اپنے اوقات گرامی کبھی جنگوں میں بھی خرچ کرنے پڑے۔ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ اُن کا مقصدِ بعثت اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ ورنہ انبیاء نہ باغی ہوتے ہیں۔ اور نہ دنیا میں فساد پھیلانا ان کی شان برتر کے شایاں ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص اپنی نادانی سے یہ سمجھتا ہے۔ کہ حکومتِ وقت کی خلاف خواہ مخواہ بغاوت پھیلانا اور امن شکنی کی تعلیم دینا بھی نبوت کے اغراضِ عالیہ میں سے ہے۔ تو یہ اُس کی غلطی اور اس کے فہم کا قصور ہے ؛

تحریک چندہ پر اعتراض

جناب محقق صاحب نے تتمہ فصل چہارم میں نویں عنوان کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو اشتہار بھی نقل کئے ہیں۔ جن میں سے ایک میں

کشتیٔ نوحؑ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیشگوئی حضرت نوح علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مشابہ ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی قوم پر ایک عظیم الشان اور تباہ کن سیلاب کے آنے کی خبر دی تھی۔ اور پھر خدا کے حکم کے ماتحت ایک کشتی بنا کر یہ فرمایا تھا کہ میں اور میرا اہل و عیال اور جو شخص اس میں سوار ہوگا۔ سیلاب کی زد سے محفوظ رہے گا۔ اور جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مطابق سیلاب آیا۔ اور اس کشتی میں سوار ہونے والے محفوظ رہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے مطابق ملک میں طاعون کا سخت حملہ ہوا۔ اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں مرے۔ مگر خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ اور ان تمام لوگوں کو جو آپ کے گھر کی چار دیواری میں سینکڑوں کی تعداد میں رہتے تھے۔ اعجازی طور پر محفوظ رکھا۔ آپ کے گھر کے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے۔ غرضیکہ سب سمتوں کے گھروں میں طاعون آئی۔ اور بہتوں کو لے گئی۔ مگر آپ کے گھر میں ایک چوہا تک نہ مرا۔ کیا یہ آپ کی صداقت اور آپ کے منجانب اللہ ہونے کا زبردست نشان نہیں؟ اگر کوئی شخص چشم بینا رکھتا ہو۔ تو آپ کی صداقت معلوم کرنے کے لئے یہی ایک کافی ثبوت ہے ؎

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر ہو خوفِ ربِّ کردگار

ماہواری چندہ اور خدمتِ اسلام

ماہواری چندہ بھیجنے کی تاکید خدمتِ اسلام کے لئے کی گئی تھی۔ اور اس پر اعتراض تو وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو عقل و بصیرت سے کلّی طور پر ہاتھ دھو بیٹھا ہو۔ کیونکہ دنیا کا کوئی کام خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ وہ ٹل سے بغیر

نہیں چل سکتا۔ پھر خدمت اسلام جیسا اہم کام کیوں کر بغیر روپے کے چل سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ مخالفین اس زمانہ میں اسلام کو تباہ کرنے کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں۔ یہ توقع رکھنا کہ کوئی شخص بغیر دوسروں کی مالی امداد کے ان کا مقابلہ کر سکے گا۔ ایک نہایت لچر اور بے ہودہ خیال ہے:

مال و جان کے بدلے بہشت

دنیا میں کون سا مصلح آیا ہے جس نے اپنی جماعت سے چندے کا مطالبہ نہیں کیا۔ اور اسلامی مسائل سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے مصلح یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگوں کے اخراجات اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے صحابہؓ سے چندوں کا مطالبہ کیا۔ اور ان کی قربانیوں کے بدلہ میں انہیں جنت کا وعدہ دیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ ع) یعنی خدا تعالےٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

مستقل چندہ زکوٰۃ

وقتی ضروریات پوری کرنے کے لئے چندہ جمع کرنے کی جو تحریکیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب موقعہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے علاوہ اسلام نے مختلف قومی اداروں کے چلانے کے لئے ایک مستقل چندہ زکوٰۃ کے نام سے مقرر کیا ہوا ہے۔ جسے ہر ذی استطاعت مسلمان سے وصول کرکے قومی بیت المال میں جمع کرنے کا حکم ہے:

کورہ باطنی کا ثبوت

اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نادان کفار اور منافقین اِس

وجہ سے اعتراض کرتے اور کہتے تھے ۔ کہ آپ اپنے مریدوں سے جنت کے عجیب وغریب اور خیالی نعماء کا لالچ دیکر خدا کے نام پر ٹیکس وصول کرتے ہیں ۔ حالانکہ خدا کو انسانوں کے مالوں کی کیا ضرورت پڑی ہے ۔ زمانہ کا انقلاب دیکھئے ۔ کہ آج بعینہٖ یہ اعتراض نوجوان تعلیم یافتہ اور مسلمان ہونے کے مدعی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کر کے اپنی کور باطنی کا ثبوت دیتے ہیں ؛

صحابہؓ کی ترقی کا راز

در اصل اس زمانہ میں چونکہ مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں ۔ اور نہ ان کا کوئی امام ہے ۔ جس کی زیر نگرانی ان کے قومی سرانجام پائیں ۔ اور ساری کی ساری قوم ایک ایسے لشکر کی طرح ہے ۔ جس کا کوئی سپہ سالار نہ ہو ۔ اس لئے انہیں یہ بھی معلوم نہیں ۔ کہ قومی ترقی کے لئے کیسی کیسی مالی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں ۔ کاش وہ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں ۔ تو انہیں معلوم ہو جائے ۔ کہ صحابہؓ کی ترقی کا راز ہی قربانی تھا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر وہ اپنے گھروں کے اثاثہ تک حضورؐ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیتے تھے ۔ مگر آج اسلام کے نام لیواؤں میں یہ کیسا اندوہناک تغیر واقع ہو چکا ہے ۔ اور ان کی طبیعتیں کیسی مسخ ہو گئی ہیں ۔ کہ وہ اشاعت اسلام کے لئے مالی قربانی کی تحریک پر اعتراض کرتے ہیں ۔ حالانکہ ابتداء وہ بھی ۔ انتہاء یہ ہے

چندے کا مصرف

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے ۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مریدوں سے خدمت اسلام کے نام پر چندہ جمع کر کے بعض دوسرے پیروں ۔ ملانوں ۔ گدی نشینوں اور لیڈروں کی طرح اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے ۔ بلکہ حضورؑ نے

اس کے لئے ایک قومی بیت المال کی بنیاد رکھی۔ اور اس کا انتظام قوم کے ہاتھ میں دیدیا۔ جو روپیہ اس میں جمع ہوتا ہے۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے زیر اہتمام خدمتِ اسلام پر صرف ہوتا ہے۔ اور ایک ایک پائی کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے۔ تاکہ کسی کو کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جو لوگ اس سلسلہ میں چندہ دیتے ہیں۔ انہیں اپنے روپے کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل سے خدمتِ اسلام کے لئے مالی ایثار اور قربانی کے لحاظ سے جماعت احمدیہ کے مقابل میں دنیا کی کوئی جماعت پیش نہیں کی جا سکتی ؛

حضرت اقدس ؑ کی مقبولیت

اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کی خدمتِ اسلام کے لئے تڑپ اور جذبہ کو دیکھکر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسی آواز کی برکت ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کے مقدس مُنہ سے نکلی تھی۔

معترضین سوچیں۔ کہ کیا ایک مفتری کی آواز میں اس قدر تاثیر اور برکت ہو سکتی ہے۔ یاد رکھو! مفتری دنیا میں کبھی قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ قبولیت کے آثار صرف سچوں میں پائے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مقبولان بارگاہ رب العزت کی نسبت فرماتے ہیں۔ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ (بخاری کتاب بدء الخلق) یعنی خدا کے محبوبوں کی یہ علامت ہے۔ کہ انہیں زمین میں قبولیت بخشی جاتی ہے۔ پس سچوں اور جھوٹوں میں یہ ایک بہت بڑا امتیاز ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے ہر دو گروہوں کی شناخت کے لئے مقرر کیا ہے ؛

ایک پیشگوئی کا ظہور

جناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے

دوسرے ایڈیشن کی فصل ہشتم میں "معاملات" کے عنوان کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند ایسی عبارتیں درج کی ہیں۔ جن میں حضورؑ نے بطور تحدیث نعمتِ الٰہی اپنے دنیاوی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ ابتداءً میں اکیلا تھا۔ اور میری مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ اور آمدنی کا کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا۔ جس سے میں اپنے ذاتی مصارف بآسانی پورے کر کے تبلیغ اسلام واشاعت کتب وغیرہ پر بھی کچھ خرچ کر سکتا۔ ایسی تنگی۔ تنہائی اور بے سروسامانی کی حالت میں خدا تعالےٰ نے مجھے ایک عظیم الشان جماعت عطا کرنے اور اموال اور تحائف و ہدایا کے آنے کی خوشخبری دی تھی۔ چنانچہ اس کے مطابق خدا تعالےٰ نے مجھے ایک مخلص اور کارکن جماعت عطا فرمائی۔ اور اس طرح بہت سا مال وزر بطور چندہ و تحفہ آیا۔ جو میری تمام قومی و ذاتی ضروریات کا کفیل ہوا۔ اور یہ امر میری صداقت کا ایک بیّن نشان ہے۔ کیونکہ یہ پیشگوئی ایسے وقت میں کی گئی تھی۔ جبکہ ظاہری حالات اس کے مخالف تھے۔

بظاہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تحریرات میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی۔ جسے قابلِ اعتراض قرار دیا جا سکے۔ اس لئے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ انہیں درج کرنے سے محقق صاحب کا مدعا کیا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی حالت نہایت گمنامی اور بے کسی کی تھی۔ اور اسے مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ آپ کو دنیا میں کامیابی اور فروغ حاصل ہوگا۔ کیونکہ آپ کو ظاہری سامانوں میں سے کوئی بھی ایسا سامان میسر نہ تھا۔ جو آپ کی کامیابی کا ذریعہ بن سکتا۔ ایسے ناموافق حالات میں آپکا خدا تعالیٰ

کی طرف سے اطلاع پاکر یہ پیشگوئی شائع کرتا۔ کہ خدا تعالیٰ مجھے ایک عظیم الشان جماعت عطا کرے گا۔ جو میرے کام میں میری مالی اور ہر قسم کی مدد کریگی۔ اور پھر اس پیشگوئی کا حرف بحرف پورا ہونا آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے؛

صداقت کے دو قرآنی معیار

ہر صاحب بصیرت کو سوچنا چاہیئے کہ کیا کوئی جھوٹا آدمی ایسی پیشگوئی کرکے کامیابی حاصل کرسکتا ہے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (طٰہٰ ع ۳) یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور فرمایا۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن ع۲) یعنی خدا عالم الغیب ہے اور وہ اپنے غیب پر رسولوں کے سوا اور کسی کو بکثرت مطلع نہیں کرتا؛

اب ان دونوں قرآنی معیاروں کے مطابق دیکھو۔ کہ کس طرح اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کامیابی کی پیشگوئی فرمائی۔ اور پھر اس کے مطابق کامیاب ہوگئے۔ اور یہ دونوں امور آپ کی صداقت کے زبردست ثبوت ہیں؛

عیارانہ وسوسہ انگیزی

صداقت شعار محقق صاحب نے اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جو عبارتیں پیش کی ہیں۔ ان کے نقل کرنے کی ترتیب اور انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ پڑھنے والے پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ چندہ کے اموال اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرلیتے تھے۔ ابتداء میں آپ کا یہ منشار ابہام اور اخفا کے پردوں میں مستور نظر آتا ہے۔ مگر بعد میں آہستہ آہستہ اس سے نقاب دور ہوتا جاتا ہے۔

حتیٰ کہ اخیر میں آپ اظہارِ مدعا میں نسبتاً جرأت سے کام لیتے ہیں۔ بعض ایسے معترضین کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر چندہ کے اموال کو ذاتی استعمال میں لانے کا اعتراض کیا تھا۔ اور یوں آپ غیروں کے اعتراضات کو اپنے خیالات کے اظہار کا آئینہ بناتے ہیں ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

جناب محقق صاحب کی اس عیارانہ وسوسہ انگیزی کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے ناظرین مندرجہ ذیل عبارتوں پر غور فرمائیں جنہیں آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ میں بحوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱ و ۲۱۲ درج کیا ہے۔ آپ نے زیرعنوان "مرزا صاحب کے فتوحات" سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں :-

"ہماری معاشس اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا۔ اور بیرونی لوگوں میں سے ایک شخص بھی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور میں ایک گمنام انسان تھا۔ جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیشگوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا۔ اور ایسی متواتر فتوحات سے مالی مدد کی۔ کہ جس کا شکر بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہ تھی۔ کہ دس روپے ماہوار بھی آئیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اٹھاتا۔ اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے۔ اس نے ایسی میری دستگیری کی۔ کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں۔ کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے۔ اور

شاید اس سے بھی زیادہ ہو"

یہ عبارت حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱ میں موجود ہے۔ ایم۔اے۔ ایل ایل بی محقق صاحب نے اس کے بعد چند درمیانی الفاظ چھوڑ کر صفحہ ۲۱۲ سے حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:۔

"اگر میرے اس بیان پر اعتبار نہ ہو۔ تو بیس برس کی ڈاک کے سرکاری رجسٹروں کو دیکھو۔ تا معلوم ہو۔ کہ کس قدر آمدنی کا دروازہ اس تمام مدت میں کھولا گیا الخ"

انتہائی چالاکی

اگر ایک ایسے شخص کے سامنے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذاتی حالات سے واقفیت نہ ہو۔ یہ عبارتیں رکھی جائیں۔ تو انہیں سرسری نگاہ سے پڑھ کر سب سے پہلا خیال اس کے ذہن میں یہ آئے گا۔ کہ آپ نعوذ باللہ چندے کا روپیہ اپنے ذاتی استعمال میں لاتے تھے۔ کیونکہ آپ نے پہلے اپنی مالی تنگی کا ذکر کیا ہے۔ اور بعد میں لکھا ہے۔ کہ چندے کے روپیہ سے یہ تنگی دور ہو گئی۔ اور اس کے ذہن میں اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ صرف یہ ہو گی۔ کہ اس کے سامنے جو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ وہ انتہائی چالاکی سے عمداً نامکمل پیش کی گئی ہیں۔ تا اس پر صحیح بات کھل نہ سکے:۔

حقیقت الامر یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان عبارتوں میں اپنی ترقی کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس کی صداقت ہر رنگ میں ظاہر ہوئی۔ یعنی خدا تعالے نے حسب وعدہ ایک پاکیزہ اور خدمت اسلام کا جوش رکھنے والی جماعت بھی عطا کی۔ اور اس کے

علاوہ لکھو کہا روپیہ بھی بطور چندہ و نذر آیا۔

کتر و بیونت

دیانتدار محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طویل اور مبسوط بیان میں سے صرف وہ حصے جن میں حضورؑ نے اپنی پہلی تنگی اور اس کے بعد روپیہ آنے کا ذکر کیا ہے۔ نقل کر دیئے ہیں۔ اور چند درمیانی سطور جن میں آمدہ روپیہ کے مصارف کا بیان ہے۔ انہیں نقل کرنے سے چھوڑ دیا ہے۔ تا پڑھنے والے کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ چندہ کے اموال میں ناجائز تصرف کرتے تھے۔ ذیل میں ہم حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱ و ۲۱۲ کی مشترکہ عبارت کا وہ درمیانی ٹکڑہ جسے نقل کرنے سے آنجناب معلّی القاب نے گریز کیا ہے۔ درج کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کل آمدنی کا اندازہ تین لاکھ سے زیادہ بتانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

" اس آمدنی کو اس سے خیال کر لینا چاہیئے۔ کہ سالہا سال سے صرف لنگر خانہ کا ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار تک خرچ ہو جاتا ہے۔ یعنی اوسط حساب سے۔ اور دوسری شاخیں مصارف کی یعنی مدرسہ وغیرہ اور کتابوں کی چھپوائی اس سے الگ ہے۔ پس دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ پیشگوئی یعنی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کس صفائی اور قوت اور شان سے پوری ہوئی۔ کیا یہ کسی مفتری کا کام ہے۔ یا شیطانی وساوس ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اس خدا کا کام ہے۔ جس کے ہاتھ میں عزت اور ذلت اور ادبار اور اقبال ہے "

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سطور بالا میں

کس صفائی سے چندہ کی آمدنی کے مصارف بیان کر دئے ہیں۔ مگر جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب کی شانِ دیانت و تحقیق کا یہ حال ہے۔ کہ آپ نے پہلی اور پچھلی عبارتیں تو نقل کر دی ہیں۔ مگر یہ سطور جان بوجھ کر نقل نہیں کیں۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ آنجناب کا مقصد تحقیق ہے۔ یا محض شرر آمیز طریق پر دسوسہ انگیزی کرنا۔

آپ نے اپنے رسالہ "قادیانی حساب" میں زیر عنوان "کتر و بیونت" لکھا ہے۔ کہ "تعلق کی حد تک پورے پورے اقتباسات پیش کئے گئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس پر بھی قادیانی صاحبان کتر و بیونت کا الزام دیتے ہیں"

ہم محقق صاحب کے اس دعائے باطل کی حقیقت اس سے پیشتر ظاہر کر چکے ہیں۔ اور اس موقعہ پر ناظرین کو پھر اس طرف توجہ دلاتے ہیں وہ انصاف فرمائیں۔ کہ کیا تعلق کی حد تک اقتباسات درج کرنے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ ایک مسلسل عبارت کے وہ حصے جن سے کوئی خاص مطلب ثابت کرنا مقصود ہو۔ نقل کر دئے جائیں۔ اور ان کے درمیان سے چند سطور جو اس مطلب کے خلاف ہوں۔ نقل کرنے سے چھوڑ دی جائیں ؟

چندہ اور ہدیہ میں فرق

ہم اس جگہ پھر اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس چندہ کا جو روپیہ آتا تھا۔ وہ بالکل الگ انتظام کے ماتحت قومی ضروریات میں صرف ہوتا تھا۔ اور حضور اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے تھے۔ ہاں جو روپیہ بطور نذر و ہدیہ آپ کی خدمت میں آتا تھا۔ اسی آپ حسب ضرورت اپنے استعمال میں لے آتے تھے۔ گو اکثر حصہ اس کا بھی قومی کاموں ہی میں صرف ہو جاتا تھا ؂

تحفہ قبول کرنا سُنّت ہے

اور تحائف قبول کرنا۔ اور ذاتی مصرف میں لانا سنت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بخاری شریف میں ہے۔ کَانَ یَقْبَلُ الْھَدَایَا۔ یعنی حضور تحائف قبول فرمالیا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کے متعلق ثابت ہے۔ کہ وہ اکثر آپؐ کی خدمت میں ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ خصوصاً جس روز آپؐ کی باری حضرت عائشہ رضؓ کے گھر ہوتی تھی۔ (بخاری باب مناقب عائشہؓ)

اور احادیث سے اس امر کی مفصل شہادت ملتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر قسم کے بیش قیمت تحائف آتے تھے۔ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں آیا ہے۔ کہ یمن کے مشہور بادشاہ ذی یزن نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نہایت قیمتی حُلّہ بھیجا۔ جسے اُس نے ۳۳ اُونٹوں کے عوض میں خریدا تھا۔ حضورؐ نے یہ بیش قیمت حُلّہ زیب تن بھی فرمایا۔ اصابہ میں مخیریق کے تذکرہ میں ہے۔ کہ اس نے حضورؐ کو اپنے سات باغ تحفۃً دیدئے تھے۔

اسی طرح حضور کے پاس بہت سے گھوڑے۔ خچریں۔ اونٹ بکریاں اور سامانِ حرب مثلاً تلواریں اور درعیں وغیرہ تھیں۔ جن کا مفصل تذکرہ طبری[1] وغیرہ مؤرخین نے کیا ہے۔ اور ان میں سے اکثر قیمتی اشیاء کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں بادشاہوں اور امراء نے ہدیۃً بھیجی تھیں۔ پس تحفہ اور نذر قبول کرنا سنت نبوی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے مطابق تحائف اور نذریں قبول فرماتے تھے ؛

اموالِ غنیمت سے آنحضرت صلعم کا حصّہ

اس موقع پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تحائف و ہدایا

[1] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۲ تا ۱۷۸۸

کے علاوہ غنیمتوں کے اموال میں سے بھی خُمس یعنی پانچواں حصہ قرآن مجید نے مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى الآیہ (سورۃ انفال) اور اس قرآنی ارشاد کے ماتحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غنیمتوں کے اموال میں سے اپنے ذاتی اخراجات کے لئے پانچواں حصہ وصول فرماتے تھے۔ چنانچہ خیبر، فدک، بنو نضیر اور مدینہ میں حضورؐ کی جو بہت سی جائداد از قسم اراضی و باغات تھی۔ وہ اسی ذریعہ سے آئی تھی ؛

علاوہ ازیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید کی رُو سے فَے یعنی دشمنوں کا وہ مال جو بغیر لڑائی کے ہاتھ آئے۔ اس کا استعمال بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى الآیہ (سورۃ حشر)

امام وقت کا وظیفہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فَے اور غنیمتوں کے اموال میں حصہ مقرر کرنے سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ امام یا خلیفہ وقت کو قومی بیت المال سے بطور گزارہ کچھ رقم اپنے ذاتی استعمال کے لئے لینا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضورؐ کے خلفاء کو بیت المال سے گزارہ کے طور پر کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اگر قومی بیت المال سے اپنے گزارہ کے لئے کچھ رقم وصول فرما لیتے۔ تو یہ شریعت اسلام کی رُو سے بالکل جائز تھا۔ مگر چونکہ آپ کی اپنی جدی جائداد آپ کے گزارہ کے لئے کافی تھی۔ اس لئے آپ قومی بیت المال سے اپنے ذاتی اخراجات کے لئے کچھ رقم نہ لیتے تھے۔ ہاں جو رقوم بطور نذر آپ کی خدمت میں آتی تھیں

انہیں بھی آپ، اکثر قومی ضروریات ہی پر خرچ کر دیا کرتے تھے ؛

معترضین کا وجود آنحضرت صلعم کے زمانہ میں

رہا یہ امر کہ بعض لوگوں نے جن کی طبیعتوں میں بدظنی یا نفاق کا مادہ تھا۔ آپ پر مالی اعتراضات کیئے۔ سو اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایسے معترضین ہر زمانہ میں انبیاء اور بزرگوں کی جماعتوں میں پائے جاتے رہے ہیں۔ جنھوں نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ان انبیاء یا بزرگوں پر قسم قسم کے اعتراضات کیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ سے بڑھ کر اور کس نبی کی جماعت مقدس ہونے کا دعوئی کر سکتی ہے۔ مگر جانتے ہو کہ حضورؐ کی زوجہ مطہرہ و مقدسہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عصمت پر کن لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ قرآن مجید رصحابہؓ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (سورہ نور) یعنی یقیناً وہ لوگ جنھوں نے ایسا خطرناک الزام لگایا۔ وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہیں۔ اور احادیث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حضرت حسان بن ثابت رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی اس میں شامل تھے ؛

پھر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر انصار میں سے بعض نے اموال غنیمت کی تقسیم میں اعتراض کیا۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۰ میں یہ روایت درج ہے۔ کہ جنگ حنین کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے اموال بطور تالیف قلوب قریش میں سے ان لوگوں کو دیدئے۔ جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ انصار کو اس سے رنج پہنچا۔ انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف کرے۔ آپ ہمیں چھوڑ کر قریش میں اموال تقسیم کر رہے ہیں۔

حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی خون بھی خشک نہیں ہوا۔" اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا۔" جب کوئی مصیبت پڑتی ہے۔ تو ہمیں بلایا جاتا ہے۔ مگر غنیمت اوروں کو مل جاتی ہے۔" اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ اور حضورؐ نے انہیں مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں ان کے اس اعتراض پر انہیں ڈانٹا۔

بخاری شریف جلد دوم کتاب بدء الخلق میں یہ روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر مال تقسیم کیا۔ ایک آدمی نے آپ پر اعتراض کیا۔ اور کہا۔ اِنَّ ھٰذِہٖ لَقِسْمَۃٌ مَا اُرِیْدَ بِھَا وَجْہُ اللّٰہِ یعنی اس تقسیم میں خدا کی رضا مدنظر نہیں رکھی گئی۔ راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر بتایا۔ تو حضورؐ سخت ناراض ہوئے۔ حتٰی کہ ناراضگی کا اثر آپؐ کے چہرہ پر ظاہر ہوا۔

آنحضرت صلعم کا ورثہ اور ترکہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مؤرخین کے بیان کے مطابق وراثت میں چند بکریاں پانچ اونٹ اور ایک خادمہ ملی تھی[۱]۔ مگر وفات کے وقت حضور کی بہت سی جائداد منقولہ و غیر منقولہ تھی۔ اور بعض شریر لوگوں نے اسے محل اعتراض قرار دیتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیت پر حملہ کیا ہے۔ اسی طرح اگر صحابہ کرامؓ کی ابتدائی و انتہائی مالی حالتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اور بد باطن معترضین ان بزرگوں پر نعوذ باللہ غیر اقوام کے اموال جبراً لوٹنے کا الزام لگاتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی اگر بعض لوگ اسی قسم کے اعتراضات کریں۔ تو یہ جائے تعجب نہیں۔ ایک عقلمند کی نگاہ میں یہ سب اعتراضات محض لچر اور بیہودہ ہیں۔

[۱] طبقات ابن سعد جلد اول

حضرت اقدس کے خطوں اور مہمانوں کا اندازہ

فاضل محقق صاحب نے اسی عنوان کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۵ سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی قابل اعتراض سمجھ کر نقل کیا ہے:-

"اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آ چکے ہیں۔ اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں۔ جن کی کثرت کی خبر بھی قبل از وقت گمنامی کی حالت میں دی گئی تھی۔ تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے۔"

محقق صاحب بالمقابل اس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب نے ۱۸۸۰ء سے علمی اور مذہبی زندگی شروع کی جبکہ براہین احمدیہ کا اعلان کیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ گویا کل ۲۷ سال یہ مشغلہ رہا۔ . . . . . . اگر کل ۲۷ سال مساوی بان لئے جائیں۔ تو بھی مرزا صاحب کے بیان کے مطابق خطوں اور مہمانوں کا روزانہ اوسط بلاناغہ ایک ہزار پڑتا ہے۔ اور اگر حسب واقعہ سال غیر مساوی لئے جائیں۔ تو آخری سالوں کا روزانہ اوسط کئی ہزار پڑتا ہوگا [illegible]

علمی محاسب صاحب کی حساب دانی

علمی محاسب صاحب [illegible] نے ۱۸۸۰ء سے [illegible] کو کل ۲۷ سال قرار دیا ہے۔ آپ کا یہ حساب ہماری سمجھ [illegible] ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ کل عرصہ ۲۸ سال [illegible] حساب کی رُو سے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام [illegible] اس پر پھبتی اڑانا چاہتے تھے۔ اسی میں آپ سے [illegible] ہوئی ہے۔ جو ایک ابتدائی گنتی کے اصول جاننے والے بچے سے بھی [illegible]

نہیں ہو سکتی۔ اِنِّیْ مُہِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِہَانَتَکَ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اگر آپ اس کا یہ عذر پیش کریں۔ کہ ۱۸۸۰ء اور ۱۹۰۸ء اس شمار سے خارج ہیں۔ تو یہ بہانہ آپ کی بدحواسی کی دلیل ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں سال اس شمار سے کسی صورت میں خارج نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ براہین احمدیہ ۱۸۸۰ء میں شائع ہو چکی تھی۔ اور حضورؑ کا انتقال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ پھر ان دونوں سالوں کو اس شمار سے خارج کرنے کی سوائے بدحواسی کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے ؎

حضرت اقدسؑ کی مذہبی و علمی زندگی کی صحیح مدت

امر واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بزرگی۔ آپکے مستجاب الدعوات اور ملہم من اللہ ہونیکی شہرت براہین احمدیہ کے زمانہ اشاعت یعنی ۱۸۸۰ء سے کئی سال پیشتر ہو چکی تھی۔ اور عقیدتمند مہمانوں اور خطوط کی آمد کا سلسلہ بھی اُسی زمانہ میں شروع ہو گیا تھا۔ اگر یہ عرصہ صرف پانچ سال ہی تسلیم کیا جائے۔ تب بھی حضورؑ کی مذہبی اور علمی زندگی کی کل مدت ۳۴ سال بنتی ہے۔ پس محقق صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذہبی و علمی زندگی کی کل مدت ۲۷ سال قرار دینا واقعات کی رُو سے درست نہیں ؎

مہمانوں اور خطوط کی روزانہ اوسط

آپ کے مہمانوں کی روزانہ اوسط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "سالہا سال سے صرف لنگرخانہ کا ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار تک خرچ ہو جاتا ہے" اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ نومبر ۱۹۰۶ء کے ٹائٹل پیج صفحہ ۲ و ۳ میں حضورؑ

فرماتے ہیں :" ۷ نومبر ۱۹۰۶ء ۔ آج رات لنگر خانہ کے اخراجات کی نسبت میں قریبًا بارہ بجے رات کے اپنے گھروالوں سے باتیں کر رہا تھا کہ اب خرچ ماہواری لنگر خانہ کا پندرہ سو سے بھی بڑھ گیا ہے ۔ کیا قرضہ لے لیں ؟ پھر خیال آیا ۔ قرضہ لینے سے کیا فائدہ ۔ کیونکہ دو ہزار بھی لیں ۔ تو ایک ماہ میں خرچ ہو جائیں گے ۔ اس کے بعد میں سو گیا ۔ صبح نماز کے بعد الہام ہُوا ۔ اتقنط من رحمۃ اللّٰہ الذی یربیکم فی الارحام "

یہ خرچ بحساب اوسط ہے ۔ اس میں ان مہمانوں کے اخراجات مہمانداری بھی شامل ہیں ۔ جو سالانہ جلسوں پر کئی کئی ہزار کی تعداد میں آتے تھے :

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں میں صرف آپ کے مرید ہی نہ تھے ۔ بلکہ تمام وہ لوگ بھی تھے ۔ جو دیگر مسلمانوں ۔ سکھوں ۔ عیسائیوں اور آریوں وغیرہ سے بغرضِ تحقیق و زیارت قادیان آتے تھے :

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جو خطوط آتے تھے ۔ ان کا اندازہ آپ کے عقیدتمندوں اور مریدوں کی تعداد سے ہو سکتا ہے ۔ جو آپ کی زندگی میں لاکھوں تک پہنچ چکی تھی ۔ خطوط میں موافق و مخالف کتابوں ۔ رسالوں ۔ ٹریکٹوں کے پارسل ۔ دستی رقعے اور منی آرڈر بھی شامل ہیں ۔ جن کے ذریعہ ہزارہا روپیہ آپ کی خدمت میں ہر سال آتا تھا :

موٹا اندازہ

پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے ۔ کہ اس اندازہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے " شاید " کا لفظ استعمال فرمایا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آپ کوئی خاص معین تعداد بیان نہیں فرما رہے ۔ بلکہ ایک موٹا اندازہ بیان فرما رہے ہیں ۔ لہٰذا اگر اس سے اصل تعداد

کم بھی ہو۔ تو بھی اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اصل مدعا جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ یہ واضح کرنا ہے۔ کہ پیشگوئی کے مطابق آپ کے پاس بکثرت خطوط اور مہمان آئے۔ اور کثرت کے اظہار کیلئے ایسا طریق بیان عام ہے۔ جس پر صرف وہی شخص نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو ؛

حضرت اقدس کے خاندانی حالات

جناب محقق صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل اول اور ہشتم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذاتی اور خاندانی حالات کے متعلق جو اقتباسات درج کئے ہیں۔ ان کے درج کرنے کے طریق اور انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے پڑھنے والوں پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعلق ایک ادنیٰ اور مفلوک الحال خاندان سے تھا۔ اور چونکہ آپ کا گذارہ مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے تنگ تھا۔ اس لئے آپ نے نعوذ باللہ دنیا طلبی کی نیت سے ایک مذہبی تحریک جاری کی۔ تا اس ذریعے آپ پیری مُریدی کا سلسلہ قائم کر کے دنیاوی جاہ و عزت حاصل کر لیں ؛

محقق صاحب محترم کی یہ کوشش ان علاقوں میں تو کارگر نہیں ہو سکتی۔ جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندانی حالات سے لوگ واقف ہیں۔ ممکن ہے حیدر آباد کی پبلک بوجہ دُور افتادہ ہونیکے اس وسوسہ انگیزی سے متاثر ہو۔ لہذا مناسب ہے۔ کہ اس بحث کے ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کی دنیاوی حیثیت کے متعلق بھی بالاختصار کچھ عرض کیا جائے ؛

شاہانِ مغلیہ کیساتھ تعلقات

آپ کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے پنجاب بلکہ ہندوستان کے ممتاز

خاندانوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اور اسکا یہ امتیاز شاہان مغلیہ کے عہد حکومت سے مسلّم ہے۔ چنانچہ آپکے جد امجد مرزا فیض محمد صاحب کو جو آپکے پڑ دادا حضرت مرزا گل محمد صاحب کے والد تھے۔ محمد فرخ سیر بادشاہ نے منصب ہفت ہزاری اور خطاب عضد الدولہ عطا کیا تھا۔ جس کی سنداب تک خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے پاس موجود ہے۔

منصب ہفت ہزاری کی حیثیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ریاست حیدر آباد کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ بہادر فتح جنگ نواب میر قمر الدین خانصاحب مرحوم کو بھی بادشاہ محمد فرخ سیر نے یہی منصب عطا کیا تھا[۱]۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

بادشاہ محمد فرخ سیر کے علاوہ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی اور محمد شاہ بادشاہان دہلی کے ساتھ بھی اس خاندان کے گہرے دوستانہ تعلق رہے ہیں۔ چنانچہ ان سب بادشاہوں کے خطوط جو انہوں نے حضرت مرزا گل محمد صاحب کے نام لکھے۔ اب تک محفوظ ہیں۔ اور یہ بھی اس امر کا کافی ثبوت ہے۔ کہ آپ کا خاندان ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ؂

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے خاندانی حالات کتاب البریہ اور ازالہ اوہام میں کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان میں آپ نے قادیان کی "تاریخ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ یہ اسّی گاؤں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ جس پر آپ کے آباؤ اجداد حکمران تھے۔ مگر سکھوں کے عہد میں یہ ریاست تباہ ہو گئی اور آپکے خاندان کے قبضہ میں صرف چند گاؤں باقی رہ گئے ؂

ان تمام حالات سے ثابت ہے۔ کہ محقق صاحب نے آپکے خاندان کی حیثیت

[۱] تاریخ ہندوستان مصنفہ مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب جلد نہم ص۱ و مرآۃ الانساب ص۳۵ حاشیہ ص۲ ؂

کے متعلق جو خیال ناظرین کے دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ حقیقت سے کس قدر دُور ہے

خاندانی زوال کا مطلب

اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خاندان کے زوال پذیر ہونیکا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر اس سے مراد صرف یہ ہے۔ کہ انکی جو حالت پہلے تھی۔ زوال پذیر ہونیکے بعد وہ نہ رہی۔ ورنہ یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ آپ کا خاندان نعوذ باللہ مفلوک الحال اور ادنیٰ ہوگیا تھا۔ کیونکہ باوجود زوال کے آپ کا خاندان ہمیشہ علاقہ کے معزز اور بارسوخ زمیندار خاندانوں میں سے شمار کیا جاتا رہا ہے ؛

آنحضرت صلعم کے خاندانی حالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ حضورؐ کا خاندان بنو ہاشم قریش میں نہایت معزز و مکرم سمجھا جاتا تھا۔ اور حضورؐ کی بعثت سے قبل دنیاوی حیثیت سے قریش کے دیگر قبائل میں سب سے زیادہ بااثر و رسوخ تھا۔ مگر حضورؐ کی بعثت کے قریب زمانہ میں اس کا اثر و اقتدار کم ہوگیا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی سیرت النبیؐ جلد اول صفحہ ۱۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز۔ اور حریف یکدگر تھے۔ بنو ہاشم و بنو امیہ۔ عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ . . . . اس بنا پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا"

یہ عجیب بات ہے۔ کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی اثر و اقتدار کا زوال آنحضورؐ کے دادا عبدالمطلب کے بعد ہوا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کے خاندان کا زوال بھی پوری طرح آپ کے دادا کی وفات کے بعد ہوا ؛

"آخری فیصلہ"

جناب محقق صاحب نے فصل چہارم میں سب سے آخری عنوان "مرزا صاحب کا آخری فیصلہ" قائم کیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار بعنوان "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" نقل کر کے لکھا ہے۔

" خدا کی قدرت اور مقام عبرت کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ماشاء اللہ ابھی ۱۹۳۳ء تک کبر سنی میں بھی قادیانیت کی تردید میں زندہ کرامات بنے ہوئے ہیں۔ اور جناب مرزا صاحب اس اشتہار کے ایک ہی سال بعد مئی ۱۹۰۸ء میں ہیضہ کی وبا میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ اچھے اچھے واقف کار دم بخود رہ گئے۔ کہ خود مرزا صاحب کی دعا پر حق نے عجب فیصلہ کیا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔"

غیر منصفانہ طریق

کسی ایسے معاملہ کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے جس کا تعلق دو مصنفین کے ساتھ ہو۔ ضروری ہے۔ کہ اس کے متعلق دونوں کی تحریروں پر غور کیا جائے۔ مگر افسوس ہے۔ جناب محقق صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی نے حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" نہایت غیر منصفانہ طریق پر پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس سے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہے۔

تصویر کا صرف ایک رُخ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار کا عنوان ہی بتا رہا ہے۔ کہ اس میں جو طریق فیصلہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کا تبھی نتیجہ مرتب ہو گا۔ جبکہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی آپؑ کے "ساتھ" مل کر اس میں پیشکردہ طریق فیصلہ کو منظور کریں۔ اس لئے ایک حقیقی محقق کا فرض یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار کے بالمقابل مولوی ثناء اللہ صاحب کی وہ تحریر بھی درج کرے۔ جو انھوں نے اس کے جواب

میں شائع کی تھی لیکن ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب بالقابہ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ تصویر کا صرف ایک رُخ پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور دُوسرے کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور آپ نے اپنے اس طریق سے ناظرین کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف سے جو اشتہار" مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کے متعلق خاموشی اختیار کر کے اس میں پیشکردہ طریق فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیشکردہ طریق فیصلہ کو ہرگز منظور نہیں کیا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک اور طریق فیصلہ پیش کیا۔ اور چونکہ اصل مدعا مولوی صاحب پر اتمام حجت کرنا تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے مولوی صاحب کے پیشکردہ طریق فیصلہ کے مطابق ہی فیصلہ کر دیا ؛

مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب

مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار کے جواب میں جو تحریر شائع کی اس کا خلاصہ مولوی صاحب کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ہے :-

" آپ اس دعویٰ میں (کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجائے) قرآن شریف کے صریح خلاف کہہ رہے ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے۔ کہ بدکاروں کو خدا سے مہلت ملتی ہے۔ سنو! مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (پ ۱۶ ع ۸) اور اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا (پ ۴ ع ۹) اور وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ ۱ ع ۲) وغیرہ آیات تمہارے اس دجل کی تکذیب کرتی ہیں۔ اور سنو! بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ

حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (پ ۱۷ ع ۴) جن کے صاف یہی معنی ہیں۔ کہ خدا ڈھیلے چھوڑے۔ دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کرلیں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتلاتے ہو۔ کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی" (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات سے حضرت مسیح موعودؑ کے پیشکردہ طریق فیصلہ کے خلاف استدلال کرنے کے علاوہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضورؑ کے اشتہار پر مزید اعتراضات یہ کئے۔ کہ:۔

(۱) "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اسے شائع کردیا۔"

(۲) "اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر ہے۔"

(۳) "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مرگیا۔ تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہوسکتی ہے؟"

(۴) "آپ نے بڑی چالاکی یہ کی کہ یہ دیکھا۔ کہ ان دنوں طاعون کی شدت ہے۔ خصوصاً صوبہ پنجاب میں سب صوبوں سے زیادہ ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں جو امرتسر سے بہت قریب ہے۔ یہ کیفیت ہے۔ کہ مُردوں کا اٹھانا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہر ایک شخص طاعون سے خائف ہے۔ اور کوئی آج اگر ہے۔ تو کل کا اعتبار نہیں۔ اور دیکھنے میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ کہ وہ ہے تو یہ نہیں۔ یہ ہے تو وہ نہیں۔"

(۵) "تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مسلمان تو طاعونی موت کو بموجب حدیث شریف کے ایک قسم کی شہادت جانتے ہیں پھر

وہ کیوں تمہاری دعا پر بھروسہ کر کے طاعون زدہ کو کاذب جانینگے"

(۶) "آپ نے ایک چالاکی یہ کی ہے۔ کہ پہلے تو صرف طاعون یا ہیضہ سے موت کی دعا کی۔ مگر اخیر میں آکر یہ بھی کہہ دیا۔ کہ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کرے"

(۷) "آپ نے پہلے لکھا تھا۔ کہ خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ اور انکی ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

(۸) آنحضرت صلعم باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال ہوئے مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا" (مرقع قادیانی بابت اگست ۱۹۰۷ء)

ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو کس جرأت سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس طریق فیصلہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کہ آؤ خدا کے حضور یہ دعا کریں۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھکر اپنی طرف سے دعا شائع بھی کر دیتے ہیں۔ مگر مولوی صاحب خدائی عدالت میں حاضر ہونے سے کس طرح گھبراتے۔ اور جان بچانے کیلئے حیلوں بہانوں سے کام لیکر لکھتے ہیں۔ کہ یہ طریق فیصلہ مجھے منظور نہیں۔

خدائی فیصلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اشتہار کے اخیر میں دو سطریں ایسی لکھی ہیں۔ کہ جن سے معاملہ کی ساری حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔ محقق برنی صاحب محترم نے ان سطور کو نقل کرنے سے

عمداً گریز کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس نتیجہ کے خلاف پڑتی تھیں۔ جسے آپ پبلک کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ سطور حسب ذیل ہیں :-

"بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے۔ کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

یعنی میرے اس اشتہار کے بعد اب مولوی صاحب کیلئے دو ہی راستے ہیں۔ اوّل یہ کہ میری دعا کے مقابل وہ بھی یہ دعا کریں۔ کہ اے خدا ہم میں سے جو جھوٹا ہے۔ وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔ دوئم یہ کہ اپنی جان بچانے کے لئے میرا پیش کردہ طریق فیصلہ منظور نہ کریں۔ اور اس کے برعکس کوئی اور طریق فیصلہ پیش کریں۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی آپ اختیار کریں گے۔ اس کے مطابق خدا تعالےٰ ضرور فیصلہ کر دیگا۔ تاکہ دنیا پر ظاہر ہوجائے۔ کہ سچا کون ہے۔ اور جھوٹا کون۔ مولوی صاحب نے ان میں سے جو صورت اختیار کی۔ وہ ان کے مذکورہ بالا جواب سے ظاہر ہے۔ آپکو چونکہ دنیاوی زندگی پیاری تھی۔ اس لئے آپ نے پہلی صورت کو نامنظور کیا۔ اور اپنی طرف سے فیصلہ کی یہ صورت پیش کی۔ کہ جھوٹا سچے کے بعد زندہ رہے۔ جس طرح مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہا تھا۔ سو خدا تعالےٰ نے مولوی صاحب کیلئے اپنے پیش کردہ مسلمہ طریق فیصلہ کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ یعنی یہ کہ مولوی صاحب کو مسیلمہ کذّاب کی طرح زندہ رکھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح وفات دیدی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار:

حضرت اقدس کا مرض الموت

جناب محقق برنی صاحب بالقابہ نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے متعلق

لکھا ہے۔ کہ ہیضہ سے واقع ہوئی۔ مگر یہ منجملہ آپ کے افتراؤں کے ایک نہایت ہی ناپاک افترا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت حضور کی خدمت میں پنجاب کے چوٹی کے ڈاکٹر اور اطباء حاضر تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کے مرض کی یہ تشخیص نہیں کی۔ جو آج ۲۶ سال کے بعد جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب نے کی ہے۔ آپ کے تیماردار ڈاکٹروں اور اطباء نے آپ کی وفات کا سبب اسہال قرار دیا ہے۔ چنانچہ جو اعلان بطور اطلاع اخبارات کو برائے اشاعت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے دستخطوں سے بھیجا گیا تھا۔ اس میں آپ کی بیماری کی تشخیص اسہال بیان کی گئی ہے۔ یہ اعلان محقق برنی صاحب نے اپنی کتاب کے ایڈیشن دوم کی فصل اول میں زیر عنوان "مرزا صاحب کی وفات" درج کیا ہے۔ ہم حیران ہیں۔ کہ آپ نے اسی درج کرنے کے باوجود حضرت اقدس کی وفات کا ہیضہ سے واقع ہونا کیونکر لکھ دیا۔ کیا آپ کے نزدیک اسہال اور ہیضہ میں کوئی فرق نہیں ہے؟

آپ نے مذکورہ بالا اعلان کے علاوہ سیرت المہدی مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سے حضرت ام المومنین کی ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ جس میں حضرت اقدسؑ کے مرض الموت میں اسہال کے علاوہ ایک قے آنے کا ذکر بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ محقق صاحب نے اس سے ہیضہ کا استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اطباء نے بالاتفاق لکھا ہے۔ کہ ہیضہ ایک وبائی مرض ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ جن دنوں لاہور میں فوت ہوئے۔ ان دنوں لاہور میں ہیضہ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ یعنی نہ آپ کی وفات سے پہلے ہیضہ کا کوئی کیس ہوا۔ نہ اس کے بعد۔ اور نہ آپ کے تیمارداروں اور خدمت گاروں میں سے کسی پر ہیضہ کا حملہ ہوا۔ ان حالات

ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ حضور کی وفات ہیضہ سے واقع ہوئی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ضعف معدہ کی پرانی بیماری تھی۔ جس کا سبب کثرت مطالعہ کتب اور اعصابی کمزوری تھا۔ اور ضعف معدہ کے باعث دماغی محنت یا تھوڑی سی سوءِ ہضمی ہو جانے سے بھی آپکو عموماً اسہال صفراوی (ڈائریا) کا دَورہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ مرض الموت میں بھی اسہال صفراوی ہی کا شدید دورہ ہوا جسمیں علاوہ دست کے بعض اوقات قے بھی ہو جاتی ہے۔ مخزن الحکمت ایڈیشن پنجم جلد دوم صفحہ ۱۶ میں اسہال صفراوی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"اسباب مرض : گرم ممالک اور گرم موسم ؛ علامات مرض : مریض کو قے، دست آنے لگ جاتے ہیں"۔ اسی طرح "The Prescriber" میں بھی ڈائریا کے متعلق بحث کرتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ اس میں بعض اوقات دستوں کے ساتھ قے بھی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

ڈائریا اور ہیضہ کے دستوں میں ایک بڑا مابہ الامتیاز یہ ہے۔ کہ ہیضہ کے دست پیچ کی طرح سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ مگر ڈائریا کے دست سفید رنگ کے نہیں ہوتے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کو جو دست آئے تھے۔ انکے متعلق یہ ثابت نہیں ہے۔ کہ وہ سفید تھے۔ پس آپ کے مرض کی صحیح تشخیص جیسا کہ ڈاکٹروں نے کی تھی اسہال ہے۔ نہ کہ ہیضہ ؛

یہاں فصل چہارم اور اس سے متعلقہ مضامین پر تنقید ختم ہوئی۔ اب ہم فصل پنجم اور اس سے متعلقہ مضامین پر تنقید شروع کرتے ہیں۔

فصل پنجم

اور اُس سے متعلقہ مضامین پر تنقید

جماعت احمدیہ کے دو فریق

جناب محقق صاحب نے فصل پنجم میں سب سے پہلے جماعت احمدیہ کے دونوں فرقوں (مبایعین و غیر مبایعین) کے باہمی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ان کے ذکر سے آپ کا منشاء کیا ہے۔ اگر آپ کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر اس معیار کی رُو سے تو انہیں اور بھی بہت سے انبیاء کی صداقت سے انکار کرنا پڑے گا۔ جن کی جماعت میں اختلافات واقع ہوئے۔

حضرت مسیحؑ کے متبعین میں اختلافات

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو دیکھ لیا جائے۔ کہ ان میں کس قدر شدید باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ رومن کیتھولک۔ پروٹسٹنٹ اور یونیٹیرین، وغیرہ سینکڑوں عیسائی فرقے آپس میں بہت سے مسائل میں اصولی اختلافات رکھتے ہیں۔ مگر کیا اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی صداقت پر کوئی حرف [illegible] ہے؟

آنحضرت صلعم کی اُمت میں اختلاف

[illegible] سے بھی زیادہ نزدیک کی مثال

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی ہے۔ حضورؐ کی اُمت مختلف فرقوں میں تقسیم ہے۔ اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے شدید اختلاف رکھتا ہے! ور مسلمانوں کے فرقوں کے یہ اختلافات محض زبانی اختلاف عقائد تک ہی محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اثرات سے تاریخ اسلام کے اوراق خون آلود نظر آتے ہیں۔ ہیج اعوج کے شیعوں۔ سُنیوں اور دیگر فرقہ ہائے اسلامیہ کی لڑائیوں کی طویل داستانوں کا ذکر جانے دو۔ قرنِ اوّل ہی کو دیکھ لو۔ کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے جھگڑوں کے کیسے خطرناک نتائج نکلے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یافتہ تھے۔ مگر جانتے ہو۔ کہ صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی جانیں ان کے اختلافات کی نذر ہوئیں۔ اگر علم نہ ہو۔ تو کتب سیر و تواریخ اٹھا کر دیکھو۔ تا پتہ لگے۔ کہ کس طرح ہزار ہا فرزندان اسلام ان جھگڑوں کی بدولت آپس میں کٹ مرے۔ اور اس کے بعد قرآن مجید کا حسب ذیل ارشاد خداوندی بھی پڑھو۔ اور پھر سوچو۔ کہ معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ (نساء ع۱۲) یعنی جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ اس کی سزا جہنم ہے۔ رہیگا اس میں۔ اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے۔ اور اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (بخاری) یعنی میرے بعد پھر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرو۔

محقق صاحب بالقابہ نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل دہم میں جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں (مبایعین وغیر مبایعین) کی بعض ایسی تحریریں بھی بالمقابل نقل کی ہیں۔ جو انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف شائع کی ہیں۔ اور جن میں ہر فریق نے دوسرے کی اعتقادی غلطیوں یا عملی کمزوریوں کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں اختلافات کی کسی قدر زیادہ تفصیل بیان کی جائے۔ تا یہ امر زیادہ واضح ہو جائے۔ کہ کسی نبی کی جماعت میں اختلاف پیدا ہو جانا کوئی نئی بات نہیں :

صحابہ رضی میں اختلافات کا آغاز

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہؓ میں اختلافات اور باہمی رقابتوں کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر ان کے نتائج کے علانیہ ظہور کی تلخی حضورؐ کی وفات کے معاً بعد ہوئی۔ شمس التواریخ جلد ۲ کے شروع ہی میں اس کا مفصل تذکرہ ہے۔ جس میں سے کسی قدر درج ذیل ہے :-

" منقول ہے۔ کہ جب حضرت مقدس نبویؐ نے محنت سرائے دنیا سے فردوس اعلیٰ کا ارادہ کیا۔ اور مقربان و مخصوصان حضور منزل ہمایوں میں مجتمع ہو کر جسد مطہر و قالب معنبر کے غسل و دفن کی تدبیر کرنے لگے۔ اس اندوہناک مفارقت کی مصیبت کے آسمان کو ٹوٹے ہوئے ابھی دو چار گھنٹہ بھی نہ گذرنے پائے تھے۔ اور اس ماتم کے سیاہ دن نے شرما کے رات کا برقع بھی ابھی اپنے منہ پر نہ ڈالا تھا۔ بلکہ مغیرہ بن شعبہؓ سٹ پٹاتے ہوئے آئے۔ اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ کہ حضور غضب ہو گیا۔ سقیفہ بن ساعدہ میں اشراف و اعیان انصار نے جمع ہو کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ ان کو دعویٰ ہے۔ کہ رسول کریمؐ

کی خلافت کے مستحق ہم ہیں۔ ہم نے دین کی مدد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کے اپنے شہر میں رکھا۔ اسلام کے دشمنوں سے لڑے۔ اور اپنی جان کو جان نہ سمجھا۔ پھر ہمارے ہوتے اور کون خلیفہ ہو سکتا ہے۔ اور دین میں جان بھی ہم نے ڈالی ہے۔ اور اسے گودوں میں پالا ہے۔ مہاجرین میں سے جو لوگ اسوقت وہاں موجود ہیں۔ وہ ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور دونوں میں بہت بڑی بحث و تکرار ہو رہی ہے۔ قریب ہے۔ کہ تلوار چل جائے۔ اور گھر ہی سے یہ شعلہ بلند ہو کر اسلام کے نشیمن کو جلا دے۔

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کلیجہ تھامے ہوئے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی گھبرائے۔ اور حضرات صدیق و فاروق اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کے اس تازہ فتنہ کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں جناب عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہما ملے۔ اور تینوں بزرگواروں کو روکا۔ کہ وہاں معاملہ دگرگوں ہے۔ آپ ہرگز تشریف نہ لے جائیں۔ خدانخواستہ دشمنوں کی جان پر نہ آ بنے۔ یہ نازک وقت آپ کی دست اندازی کے لائق نہیں رہا۔ اب تو قسمت میں جو لکھا ہے، ہو جانے دیجیے۔ مگر یہ لوگ کب رکنے والے تھے۔ جہاں تک ہو سکا۔ جلد مجمع انصار میں سینہ سپر کئے ہوئے پہنچے۔ اور وہاں بحث ہونے لگی :۔

خلافت کے مدعی گروہ

اس کے بعد مصنف نے معتبر کتب تواریخ کے حوالوں سے انصار و مہاجرین کی طویل اور گرما گرم بحث[1] کا ذکر کیا ہے۔ جس کا یہاں نقل کرنا موجب طوالت

[1] اس گفتگو کی نوعیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ اسمیں حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو قتل کا فتویٰ دیدیا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر سے زمی کرنے کو ارشاد فرمایا۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوگئی۔ تو حضرت سعد بن عبادہ سے بائیکاٹ کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ گھر میں اکیلے ہی نماز پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز

ہو گا۔ اس لئے ہم اسے چھوڑ کر اسی کتاب سے ایک اور اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صحابہؓ میں ایک اور گروہ بھی خلافت کا مدعی تھا۔

"حضور شافع المذنبینؐ کی وفات کے بعد مدینہ کے مسلمانوں میں بنی ہاشم ایک گروہ تھے۔ انہیں میں جناب علیؓ بھی شامل ہیں۔ دوسرا گروہ دیگر مہاجرین کا تھا۔ جس کے سردار ابو بکرؓ و عمرؓ تھے تیسری جماعت انصار کی تھی جس کے افسر سعد بن عبادہؓ تھے۔ آپ اچھی طرح سمجھے رہیں۔ کہ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی ایسا نہ تھا۔ جس کے دماغ میں خلافت کی ہوس نہ سمائی ہو۔ تیسرے گروہ یعنی انصار نے تو ڈنکے کی چوٹ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ بنی ہاشم کے خیالات کے لئے ہم بخاری کی یہ روایت لکھے دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے انتقال کے دن جناب علی مرتضےؓ سے حضرت عباسؓ نے کہا۔ "خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ چلو رسول سے خلافت کے باب میں دریافت کر لیں۔ اگر ہم مستحق ہیں۔ تو وہ ہمارے لئے وصیت کر جائینگے۔" جناب امیر نے جواب دیا۔ "میں ہرگز نہیں پوچھوں گا۔ وجہ یہ کہ ہمارے پوچھنے پر بھی اگر رسول اللہ نے انکار کر دیا۔ تو پھر آئندہ ہم خلافت ہی سے رہ گئے"

. . . . . . جب آنحضرت صلعم وفات فرما گئے۔ تو بنی ہاشم اور ان کے اعوان و مددگار جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر پر جمع ہوا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے سرگروہ تھے۔ وہاں خلافت ہی کے مشورے ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں صحابہؓ کے مجمع میں حضرت عمرؓ نے ایک تقریر کی تھی۔ اگر اس میں ایک لفظ بھی خلاف ہوتا۔ تو ضرور لوگ روک دیتے۔ وہ تقریر صحیح بخاری میں یوں مرقوم ہے۔ "جب خدا نے پیغمبرؐ کو اٹھا لیا۔ تو انصار نے ہم سے بالکل مخالفت کی۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ علیؓ و زبیرؓ

کی خلافت کے مستحق ہم ہیں۔ ہم نے دین کی مدد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کے اپنے شہر میں رکھا۔ اسلام کے دشمنوں سے لڑے۔ اور اپنی جان کو جان نہ سمجھا۔ پھر ہمارے ہوتے اور کون خلیفہ ہو سکتا ہے۔ اور دین میں جان بھی ہم نے ڈالی ہے۔ اور اسے گودوں میں پالا ہے۔ مہاجرین میں سے جو لوگ اسوقت وہاں موجود ہیں۔ وہ ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور دونوں میں بہت بڑی بحث و تکرار ہو رہی ہے۔ قریب ہے۔ کہ تلوار چل جائے۔ اور گھر ہی سے یہ شعلہ بلند ہو کر اسلام کے نشیمن کو جلا دے۔

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کلیجہ تھامے ہوئے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی گھبرائے۔ اور حضرات صدیق و فاروق اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کے اس تازہ فتنہ کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں جناب عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہما ملے۔ اور تینوں بزرگوار دل کو روکا۔ کہ وہاں معاملہ دگرگوں ہے۔ آپ ہرگز تشریف نہ لے جائیں۔ خدانخواستہ دشمنوں کی جان پر نہ آ بنے۔ یہ نازک وقت آپ کی دست اندازی کے لائق نہیں رہا۔ اب تو قسمت میں جو لکھا ہے۔ ہو جانے دیجئے۔ مگر یہ لوگ کب رکنے والے تھے۔ جہاں تک ہو سکا۔ جلد مجمع انصار میں سینہ سپر کئے ہوئے پہنچے۔ اور وہاں بحث ہونے لگی ؛

خلافت کے مدعی گروہ

اس کے بعد مصنف نے معتبر کتب تواریخ کے حوالوں سے انصار و مہاجرین کی طویل اور گرماگرم بحث[۱] کا ذکر کیا ہے۔ جس کا یہاں نقل کرنا موجب طوالت

[۱] اس گفتگو کی نوعیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ اسمیں حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو قتل کا فتویٰ دیدیا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر سے نرمی کرنے کو ارشاد فرمایا۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہو گئی۔ تو حضرت سعد بن عبادہ سے بائیکاٹ کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ گھر میں اکیلے ہی نماز پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز جمعہ

ہو گا۔ اس لئے ہم اسے چھوڑ کر اسی کتاب سے ایک اور اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صحابہؓ میں ایک اور گروہ بھی خلافت کا مدعی تھا۔

"حضور شافع المذنبینؐ کی وفات کے بعد مدینہ کے مسلمانوں میں بنی ہاشم ایک گروہ تھے۔ انہیں میں جناب علیؓ بھی شامل ہیں۔ دوسرا گروہ دیگر مہاجرین کا تھا۔ جس کے سردار ابو بکرؓ و عمرؓ تھے تیسری جماعت انصار کی تھی جس کے افسر سعد بن عبادہ رضؓ تھے۔ آپ اچھی طرح سمجھے رہیں۔ کہ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی ایسا نہ تھا۔ جس کے دماغ میں خلافت کی ہوس نہ سمائی ہو تیسرے گروہ یعنی انصار نے تو ڈنکے کی چوٹ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ بنی ہاشم کی خیالات کے لئے ہم بخاری کی یہ روایت لکھے دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے انتقال کے دن جناب علی مرتضےٰؓ سے حضرت عباسؓ نے کہا۔" خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ چلو رسول سے خلافت کے باب میں دریافت کر لیں۔ اگر ہم مستحق ہیں۔ تو وہ ہمارے لئے وصیت کر جائینگے"۔ جناب امیر نے جواب دیا۔" میں ہرگز نہیں پوچھوں گا۔ وجہ یہ کہ ہمارے پوچھنے پر بھی اگر رسول اللہ نے انکار کر دیا۔ تو پھر آئندہ ہم خلافت ہی سے رہ گئے"۔

. . . . . جب آنحضرت صلعم وفات فرما گئے۔ تو بنی ہاشم اور ان کے اعوان و مددگار جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر پر جمع ہوا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے سرگروہ تھے۔ وہاں خلافت ہی کے مشورے ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں صحابہؓ کے مجمع میں حضرت عمرؓ نے ایک تقریر کی تھی۔ اگر اس میں ایک لفظ بھی خلاف ہوتا۔ تو ضرور لوگ روک دیتے۔ وہ تقریر صحیح بخاری میں یوں مرقوم ہے۔" جب خدا نے پیغمبرؐ کو اٹھا لیا۔ تو انصار نے ہم سے بالکل مخالفت کی۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ علیؓ و زبیرؓ

اور ان کے ساتھی بھی ہمارے مخالف بن گئے۔ اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہو گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اور بھی صاف بیان کیا ہے۔ یعنے یہ کہ علیؓ و زبیرؓ اور ان کے ساتھی حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ہم سے جدا ہو کر جمع ہوئے۔ "تاریخ طبری میں ہے۔ کہ علیؓ و زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ زبیرؓ نے نیام سے تلوار باہر کر لی۔ اور کہا "جب تک علیؓ سے بیعت نہ کی جائیگی۔ میں تلوار نیام میں نہ کروں گا۔"

ان سب روایتوں سے یہ نتیجے نکلے۔ کہ حضورؐ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے بارہ میں تین فرقے ہو گئے تھے۔ انصارؓ۔ مہاجرینؓ۔ بنی ہاشمؓ۔ مہاجرین ابوبکرؓ کے اور بنی ہاشم علی مرتضیٰؓ کے ساتھ تھے۔ . . . . . اور انصار کے پیشوا سعد بن عبادہؓ تھے۔" (شمس التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۷ و ۵۸)

حضرت عمر رضؓ کا انتخاب اور بنو ہاشم

مسلمانوں میں باہمی اختلافات کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ روزافزوں ہوتا گیا۔ حتٰی کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے انتخاب پر بھی بنو ہاشم مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پیشتر جو گفتگو حضرت ابن عباسؓ سے حضرت علیؓ کی موجودگی میں کی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ بنو ہاشم کے دلوں میں دیگر مہاجرین کے متعلق کیا کیا خیالات تھے۔ یہ گفتگو تاریخ طبری میں مذکور ہے۔ ذیل میں ہم اسے شمس التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۸۲ سے درج کرتے ہیں:

"جناب عمر فاروقؓ۔ کیوں عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ ہمارے ساتھ شامل کیوں نہیں ہوئے؟

عبداللہ بن عباسؓ۔ مجھے نہیں معلوم۔

فاروق اعظمؓ۔ تمہارے باپ رسول اللہ صلعم کے چچا ہیں۔ اور تم رسول اللہ صلعم

کے چچا زاد بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم نے تمہاری طرفداری کیوں نہیں کی اور تمہیں کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا۔

ابن عباس رضؓ - میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر رضؓ - تم نہیں جانتے تو میں تو جانتا ہوں۔ کہ تمہاری قوم کو تمہارا سردار ہونا ہرگز منظور نہ تھا۔ ابن عباس رضؓ - کیوں ؟

حضرت عمر رضؓ - کیوں کیا۔ وہ چاہتے ہی نہ تھے۔ کہ نبوت اور خلافت ایک ہی خاندان میں آجائیں۔ شاید تم یہ کہتے ہو۔ کہ ابوبکر رضؓ نے ہمیں خلافت سے محروم کر دیا۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر رضؓ نے جو کیا۔ وہ نہایت ہی مناسب اور بہتر کیا۔ اگر وہ تمہیں خلافت دے بھی دیتے۔ تو بھی تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔ اور بڑے بڑے جھگڑے پیدا ہوتے۔ اے عبداللہ بن عباس رضؓ۔ میں نے تمہاری نسبت بہت سی باتیں سنی ہیں۔ مگر میں نے اس خیال سے ان کی تحقیق نہیں کی۔ تاکہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے :

ابن عباس رضؓ - میں بھی تو سنوں کہ وہ کیا باتیں ہیں۔

حضرت عمر رضؓ - میں نے سنا ہے۔ کہ تم کہتے ہو۔ کہ لوگوں نے ظلمًا اور حسدًا ہمارے خاندان سے خلافت چھین لی۔

ابن عباس رضؓ - ظلمًا تو میں نہیں کہتا۔ مگر حسد کا کچھ تعجب نہیں۔ شیطان[1] نے آدم پر حسد کیا۔ ہم لوگ بھی آدم ہی کی اولاد ہیں۔ اگر محسود ہوں تو کیا تعجب۔

حضرت عمر رضؓ - افسوس ! صد افسوس !! بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہیں مٹتے۔ اور مجھے خوف ہے۔ کہ اس کا نتیجہ برا ہوگا۔

ابن عباس رضؓ - آپ یہ نہ کہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم بھی تو ہاشمی ہی تھے۔

جب فاروق اعظم رضؓ نے دیکھا۔ کہ میرا اخیر وقت ہے۔ اور یہ دل کے بخار

---

[1] حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ پر کیسا خفیہ پاک حملہ ہے ؟

نکالتے ہیں۔ تو کہا۔ خیر اس ذکر ہی پر خاک ڈالو۔ اور اسے جانے دو حضرت ابن عباس رضؓ تشریف لے گئے“

حضرت عثمان رضؓ کے انتخاب پر جھگڑے

حضرت عمر رضؓ کی وفات پر جب حضرت عثمان رضؓ کا انتخاب ہوا۔ تو اس وقت بھی صحابہ رضؓ میں بہت سا جھگڑا تھا۔ مختلف پارٹیوں نے خلافت پر اپنا اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ مگر بالآخر صرف دو امیدوار رہ گئے یعنی حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ۔ ناسخ التواریخ جلد سوئم صفحہ ۱۲۱۰ میں اس مرحلہ کے متعلق لکھا ہے :-

”اب جناب عثمان رضؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ دو صاحب خواستگار خلافت رہ گئے۔ ایک بنی امیہ اور ایک بنو ہاشم۔ ایک دادا کی اولاد۔ ایک گھر۔ چاہے یہ انہیں خلیفہ کر دیں یا وہ انہیں۔ مننے بکھیڑے کی بات ہی کیا تھی۔ مگر نہیں جھگڑا ہوا ہی۔ اور بے دردسری کے فیصلہ نہ ہُوا“

حضرت عثمان رضؓ کے کثرت آراء سے منتخب ہو جانے پر حریف پارٹیوں کی باہمی رقابت میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور یہ عداوتیں بڑھتے بڑھتے اول حضرت عثمان رضؓ کے قتل کا باعث ہوئیں۔ اور پھر اسلام میں ایک خطرناک اور وسیع خانہ جنگی کا موجب بنیں۔ جو آج تک ختم ہونے میں نہیں آتی۔

حضرت ام المومنین رضؓ کی ہتک

حضرت عثمان رضؓ پر مسلمان کہلانے والے باغیوں نے جو الزام لگائے ہیں۔ انکی فہرست بہت طویل ہے۔ جو چاہے۔ تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

ان مفسدوں کے گروہ نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے کے دوران میں بہت سی ناز یبا حرکات کیں۔ مگر ہم اس جگہ ان کی ایک بے باکی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر میں پانی تک

اندر جانے سے روک دیا۔ تو امہات المومنین رضؓ میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کی مدد کے لئے آئیں۔ آپ ایک خچر پر سوار تھیں۔ اور اپنے ساتھ ایک مشکیزہ پانی کا بھی لائیں۔ تا حضرت عثمان کو پانی پہنچا سکیں۔ اصل غرض آپ کی یہ تھی۔ کہ بنو امیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کی وصیتیں حضرت عثمان رضؓ کے پاس تھیں اور آپ نے جب دیکھا۔ کہ حضرت عثمان رضؓ کا پانی باغیوں نے بند کر دیا ہے۔ تو آپکو خوف ہوا۔ کہ وہ وصایا بھی کہیں تلف نہ ہو جائیں۔ جب آپ حضرت عثمان رضؓ کے دروازہ تک پہنچیں۔ تو باغیوں نے انکو روکنا چاہا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ حضرت ام حبیبہ رضؓ ہیں۔ مگر اس پر بھی وہ باز نہ آئے۔ اور آپکی خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت ام المومنین رضؓ نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ بنو امیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کی وصایا ضائع نہ ہو جائیں۔ اس لئے اندر جانا چاہتی ہوں۔ تا کہ ان کی حفاظت کا سامان کر سکوں۔ مگر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ کو جواب دیا کہ تو جھوٹ بولتی ہے۔ اور آپکی خچر پر حملہ کر کے اس کے پالان کے رستے کاٹ دئے۔ زین الٹ گئی۔ اور قریب تھا۔ کہ حضرت ام حبیبہ رضؓ گر کر ان مفسدوں کے پیروں تلے روندی جا کر شہید ہو جاتیں کہ بعض اہلِ مدینہ نے جو قریب تھے جھپٹ کر آپکو سنبھالا۔ اور گھر پہنچا دیا۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۳۰۱۰)

حضرت علی رضؓ کے انتخاب پر فسادات

خلافت و امارت کے یہ جھگڑے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت پر بھی ختم نہ ہوئے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر گئے۔ آپ کے بعد حضرت علی رضؓ کی باری آئی۔ آپ خلیفہ منتخب ہوئے۔ تو اختلافات حد سے زیادہ بڑھ چکے تھے۔ حالات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ پارٹیاں تو پہلے ہی سے بن چکی تھیں۔ اب ان میں سے ہر ایک نے مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا اپنا

اقتدار اور طاقت بڑھانے کی کوشش کی۔ اس رسہ کشی کا لازمی نتیجہ باہمی جنگ و جدال تھا چنانچہ جنگیں ہو کر رہیں۔ اور اسلام کا شیرازہ مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا۔ کہیں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ہو رہی ہے۔ اور کہیں حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ باہم دست و گریبان نظر آتے ہیں :

حضرت علیؓ کی معزولی کا اعلان

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی پہلی جنگ صفین کے مقام پر ہوئی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کے لشکر نے یہ دیکھکر کہ حضرت علیؓ کا لشکر غالب آ رہا ہے قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کیا۔ اور اس کے مطابق باہم صلح کی طرف دعوت دی۔ حضرت علیؓ کے لشکر نے قرآن مجید کو نیزوں پر دیکھکر فوراً لڑائی بند کر دی۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی دوسرے صحابہؓ کی نسبت بعض سخت الفاظ[۵] استعمال فرما کر اپنے ساتھیوں کو لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے آپکی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ لڑائی رک گئی۔ اور باہمی معاہدہ سے یہ قرار پایا۔ کہ جانبین سے ایک ایک آدمی منتخب کیا جائے۔ جو مل کر ان جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوئی صورت نکالیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ الاشعری نمائندہ منتخب ہوئے۔ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ۔ دونوں نے مل کر باہمی سمجھوتہ سے یہ فیصلہ کیا۔ کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں معزول کر دئے جائیں۔ اور کسی دوسرے شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی۔ سب لوگ جمع ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص ہوشیار آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری کو جو نسبتاً سادہ واقع ہوئے تھے۔ اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ پہلے وہ اپنی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے اس فیصلہ کا اعلان

[۵] طبری جلد ۷ صفحہ ۳۳۲۹ میں حضرت علیؓ کا یہ خطبہ درج ہے۔

کریں۔ اور ان کے بعد وہ خود اعلان کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ
نے پہلے اٹھ کر حضرت علیؓ کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ ان کے بعد حضرت عمرو بن
العاص اٹھے۔ آپ نے مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا: "ابو موسیٰ نے تمہارے
سامنے اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) کو خلافت سے معزول کر دیا ہے۔ اس سے
میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں۔ مگر میں اپنے ساتھی (حضرت معاویہؓ) کی خلافت
قائم رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کا دوست ہے۔ اور ان کے خون کا بدلہ
لینے کے لئے لڑ رہا ہے۔ اس لئے وہ حضرت عثمانؓ کی جانشینی کا زیادہ حق دار ہے۔"
حضرت ابو موسیٰ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ اور انہوں نے حضرت عمرو بن
العاص سے یوں مخاطب ہوئے "تم نے مجھ کو دھوکہ دیا ہے۔ اور تم نے غداری کی
ہے۔ تم کتے کی طرح ہو کہ جس پر اگر بوجھ لادا جائے۔ تب بھی زبان نکالتا ہے۔
اور اگر اسے چھوڑ دیا جائے تب بھی زبان نکالتا ہے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ
نے حضرت ابو موسیٰ کو جواب دیتے ہوئے کہا "تمہاری مثال اس گدھے کی ہے
جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔" (طبری جلد ۷ صفحہ ۹۵۔۱۳۳)

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کا ملاحظہ

طبری جلد ۶ صفحہ ۴۰۔۴۴۴ میں
ایک روایت آئی ہے۔ کہ:-

"حضرت علیؓ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے اور دعا کرتے تھے
کہ اے اللہ معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ ابو الاعور السلمی، حبیب، عبد الرحمن بن
خالد۔ ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنت بھیج۔ جب حضرت معاویہؓ کو اس کی
خبر ہوئی۔ تو انہوں نے بھی قنوت میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت
اشتر اور حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ پر لعنت کرنا شروع کر دیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔
نمائندگان کے اعلان مذکورہ کے بعد حضرت علیؓ کے لشکر کے ایک حصہ

نے حضرت علیؓ پر یہ الزام لگایا۔ کہ آپ نے حکم کی تجویز پر رضامندی کا اظہار کر کے قرآن مجید کے ارشاد لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (نہیں فیصلہ مگر خدا کا) کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور نعوذ باللہ کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لئے جب تک آپ اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کریں گے۔ تب تک ہمارا آپ سے، کوئی تعلق نہیں [۱]

یہ گروہ بعد میں خوارج کے نام سے پکارا گیا۔ اس نے حضرت علیؓ سے لڑائیاں بھی کیں۔ اور آپ کی ذات بابرکات پر نہایت سخت حملے بھی کئے۔ مثلاً یہ کہ آپ حضرت عثمانؓ کے قتل کے منصوبہ میں شریک تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگانے والوں میں بھی شریک تھے۔ اور قرآنی آیت وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (سورہ نور) آپ ہی کے حق میں نازل ہوئی۔ نعوذ باللہ من ذالک (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۶۱ بحوالہ کتب عبد الحمید مغربی فاجی)

حضرت علیؓ پر خارجیوں کے مزید مطاعن کی تفصیل انکی تفسیر القرآن ہمیان الزاد کے دیباچہ سے معلوم ہو سکتی ہے ؛

شیعوں کا ظہور

خوارج کے پیدا ہو جانے کے بعد مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ شیعہ کے نام سے پیدا ہو گیا۔ اس نے خارجیوں کے مقابل پر حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف میں انتہائی غلو سے کام لیا۔ اور آنجنابؓ کے علاوہ دوسرے خلفاء کرام یعنی حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو نعوذ باللہ غاصب۔ ظالم اور منافق وغیرہ القاب سے یاد کیا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان حضرات ثلاثہؓ کو کافر کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ شیعوں کے بعد مسلمانوں میں اور سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے جن کا تذکرہ موجب تطویل ہے۔ اس لئے ہم اس بحث کو یہیں چھوڑتے ہیں ؛

تاریخ اسلام سے مذکورہ بالا واقعات کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد

[۱] طبری جلد ۷ صفحہ ۳۳۶۲

ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا ہے۔ کہ کسی نبی کی جماعت میں اختلاف پیدا ہو جانا اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جناب محقق برنی صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے دو فریقوں کے باہمی اختلافات کو آپ کے جھوٹا ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرنا بالکل بے معنی بات ہے۔ یہ درست ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور ہر فریق دوسرے کے عقائد و اعمال پر نکتہ چینی اور اعتراض کرتا ہے۔ لیکن کیا ان کے باہمی اعتراضات کی جنہیں جناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے ایڈیشن اول کی فصل پنجم میں اور ایڈیشن دوئم کی فصل دہم میں نقل کیا ہے۔ ان اختلافات کے سامنے کچھ بھی حقیقت ہے۔ جو صحابہؓ میں پائے جاتے تھے۔ اور اب ان کے بعد مختلف فرقہ ہائے اسلامیہ میں پائے جاتے ہیں؟

صداقت پرکھنے کا ایک عجیب معیار

جناب محقق صاحب نے فصل پنجم میں دوسرا عنوان "قرآنی تنبیہہ" قائم کیا ہے۔ اس کے ذیل میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرزائی صاحبان کو قرآن شریف میں اپنے لئے بہت سے بشارات نظر آتے ہیں۔ اور وہ بڑے شد و مد سے کتابوں میں درج کرتے ہیں۔ یہ دعاوی دیکھ کر ہم نے بھی ایک خاص وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر اس بارہ میں قرآن کریم سے حقیقت حال دریافت کی۔ تو عجیب پتہ کا جواب ملا۔ سبحان اللہ۔ یہ قرآن کریم کا معجزہ نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ ناظرین بھی اس تنبیہہ کے محل و مصداق پر غور فرمائیں۔ واللہ اعلم بالصواب

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ"

اس کے بعد آپ نے سورہ توبہ کی دو آیات (نمبر ۱۰۴ و ۱۰۵) درج کی ہیں ؛

محقق صاحب کی قابل صد فخر ہستی

ناظرین ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان پروفیسر برنی صاحب کی جدت الطبع کی داد دیں۔ کہ مذہبی اختلافات میں حق و باطل کا امتیاز کرنے کے لیئے آپ نے کیسا آسان طریق ایجاد فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے سینکڑوں فرقے ہیں۔ جن میں ابتدا سے اسلام سے۔ لیکر آج تک ہزاروں مسائل میں باہمی اختلافات چلے آتے ہیں۔ ہر گروہ اپنے تئیں حق پر اور دوسروں کو باطل پر خیال کرتا ہے۔ اور اپنے عقائد کی تائید میں دن رات قرآن وحدیث سے استنباط کرنے میں مصروف ہے۔ شیعہ سنی۔ حنفی۔ وغیرہ سب فرقے اسی طریق پر اپنے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ان میں کسی کو آج تک یہ نہ سوجھی۔ کہ وہ حق و باطل میں فیصلہ کا کوئی سہل طریق پیش کرے۔ اور یہ سعادت صرف ہماری اس چودھویں صدی کے لئے ہی ازل سے مقدر تھی۔ کہ اس میں جناب پروفیسر الیاس برنی صاحب جیسے محقق اور عالی دماغ انسان پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے دنیائے مذہب میں ایک ایسا معیار پیش کیا ہے۔ جس سے سب جھگڑے فوراً چک سکتے ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ ایسی ہستی پر جسقدر ناز کیا جائے۔ کم ہے۔ اگر یورپ و امریکہ کو اپنے موجدین مثلاً نیوٹن اور ایڈیسن وغیرہ پر فخر ہے۔ کہ انہوں نے ہزاروں نئی ایجادیں کر کے دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ تو ہندوستان کے لئے بھی یہ امر کوئی کم باعث فخر نہیں ہے۔ کہ اس میں بھی ایک ایسا قابل جوہر پیدا ہوا ہے۔ جس نے آج تمام پرانے جھگڑوں کے فیصلہ کی نہایت آسان راہ نکالی ہے۔ کیا ہی خوش قسمت ہے عثمانیہ یونیورسٹی۔ جس کے سٹاف

میں ایسا دل و دماغ رکھنے والا پروفیسر ہے۔ اور کیا ہی قابل رشک ہی سرزمین حیدرآباد۔ جس میں ایک ایسا کامل فرد رہتا ہے۔ جس کی نظیر دنیا کے تختہ پر ملنی محال اور ناممکن ہے ؛

زمانہ کی ستم شعاری

مگر زمانہ کی ستم شعاری ملاحظہ فرمایئے۔ کہ یہ باکمال لوگوں کا ہمیشہ سے دشمن چلا آیا ہے۔ اور اُن کی خوبیاں اور کمالات اُن کے جیتے جی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اگر حیدرآباد کی سرزمین جوہرشناس ہوتی۔ تو اس کے باشندگان فوراً جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب بالقابہ۔ کے بتائے ہوئے طریق فیصلہ کے مطابق قرآن مجید سے فالیں نکال نکال کر اپنے صدیوں کے مذہبی جھگڑوں کا کبھی سے خاتمہ کر چکے ہوتے۔ بلکہ عقلمندی کا اقتضا تو یہ تھا۔ کہ وہ فالیں نکالنے کا کام جناب پروفیسر برنی صاحب ہی کے سپرد کر دیتے۔ اور خود گھروں میں بیٹھ کر صرف فیصلہ سُننے کے منتظر رہتے۔ اور جناب محقق صاحبؒ ایک خاص وقت نبی کریم کا واسطہ دیکر سب مذاہب کے بارہ میں باری باری فال نکالتے جاتے۔ اور اس کے مطابق فیصلہ سناتے جاتے۔ حتیٰ کہ بالآخر ایک سچے مذہب کی تعیین ہو جاتی۔ اور سب لوگ بلا چون و چرا اس میں داخل ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ آج ہم حیدرآباد میں یہ روح پرور نظارہ دیکھ رہے ہوتے۔ کہ وہاں نہ کوئی شیعہ ہے اور نہ سُنی۔ اور نہ حنفی اور نہ وہابی۔ بلکہ سب فرقے متحد ہو کر ایک ہی جماعت بن گئے ہیں۔ واہ! سبحان اللہ۔ کیسی مبارک تجویز ہے۔ جس کے خوشگوار نتائج کے تصور ہی سے روح میں انبساط اور فرحت پیدا ہوتی ہے ؛

اہل حیدرآباد سے توقع

کیا ہم اہل حیدرآباد سے یہ توقع رکھ سکتے

ہیں۔ کہ وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنا کر اپنے روز روز کے مذہبی مناقشات کا
دم کے دم میں فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ جب تک گھر میں اس پر عمل نہ ہوگا۔
باہر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تحریک نہیں ہوسکتی۔ محقق صاحب سے
بھی ہم یہ درخواست کریں گے۔ کہ وہ پہلے حیدرآباد میں سرتوڑ کوشش کرکے
اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کیلئے لوگوں کو آمادہ کریں۔ اگر وہاں انہیں کامیابی
ہوئی۔ تو اور لوگ خود بخود اس کے اعلیٰ نتائج سے متاثر ہوکر اس پر عملدرآمد
شروع کردینگے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ابتداءً اس تجویز کو ہر دلعزیز بنانے
میں دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اور لوگ اعتراض بھی کریں گے۔ مگر امید ہے۔
محترم محقق صاحب ان تمام مشکلات کا اولوالعزمانہ ہمت سے مقابلہ کریں گے :

محقق صاحب سے ایک سوال

یوں تو ہم دل سے اس امر کے متمنی
ہیں۔ کہ مذہبی جھگڑوں میں تصفیہ کا جو
طریق ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی محقق صاحب نے پیش کیا ہے۔ اسے
مقبولیت حاصل ہو۔ مگر اس کے متعلق ایک سوال ہمارے دل میں کھٹکتا
ہے۔ جس کا عرض کرنا ضروری ہے۔ امید ہے۔ آپ اس پر روشنی ڈال کر
ہماری تشفی کر دیں گے۔ وہ سوال یہ ہے۔ کہ کیا تعلیم اسلام میں قرآن مجید
سے اس طریق پر فال نکالنے کی اجازت ہے۔ یعنی کیا سلف صالحین
میں سے کسی سے یہ ثابت ہے۔ کہ انہوں نے مسائل دینیہ میں باہمی
اختلافات کے فیصلہ کی بنیاد کبھی فال پر رکھی ہو۔ اگر یہ ثابت نہیں۔ اور
یقیناً ثابت نہیں۔ تو کیا اس پر شرعی اصطلاح میں بدعت کا لفظ اطلاق
نہیں پائے گا ؟

"حقیقی جانشینوں سے تکرار"

چشتی قادری محقق صاحب نے فصل نجم کے

خاتمہ میں دو عنوان قائم کئے ہیں۔ اول "خود مرزا صاحب کے انکار" اور دوسرا "حقیقی جانشینوں سے تکرار" مؤخر الذکر عنوان کے ذیل میں آپنے مولوی محمد احسن صاحب امروہی کا ایک اعلان درج کیا ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور آپ کی جماعت کے عقائد کو باطل۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب ہم فصل پنجم کے پہلے اعتراض کے جواب عرض کر چکے ہیں۔ اور بتا چکے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جانشینوں سے بھی ان کے مخالفین کی تکراریں ہوتی رہی ہیں۔ اس لئے اسکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں؛

مرتدین کا حال

عنوان اول کے ذیل میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاکر ارتداد اختیار کرنیوالوں سے دو یعنی مولوی نظیر احسن بہاری اور ڈاکٹر عبد الحکیم کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے نزدیک ان کے ارتداد کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "روزافزوں دعاوی" ہیں۔ حالانکہ اصل وجہ یہ نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ بعض لوگ ازلی بدبخت ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے ہاں سچی پاکیزگی اور خدا ترسی ان کے لئے مقدر ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر وہ چند دن کے لئے نیکی کی طرف مائل بھی ہوں۔ تب بھی ان کی طبیعت کی افتاد انہیں اس پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ چنانچہ ہر نبی کے متبعین میں ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جو پہلے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر جب ان کی شقاوت ازلی ان پر غالب آجاتی ہے۔ تو وہ منحرف ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے ماننے والوں میں سے بھی بعض مرتد ہوئے؛

حضرت اقدس کی ایک دُعا

دراصل جس شخص کے نفس میں کبر ہو۔

اور اس میں صلاحیت کا مادہ مفقود ہو۔ وہ پاکوں کی جماعت میں نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کی طبیعت ان میں اپنا رفیق اور ہمخیال نہیں پاتی۔ اور جس طرح اُسکی طبیعت ان سے نہیں ملتی۔ اسی طرح وہ بھی اس سے مل کر راحت حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے وجود سے سخت اذیت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت میں اسی قسم کے لوگ دیکھکر خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تھی۔ کہ :۔

" اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالےٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے۔ جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں۔ کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اُسکو حاصل ہو۔ تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے منحرف کر دے۔ جیساکہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور لا۔ جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو . . . میں نہیں چاہتا۔ کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر میرے ساتھ پیوند کرے " (اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دعا دعویٰ کے ابتدائی ایام کی ہے۔ اس وقت آپ کی جماعت دو تین سو کے درمیان تھی۔ خدا کی قدرت اس کے بعد کئی لوگ جو اپنے دلوں میں کبر رکھتے تھے۔ آپ سے منحرف ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ نے ان میں سے ہر ایک کی بجائے ہزار ہزار ایسے پاکیزہ اور نرم دل لوگوں کو آپ کی جماعت میں داخل ہونیکی توفیق دی۔ جو آپؑ سے سچی محبت اور للہی اخلاص رکھتے تھے۔ اور اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے مخلصین مریدین کی جماعت لاکھوں کی تعداد میں اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ تعجب ہے۔ جناب محقق صاحب کی نظر ایک دو مرتدین پر تو پڑی۔ مگر اس کے مقابل میں انہیں یہ نظر نہ آیا۔ کہ آپ کو خدا تعالےٰ نے کس قدر

قبولیت عامہ بخشی۔ اور کس طرح خدا تعالےٰ نے آپ کے نام کو برکت دی ؛

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں کفار کی چالوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آل عمران ع)
یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے یہ منصوبہ کیا۔ کہ دن کے پہلے حصہ میں قرآن مجید پر ایمان لے آؤ۔ اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد ارتداد اختیار کرلو۔ تاکہ وہ (مومن) بھی تمہارے ساتھ مرتد ہو جائیں ؛

مرتدین کے الزامات کی حیثیت

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے۔ جو پہلے تو آپ پر ایمان لے آتے۔ مگر بعد میں ارتداد کا اعلان کرکے۔ آپ کے خلاف باتیں مشہور کرتے پھرتے تھے۔ تاکہ لوگ آپ سے بدظن کریں۔ لیکن عقلمندوں کے نزدیک ایسے لوگوں کی باتیں ہرگز قابل اعتنا نہیں ہو سکتیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو ایک نہایت نکتہ رس امام گذرے ہیں۔ اپنی کتاب الشفاء میں تحریر فرماتے ہیں :-

" عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ روایت آئی ہے۔ کہ وہ مرتد ہوگیا۔ اور مشرکین مکہ کے پاس جاکر کہنے لگا۔ کہ میں جس طرف چاہتا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پھیر لیتا تھا۔ وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے عَزِيزٌ حَكِيمٌ لکھاتے۔ میں کہتا۔ کیا عَلِيمٌ حَكِيمٌ لکھوں ؟ تو آپ کہہ دیتے۔ ہاں سب درست ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

فرماتے۔ کہ یوں لکھو۔ وہ دریافت کرتا۔ یوں لکھوں؟ توآپ فرما دیتے۔ جس طرح چاہو لکھو۔ مثلاً آپ اُسے حکم دیتے۔ کہ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ لکھو۔ وہ پوچھتا سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا لکھوں؟ توآپ فرماتے۔ جو چاہو لکھ لو۔ اور صحیح میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک عیسائی ایمان لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ پھر وہ مرتد ہو گیا۔ ارتداد کے بعد اس نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تو سوائے اس کے جو میں لکھ دیتا تھا۔ اور کچھ آتا ہی نہیں۔

اے پڑھنے والے اللہ تعالےٰ ہمیں اور تمہیں بھی حق پر ثابت قدم رکھے۔ اور شیطان اور اس کی تلبیس کو ہماری طرف راہ نہ پانے دے۔ تو جان لے۔ کہ ایسی روایات مومن کے دل میں کوئی شبہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کی باتیں ہیں۔ جو مرتد ہو گئے تھے۔" [۵۱]

فاضل محقق صاحب نے مولوی نظیر احسن بہاری کا اعلان ارتداد اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ جس میں مولوی مذکور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بہت سے الزامات اور اتہامات لگائے ہیں۔ مگر ان سب کی حیثیت وہی ہے۔ جو مذکورہ بالا روایات میں عبد اللہ بن ابی سرح اور مرتد عیسائی کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر الزامات کی تھی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے ارتداد کا باعث

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے ارتداد کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۹ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"سو پہلے وہ امر لکھنے کے لائق ہے۔ جس کی وجہ سے عبدالحکیم خاں ہماری جماعت سے علیحدہ ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس کا عقیدہ ہے۔ کہ

[۵۱] القسم الثالث فصل پنجم صفحہ ۱۸۶ ترجمہ از عبارت عربیہ

نجات اُخروی حاصل کرنے کے لئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک جو خدا کو وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ (گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مکذب ہو) وہ نجات پائے گا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اس کے نزدیک ایک شخص اسلام سے مرتد ہو کر بھی نجات پاسکتا ہے۔"

اس ارشاد سے ظاہر ہے۔ کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے ارتداد کی وجہ جیساکہ جناب محقق صاحب نے خیال کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "روزافزوں دعاوی" نہ تھی۔ بلکہ اصل وجہ اس کا ایک غلط عقیدہ تھی۔ جس میں اوّل اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اختلاف کا اظہار کیا۔ اور بعد میں اسی اختلاف عقیدہ نے اُسے گمراہی اور ضلالت کی انتہاء گہرائیوں میں پھینک دیا۔ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَلْبَاب

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کی حقیقت

دیانتدار محقق صاحب نے اخیر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے متعلق ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس پیشگوئی کی حقیقت حال کا اظہار کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے۔ کہ ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے متواتر الہامات کے ذریعہ یہ بتایا گیا۔ کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ بلکہ ایک کشف میں آپ کی عمر دو تین[1] سال بتائی گئی۔ آپ نے یہ

[1] "چند روز کا رؤیا ہے۔ کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطّر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا۔ "آبِ زندگی" (رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۴ نمبر ۱۲ صفحہ ۴۸۰)

سب الہامات اور کشوف شائع کر دئے۔ اور وصیت بھی کر دی۔ ڈاکٹر عبدالحکیم نے اِلّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَۃَ کے مطابق یہ الہامات پڑھ کر ۱۲ر جولائی ۱۹۰۶ء کو حضورؑ کی تین سال کے عرصہ میں وفات کی پیشگوئی کر دی جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث کو بھی ڈاکٹر صاحب کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھنا پڑا۔

"حقیقت میں یہ الہام مرزا صاحب کی تائید میں ہے۔ وہ بھی تو اپنی موت کو قریب جان کر بہشتی مقبرہ کی وصیت کر چکے ہیں" (اہلحدیث ۲ر اگست ۱۹۰۶ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے جواب میں ایک اشتہار بعنوان "خدا سچے کا حامی ہو" شائع کیا۔ جس میں آپ نے اپنا یہ الہام درج کیا:۔ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ وہ سلامتی کے شاہزادے کہلاتے ہیں۔ اور ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ خدا کے فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے[۱] آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا۔ نہ جانا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّکَاذِبٍ وَ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ"۔ اس الہام کے آخری فقرہ کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں۔

"یعنی اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا۔ تُو جانتا ہے۔ کہ صادق اور مصلح کون ہے۔ اس فقرہ الہامیہ میں عبدالحکیم خاں کے اس قول کا رد ہے۔ جو وہ کہتا ہے۔ کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا۔ پس چونکہ وہ اپنے تئیں صادق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے خدا فرماتا ہے۔ کہ تُو صادق نہیں ہے۔ میں صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلاؤں گا۔"

---

[۱] اس فقرہ میں عبدالحکیم خاں مخاطب ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس اشتہار کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم نے اپنی پہلی پیشگوئی جس میں آپؑ کی وفات کی میعاد تین سال بتائی تھی۔ منسوخ کرتے ہوئے حسب ذیل پیشگوئی کی :۔

"مجھے (خدا نے) یکم جولائی ۱۹۰۶ء کو الہاماً فرمایا۔ کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا"[۹]

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشتہار الجنو ان "تبصرہ" میں اپنا حسب ذیل الہام مع ترجمہ و تشریح درج فرمایا :۔

"اپنے دشمن سے کہہ دے۔ کہ خدا تجھ سے مواخذہ لیگا۔ اور میں تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے۔ کہ جولائی ۱۹۰۶ء سے چودہ مہینہ تک تیری عمر کے دن باقی رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو جھوٹا کروں گا۔ اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا"

ڈاکٹر عبدالحکیم کی دوسری پیشگوئی کی میعاد یکم ستمبر ۱۹۰۸ء تک تھی۔ مگر وہ بے پیندے کے لوٹے کی طرح اس پر بھی قائم نہ رہا۔ بلکہ اس نے اسے منسوخ کر کے لکھا :۔

"الہام ۱۶ار فروری ۱۹۰۸ء : مرزا ۲۱ر ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ر اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائے گا" (اعلان الحق و اتمام الحجہ ص۲۶)

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اپنی پیشگوئی میں مذکورہ بالا تبدیلی عین اس وقت کی۔ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب چشمہ معرفت تصنیف فرما رہے تھے۔ حضورؑ نے اس میں اس پیشگوئی کو درج کر کے تحریر فرمایا ہی :۔

"میں اس کے شر سے محفوظ رہونگا" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۲)

[۹] رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ صفحہ ۶ مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحکیم

مگر خدا کی قدرت ڈاکٹر عبدالحکیم نے یہ پیشگوئی بھی منسوخ کردی - اور آخری پیشگوئی جو اعلان کے لئے مختلف اخبارات کے ایڈیٹروں کے نام بھیجی - اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

" مرزا قادیانی کے متعلق میرے جدیدہ الہامات شائع کرکے ممنون فرمائیں -(۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا " (پیسہ اخبار لاہور ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء و اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

مذکورہ بالا واقعات سے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے - کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کس طرح ہر مرحلہ پر اپنی پیشگوئی کو تبدیل کرتا رہا - اور بالآخر اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی تاریخ ۴ اگست ۱۹۰۸ء مقرر کی - اب ڈاکٹر عبدالحکیم کی مذکورہ بالا پیشگوئیوں اور ان کے مقابل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور تحریرات کو رکھ کر دیکھیں - کہ دونوں میں سے کون سچا ثابت ہوتا ہے - اور کون جھوٹا -

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے - ڈاکٹر عبدالحکیم نے یہ سب پیشگوئیاں اس وقت کیں - جبکہ ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے اطلاع پاکر بذریعہ رسالہ " الوصیت " اپنی وفات کے نزدیک بلکہ دو تین سال تک واقعہ ہونے کی پیشگوئی کردی تھی - اور بعد میں جو خدا تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا - کہ " میں تیری عمر کو بڑھا دوں گا " اس کی غرض محض ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کو جھوٹا کرنا تھا - جیسا کہ اشتہار " تبصرہ " کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے :" میں ان سب کو جھوٹا کروں گا - اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا " اور یہ اشتہار آپ نے اس وقت دیا تھا - جبکہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے اپنی پیشگوئی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی وفات کی میعاد تین سال کی بجائے چودہ ماہ کردی تھی۔ لیکن جب ڈاکٹر نے اِسے بھی تبدیل کرکے آپ کی وفات کی میعاد "یکم ستمبر ۱۹۰۸ء تک" کی بجائے "۴؍ اگست ۱۹۰۸ء تک" کردی۔ تو حضور نے اس کے جواب میں چشمۂ معرفت میں تحریر فرمایا۔ "میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔" اس کے شر سے محفوظ رہنے کا ایک طریق تو یہ ہوسکتا تھا۔ کہ آپ ۴؍ اگست کے بعد وفات پاتے۔ اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر عبدالحکیم پہلے کی طرح اس پیشگوئی کو بھی منسوخ کرکے آپ کی وفات کی کوئی اور ایسی تاریخ مقرر کردیتا۔ جس میں خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ کی وفات مقدر نہ تھی۔ ان دونوں صورتوں میں سے مؤخر الذکر وقوع میں آئی۔ یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی "۴؍ اگست تک" کی پیشگوئی منسوخ کرکے ایک نئی پیشگوئی کردی۔ یعنی یہ کہ "مرزا ۲۱؍ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴؍ اگست ۱۹۰۸ء کو) ہلاک ہوگا۔"

سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۴؍ اگست کو نہیں بلکہ ۲۶؍ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ پس ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی غلط۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی سچی نکلی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد "پیسہ اخبار" اور "اہلحدیث" دونوں نے صاف الفاظ میں ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کے جھوٹا ہونے کی شہادت دی۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" لکھتے ہیں:۔

"ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے۔ یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کرکے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کردیتے۔ جیساکہ انہوں نے کیا ہے۔ چنانچہ ۱۵؍ مئی ۱۹۰۸ء کے اہلحدیث میں آپ کے

الہامات درج ہیں۔ کہ ۱۲ ساون یعنی ۴ اگست کو مرزا مرے گا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر "پیسہ اخبار" نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے۔ کہ "۱۲۔ ساون کو" کی بجائے "۱۲ ساون تک" ہوتا۔ تو خوب ہوتا۔" (اہل حدیث ۱۲ جون ۱۹۰۸ء)

اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی آخری پیشگوئی کے سوا (جس کے مطابق فیصلہ ہوا) باقی پیشگوئیوں کے بالمقابل جواب کے طور پر اپنی زندگی میں اس کی ہلاکت کی پیشگوئی کی تھی لیکن جب اس نے اپنی ان سب پیشگوئیوں کو منسوخ کر دیا۔ تو حضرت مسیح موعود کے جوابات بھی بحال نہ رہے۔ کیونکہ ڈاکٹر مذکور کی پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود کے جوابات کے لئے بطور شرط تھیں۔ جب شرط نہ رہی۔ تو مشروط بھی نہ رہا۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔

خلاصہ کلام یہ کہ

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات حضور کے اپنے الہامات اور کشوف کی رو سے ۱۹۰۸ء میں مقدر تھی۔ سو اس کے مطابق آپ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالحکیم نے آپ کی وفات کی جو مختلف پیشگوئیاں کی تھیں ان میں سے پہلی سب کی سب اس نے اپنے ہاتھوں سے منسوخ کر کے کالعدم کر دیں۔ اور آخری جھوٹی نکلی۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے مقابل میں اپنی عمر کے بڑھنے اور اس کی اپنی زندگی میں ہلاکت کی جو پیشگوئیاں کی تھیں۔ وہ سب اس کی پیشگوئیوں کے جواب میں تھیں۔ اس نے جب اس نے اپنی پیشگوئیاں

تبدیل کر دیں۔ تو حضور کے جوابات بھی بحال نہ رہے۔

حضرت اقدس کی جماعت میں جھوٹے مدعیان نبوت کا

چشتی قادری محقق صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل یازدہم میں ایڈیشن اول کی فصل ہنجم کے مضامین میں اضافہ کرتے ہوئے زیر عنوان "قادیانی انبیاء" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین میں سے بعض مدعیانِ نبوت کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے خیال میں کسی مدعیٔ نبوت کے جھوٹا ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ اس کے متبعین میں سے کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ تبھی تو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے خلاف یہ معیار پیش کیا ہے:

آنحضرت صلعم کی اُمت میں جھوٹے مدعیان نبوت

مگر اصحاب علم وفہم پر روشن ہے۔ کہ کسی مدعیٔ نبوت کی صداقت کو پرکھنے کا یہ معیار نہ قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔ اور نہ کسی دوسری الہامی کتاب نے۔ بلکہ یہ جناب محقق صاحب بالقابہ کے ذہن کی اپنی اختراع ہے۔ جو سرے سے باطل ہے۔ کیونکہ بہت سے انبیاء جن کی صداقت مسلمہ فریقین ہے۔ اُن کے متبعین میں سے جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہوئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پیشگوئی فرمائی ہے۔ کہ میری اُمت میں بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے۔ اور تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضورؐ کی امت میں بہت سے جھوٹے نبوت کے دعویدار پیدا ہوئے۔ جو جلدی ہی تباہ و برباد ہو گئے۔ ان میں سے سب سے پہلا مسیلمہ کذاب تھا۔ جس نے پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حضورؐ کے بالمقابل نبوت کا دعویٰ کر دیا۔[۱]

[۱] عینی جلد ۷ صفحہ ۵۷۶ و زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۸۹۔

پس محقق صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض کہ آپ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آپ کی زندگی میں اور بعض نے آپ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا بالکل غلط اور بے معنی ہے ؛

یہاں تک ہم بفضلہٖ تعالیٰ تالیف برنی کے ایڈیشن اول کی تمام فصلوں پر تفصیلی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اسی کے ضمن میں مناسب موقع و محل ایڈیشن دوئم کی اکثر فصلوں پر تنقید بھی کر چکے ہیں۔ اب صرف ایڈیشن دوئم کی فصل اول کے بعض مضامین اور فصل ہفتم پر تنقید کرنا باقی ہے۔ ان دونوں فصلوں کے جو مضامین ایڈیشن اول کی کسی فصل کے ماتحت نہیں آسکے۔ بلکہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا جواب علیحدہ بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔

ضمیمہ

پیشگوئی متعلقہ احمد بیگ وغیرہ پر تمسخر

جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل ہفتم میں اُنیس عنوانات کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری وغیرہ کے متعلق چند اقتباسات سلسلہ احمدیہ کے مخالفین کی کتابوں سے نقل کرکے درج کئے ہیں۔ آپ نے اس فصل میں بہت کچھ بیجا تمسخر واستہزاء سے کام لیا ہے۔ انبیاء سے اُن کے مخالفین کا استہزاء ایک قدیم سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ يَٰحَسْرَةً عَلَى ٱلْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ یعنی افسوس ہے، بندوں پر کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ مگر یہ اسکے ساتھ ہنسی اور استہزاء سے پیش آتے رہے۔ منکرین سابقین کی اس سنت مستمرہ کا اس زمانہ میں بھی پورا ہونا ضروری تھا۔ مگر ہم محقق صاحب کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ تمسخر اور استہزاء آریہ اور عیسائی مصنفین کے اس تمسخر اور استہزاء کے مقابلہ میں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے

پس محقق صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض کہ آپ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آپ کی زندگی میں اور بعض نے آپ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا بالکل غلط اور بے معنی ہے ؛

یہاں تک ہم بفضلہ تعالیٰ تالیف برنی کے ایڈیشن اول کی تمام فصلوں پر تفصیلی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اسی کے ضمن میں مناسب موقع و محل ایڈیشن دوئم کی اکثر فصلوں پر تنقید بھی کر چکے ہیں۔ اب صرف ایڈیشن دوئم کی فصل اول کے بعض مضامین اور فصل ہفتم پر تنقید کرنا باقی ہے۔ ان دونوں فصلوں کے جو مضامین ایڈیشن اول کی کسی فصل کے ماتحت نہیں آسکے۔ بلکہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا جواب علیحدہ بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔

پیشگوئی متعلقہ احمد بیگ وغیرہ پر تمسخر

جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل ہفتم میں اُنیس عنوانات کے ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری وغیرہ کے متعلق چند اقتباسات سلسلہ احمدیہ کے مخالفین کی کتابوں سے نقل کرکے درج کئے ہیں۔ آپ نے اس فصل میں بہت کچھ بیجا تمسخر و استہزاء سے کام لیا ہے۔ انبیاء سے اُن کے مخالفین کا استہزاء ایک قدیم سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ یعنی افسوس ہے۔ بندوں پر کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ مگر یہ اسکے ساتھ ہنسی اور استہزاء سے پیش آتے رہے۔ منکرین سابقین کی اس سنت مستمرہ کا اس زمانہ میں بھی پورا ہونا ضروری تھا۔ مگر ہم محقق صاحب کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ تمسخر اور استہزاء آریہ اور عیسائی مصنفین کے اس تمسخر اور استہزاء کے مقابلہ میں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضؓ کے

واقعۂ نکاح پر کیا ہے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر آپ مخالفین اسلام کا وہ لٹریچر جس میں انہوں نے سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے پاکیزہ کیریکٹر پر نہایت نازیبا اور گندی تعریضات کی ہیں۔ مطالعہ کریں۔ تو آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ آپ میدان تمسخر واستہزاء میں ان سے کسی صورت میں بازی نہیں لے جاسکے۔

محترم محقق صاحب کے بے جا تمسخر اور گندی تعریضات کا تو ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس لئے ہم اُن سے قطع نظر کرکے پیشگوئی مذکورہ بالا کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ نے اس پیشگوئی کے متعلق جس قدر اقتباسات درج کئے ہیں۔ وہ سب منشی محمد یعقوب پٹیالوی کی کتاب "تحقیق لاثانی" سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کے تمام اعتراضات کا نہایت مدلل اور مسکت جواب ہماری طرف سے "تفہیمات ربانیہ" مصنفہ اخی المحترم مولانا ابوالعطاء جالندھری مبلغ بلاد عربیہ میں دیا جاچکا ہے۔ ہم اس جگہ اس کے ضروری حصّے برعایت اختصار درج کرتے ہیں۔ جو صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی بحث دیکھنا چاہیں۔ وہ اصل کتاب مینجر صاحب بکڈپو قادیان سے منگوا کر مطالعہ کرسکتے ہیں ؎

پیشگوئی کے الفاظ

اس پیشگوئی کی اصل حقیقت سمجھنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الہامات اور عبارتیں جن پر اس کی بنیاد ہے۔ قابل غور ہیں۔

(الف) "ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی۔ اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا

جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان ہے۔ تا خدا تعالےٰ اس کنبے کے منکرین کو اعجوبہ قدرت دکھائے۔ اگر وہ قبول کریں۔ تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے۔ اور ان بلاؤں کو دفع کردے جو نزدیک چلی آتی ہیں۔ لیکن اگر وہ رد کریں۔ تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبہ کرے۔"

(اشتہار مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء)

(ب) عربی الہام اس بارے میں یہ ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰه۔ (اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء) ترجمہ۔ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پس اللہ تعالیٰ تیری طرف سے ان کو کافی ہوگا۔

(ج) "خدا تعالےٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ کہ ان میں سے ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا۔ اور وہ جو نکاح کریگا۔ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا۔ اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی۔"

(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

(د) میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو رؤیا میں دیکھا۔ اس کے چہرہ پر رونے کے آثار تھے۔ میں نے اس سے کہا۔ اے عورت! توبہ کر۔ توبہ کر۔ ورنہ بلا تیری اولاد پر پڑیگی۔ اور ایک عظیم مصیبت تجھ پر نازل ہوگی۔ ایک شخص مر جائے گا۔ اور اس کی طرف سے بہت سے کتے باقی رہ جائیں گے۔" (اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء حاشیہ ترجمہ از عبارت عربیہ)

(۵) "اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ میں نے ان لوگوں (مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقین) کی نافرمانی اور سرکشی دیکھی۔ میں عنقریب ان پر مختلف آفات نازل کروں گا۔ میں ان کو آسمان کے نیچے سے تباہ و برباد کر دوں گا۔ اور تو دیکھیگا۔ کہ میں ان سے کیا کرتا ہوں۔ ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو بیوہ ان کے لڑکوں کو یتیم۔ اور ان کے گھروں کو ویران کر دوں گا۔ تاکہ وہ اپنی باتوں اور افعال کا مزہ چکھیں۔ لیکن میں ان کو یک دفعہ ہی ہلاک نہیں کروں گا۔ تاوہ رجوع کر سکیں۔ اور توبہ کرنے والے بن جائیں"۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹ ترجمہ از عبارت عربیہ)

ناظرین! یہ پانچ اقتباسات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں آپکے سامنے ہیں۔ ان سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:۔

اول۔ یہ پیشگوئی محض بطور نشان ہے۔ اور اس کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر وہ رشتہ کرنا قبول کریں۔ تو رحمت کا نشان دیا جائے گا۔ ورنہ عذاب اور بلاؤں کا نشان۔

دوم۔ بلاؤں کی صورت میں ان کے گھر کی عام بربادی و ویرانی اور خاندان کی تباہ حالی کے علاوہ مرزا احمد بیگ کسی دوسری جگہ رشتہ کرنے کے بعد تین برس بلکہ اس سے قریب عرصہ میں مرجائے گا۔ اور اس کا داماد اڑھائی برس میں۔

سوم۔ نکاح کا ہونا ان ہلاکتوں کے بعد۔ اور ان پر موقوف ہے۔ یعنی جب تک یہ موتیں وقوع پذیر نہ ہوں۔ نکاح کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

چہارم۔ احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت۔ نیز اس کے اقارب کی بربادی۔ تکذیب و استہزار کے نتیجہ میں ہوگی۔ جو انہوں نے اسلام اور

حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف اختیار کر رکھی تھی۔ جیسا کہ فقرہ کَذَّبُوْا بِاٰیَاتِنَا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ سے واضح ہے ؛

پنجم۔ بنا پیشگوئی تکذیب ہے۔ تاہم انہیں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس کا الہام "توبہ کر۔ توبہ کر۔ ورنہ بلا تیری اولاد پر پڑیگی" اس پر شاہد ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام کے الفاظ" میں ان کو یک دفعہ ہی ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تھوڑے تھوڑے کرکے ہلاک کروں گا۔ تا وہ رجوع کر سکیں۔ اور توبہ کرنے والے بن جائیں" اس پر محکم نقش ہیں۔ یعنی عذاب کے آہستہ آنے میں یہی منشاء الٰہی ہے۔ کہ وہ توبہ کرکے رجوع اختیار کریں۔ گویا پیشگوئی مشروط بعدم التوبہ ہے ؛

ششم۔ محمدی بیگم کی نانی پر مصیبت آئیگی۔ اور اس سارے قصہ میں صرف ایک شخص مرد (احمد بیگ) کی موت واقع ہو گی۔ اور اس پیشگوئی کا ظہور ایسے رنگ میں ہوگا۔ کہ بہت لوگ اعتراض کے لئے لب کشائی کریں گے۔ جیسا کہ الہام "ایک شخص مرجائے گا اور اس کی طرف سے بہت سے کتے باقی رہ جائیں گے" سے عیاں ہے ؛

مذکورہ بالا نتائج کے دو حصے بہت ہی اہم ہیں۔ یعنے ان ہر دو (خسر و داماد) کی ہلاکت کا شرطی ہونا۔ اور نکاح کا ان کی موت کے وقوع پر موقوف ہونا۔ اگر کوئی مخالف ان دو باتوں کو تسلیم کرلے۔ تو پھر اسے اس عظیم الشان نشان کے خلاف منہ کھولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میں ان دو باتوں کے متعلق حوالہ جات بالا کے علاوہ ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔

پیشگوئی شرطی ہے — ہمارے اس دعوے کے دو حصے ہیں :—

(الف) احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت شرطی ہے ؛

(ب) محمدی بیگم کا حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح میں آنا بھی شرطی ہے۔ اور وہ احمد بیگ اور سلطان محمد (داماد احمد بیگ) کی موت پر موقوف ہے ؛

اس دعویٰ کے پہلے حصہ کے مندرجہ ذیل ثبوت ہیں :-

ثبوت اوّل

اشتہار ۱۰ جولائی میں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے :- " یہ الہام جو **شرطی طور** پر مکتوب الیہ کی موت فوت پر دلالت کرتا ہے۔ ہم کو بالطبع اس کی اشاعت سے کراہت تھی "

ثبوت دوئم

الہام " توبہ کر۔ توبہ کر۔ ورنہ بلا تیری اولاد پر پڑے گی " جو تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت کا وقوع شرطی طور پر عدم توبہ کی صورت میں بنایا گیا ہے۔

ثبوت سوئم

آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹ کے الفاظ " تا کہ وہ رجوع اختیار کریں۔ اور توبہ کرنے والے بن جائیں " سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ انکی موت عدم توبہ کی صورت میں مقدر تھی ؛

ثبوت چہارم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور ایک کلیہ تحریر فرمایا ہے۔ " اس پیشگوئی کے ساتھ کوئی الہام ایسا نہیں۔ جس کے ساتھ شرط نہ ہو " (انجام آتھم ص ۲۲۳)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ محمدی بیگم کے باپ اور خاوند کی موت کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور یقیناً شرطی تھی۔

نکاح دونوں کی موت پر موقوف تھا

دوسرے دعویٰ یعنی یہ کہ محمدی بیگم کا حضرت اقدس کے نکاح میں آنا از روئے پیشگوئی صرف اسی صورت میں مقدر تھا۔ کہ احمد بیگ اور اس کا داماد مر جائیں۔ اس کے ثبوت یہ ہیں :-

ثبوت اوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ " ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس کے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا۔ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہو گا۔ **اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہو گی**" (تبلیغ رسالت جلد اول ص۶۱) گویا حضور نے نکاح کو آخری مرحلہ قرار دیا ہے۔ جو احمد بیگ اور اس کے داماد کی وفات پر موقوف ہے۔

ثبوت دوم حضرت اقدس کرامات الصادقین کے آخری سرورق میں تحریر فرماتے ہیں:۔ " اس لڑکی کا باپ اور خاوند یوم نکاح سے تین سال کے اندر مرجائیں گے۔ **پھر یہ لڑکی ان دونوں کی موت کے بعد** تیری طرف لائی جائے گی۔ اور کوئی اُسے روک نہ سکیگا۔" اس حوالہ سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ جب تک ہر دو موتیں وارد نہ ہولیں۔ وہ لڑکی حضرت اقدس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے بعد واقعات یوں رونما ہوئے۔ کہ مرزا احمد بیگ اور اس کے اقارب نے یہ پیشگوئی سُنکر بجائے خشیت الٰہی کے اور بھی سرکشی اختیار کر لی۔ اور یہ رشتہ ۷ راپریل ۱۸۹۲ء کو مرزا سلطان محمد ساکن پٹی۔ ضلع لاہور کے ساتھ کر دیا اس نکاح کے بعد پیشگوئی کے مطابق احمد بیگ کو تین سال بلکہ قریب عرصہ میں مرجانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ وہ چھٹے مہینے ہی مرگیا۔ گویا پیشگوئی کا پہلا حصہ نہایت صفائی سے پورا ہوا۔ جس پر منکرین کو بھی گنجائش انکار نہ رہی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے انہی دنوں اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۱ و ۲

نہیں لکھا۔ کہ اگرچہ یہ پیشگوئی تو پوری ہو گئی۔ مگر یہ الہام سے نہیں۔ بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی ؛

مرزا احمد بیگ کی وفات کے بعد اس کے خاندان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ محمدی بیگم کی نانی اور چچیاں مر گئیں۔ لیکن احمد بیگ کی موت نے تو ان کی کمریں توڑ دیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کے دلوں میں پیشگوئی کی ہیبت بیٹھ گئی۔ اور انہوں نے حضرت اقدس کو عجز و نیاز کے خطوط لکھے۔ اور توبہ اور رجوع سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پیشگوئی کا دوسرا حصہ یعنی مرزا سلطان محمد داماد مرزا احمد بیگ کی موت معرض التوا میں پڑ گئی۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے۔ کہ جب تک سلطان محمد کی موت واقع نہ ہو لیتی۔ محمدی بیگم کا حضرت اقدس کے نکاح میں آنا نہ پیشگوئی کا منشا تھا۔ اور نہ حضرت اقدس نے ایسا لکھا تھا ؛

ادنیٰ رجوع سے عذاب ٹلجاتا ہے

خلاصہ کلام یہ کہ پیشگوئی کے تین بڑے حصے تھے۔ (۱) احمد بیگ کی موت (۲) سلطان محمد کی موت (۳) محمدی بیگم کا نکاح۔ آخر الذکر مرحلہ اول الذکر دونوں موتوں کے بعد اور ان پر موقوف تھا۔ اور وہ موتیں عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھیں۔ مرزا احمد بیگ نے توبہ نہ کی۔ اس لئے وہ بہت جلد مر گیا۔ اس کی موت نے طبعی طور پر سلطان محمد اور دوسرے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا۔ اس لئے اُسکی موت ملتوی ہو گئی۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ کی سنت ہے۔ کہ وہ ادنیٰ رجوع سے بھی عذاب ٹال دیا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرعونیوں کی شرارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ جب ان پر عذاب آتا تھا۔ تو وہ حضرت موسیٰؑ سے کہتے تھے۔ یَاَیُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا

لَمُهْتَدُوْنَ یعنی اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر ہم ہدایت اختیار کرلیں گے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (زخرف ع ۵) یعنی جب ہم ان کے اس معمولی رجوع پر کہ وہ حضرت موسٰیؑ سے اے جادوگر کہکر عذاب ٹالنے کے لئے دعا کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ عذاب دور کر دیتے۔ تو وہ اپنے عہد کو توڑ کر پھر شرارتیں شروع کر دیتے۔ فرعونیوں نے اس طرح نو دفعہ جھوٹے وعدے کئے۔ اور جعلی رجوع کا اظہار کیا۔ مگر ہر مرتبہ اللہ تعالٰی ان سے عذاب ٹالتا رہا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کی سنت ہے۔ کہ ادنٰی رجوع کا بھی اپنے بندوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

سورۃ الدخان رکوع اوّل میں فرمایا ہے۔ کہ عذاب دخان کے وقت کفار درخواست کریں گے۔ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اے خدا اس عذاب کو ٹال دے۔ ہم ایمان لے آئیں گے۔ فرمایا إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ۔ یعنی ہم عذاب تو کچھ عرصہ کے لئے ضرور ٹال دیں گے۔ مگر یہ غلط ہے۔ کہ تم مؤمن بنجاؤ گے کیونکہ تم تو پھر شرارتوں کی طرف عود کرو گے۔

ان ہر دو مثالوں سے واضح ہے۔ کہ اللہ تعالٰی جو اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ان کے معمولی اور ادنٰی رجوع پر بھی عذاب ٹال دیتا ہے۔ اور اسی سنت کے مطابق اس نے سلطان محمد سے موت کا عذاب ٹال دیا ؛

ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ محمدی بیگم کا حضرت اقدس کا نکاح میں آنا اسی صورت میں مقدر تھا۔ کہ جب مرزا احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں مر جائیں۔

لیکن چونکہ سلطان محمد کی موت بوجہ توبہ اور رجوع کے ٹل گئی۔ اس لئے محمدی بیگم کا نکاح حضرت اقدس سے نہ ہوا۔ کیونکہ اس نکاح کے وقوع اور ظہور کے لئے ایک شرط سلطان محمد کی موت بھی تھی۔ اور جب یہ شرط متحقق نہ ہوئی۔ تو پھر نکاح کس طرح ہو سکتا تھا۔

سلطان محمد نے رجوع اختیار کیا

اس عظیم الشان پیشگوئی میں سے اگر کوئی حصہ دشمنوں کے اعتراض کا نشانہ بن سکتا ہے۔ تو وہ صرف سلطان محمد کے نہ مرنے کا واقعہ ہے۔ بے شک یہ درست ہے۔ کہ سلطان محمد نہیں مرا۔ لیکن فقط نہ مرنا تو موجب اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پیشگوئی وعیدی تھی۔ اور پھر اس کے ساتھ عدم توبہ کی شرط بھی موجود تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔ کہ یہ موت اس شرط کے پورا ہو جانے کی وجہ سے رُک گئی۔ چنانچہ حضور حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" احمد بیگ کے مرنے سے بڑا خوف اس کے اقارب پر غالب آگیا۔ یہاں تک کہ بعض نے ان میں سے میری طرف عجز و نیاز کے ساتھ خط بھی لکھے۔ کہ دعا کرو۔ پس خدا نے ان کے اس خوف اور اس قدر عجز و نیاز کی وجہ سے پیشگوئی کے وقوع میں تاخیر ڈال دی "

اور اشتہار ۶ر دسمبر ۱۸۹۲ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اس کا داماد جو اڑھائی سال کے اندر فوت نہ ہوا۔ تو اس کی یہی وجہ تھی کہ اس عبرت ناک واقعہ کے بعد جو احمد بیگ اس کے خسر کی وفات تھی۔ ایک شدید خوف اور حزن اس کے دل پر وارد ہوا۔ اور نہ صرف اس کے دل پر بلکہ اس کے تمام متعلقین کو اسی خوف اور حزن نے گھیر لیا۔ اور یہ بات

کا ایک اور کرشمہ بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے وہ صاحب موصوف کے اس "علمی محاسبہ" کی صحیح قدر و قیمت معلوم کر سکیں گے:

آپ نے دَور اوّل میں حضرت اقدس کے دعویٔ نبوت نہ کرنے کے ثبوت میں جو سب سے پہلی عبارت پیش کی ہے۔ وہ اعلان ۲؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء کی ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۸) اور جو عبارت ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ کے مذکورہ بالا حوالے سے دَور دوئم میں "دعویٔ نبوت کی تشکیل" کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ وہ ہے اعلان ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء سے پہلے کی۔ کیونکہ کتاب ازالہ اوہام جس کی وہ عبارت ہے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء سے پہلے کی ہے۔ جیسا کہ اعلان مذکور میں حضرت اقدس کے ازالہ اوہام کے مطالعہ کی طرف ناظرین کو توجہ دلانے سے ظاہر ہے۔ (ملاحظہ ہو اعلان مذکورہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوئم صفحہ ۳۲)

اب جناب محقق صاحب بانقابہ کے اس "علمی محاسبہ" سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک بیسویں صدی عیسوی کا پہلا سال یعنی ۱۹۰۱ء انیسویں صدی عیسوی کے خاتمہ سے قریبًا نو سال قبل یعنی ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء سے بھی پہلے ہی آگیا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو آپ یہ ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے دعویٔ نبوت کی تشکیل کا پہلا سال ۱۹۰۱ء ہے۔ اس سے پہلے حضور نے ہرگز دعوئے نبوت نہیں کیا تھا۔ اور دوسری طرف آپ لکھتے ہیں۔ کہ اعلان ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء سے پیشتر یعنے ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ ہی میں حضرت اقدس دعویٔ نبوت کر چکے تھے۔ اور آپ کے ان دونوں محققانہ اقوال کو ملا کر پڑھنے سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک ۱۹۰۱ء کی

آمد ۱۸۹۱ء سے پہلے ہی ہوگئی تھی ؛

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا پانچواں نمونہ

جناب محقق صاحب کی نقل عبارت میں بطرز دو مختلف کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے سے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی کتاب کی دو عبارتیں نقل کرنے میں بھی آپ نے یہی محققانہ و عالمانہ طریق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ کی عبارت تو آپ نے نقل کی ہے حضرت اقدس کی تشکیل نبوت کے ثبوت میں (تالیف برنی صفحہ ۲۲ و ۲۳) اور اسی کتاب یعنی ازالہ اوہام کے صفحات ۵۷۷ و ۶۱۴ و ۶۱۷ کی عبارتیں نقل کی ہیں حضرت اقدس کے انکار دعوے نبوت کے ثبوت میں۔ (تالیف برنی صفحہ ۲۰) گویا ایک ہی کتاب میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ آپ نے وہ عقیدہ بھی دکھا دیا ہے۔ جو بقول جناب دَورِ اوّل میں تھا۔ اور وہ عقیدہ بھی جس کی تشکیل آپ کے نزدیک دَورِ دوم میں ہوئی ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۷ و ۹ و ۱۷) حالانکہ دَورِ اوّل بہ تحقیقات جناب موصوف ۱۹۰۰ء میں ختم ہوگیا۔ اور دَورِ دوم ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۱۰)

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا چھٹا نمونہ

پھر اس جگہ ایک اور لطیفہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب محقق صاحب نے اس عقیدہ کو جو ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ میں درج ہے بعد کا عقیدہ۔ اور جو صفحہ ۶۱۴ و ۶۱۷ میں درج ہے اُسکو پہلے کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ کتاب کے صفحات کی صحیح ترتیب کے لحاظ سے صفحہ ۵۷۵ میں جو عقیدہ بیان ہوا ہے۔

اُسے پہلے کا۔ اور صفحہ ۱۴۶ و ۱۶۷ میں جو عقیدہ مذکور ہے۔ اُسکو بعد کا مانناچاہیئے۔ کیونکہ صفحہ ۵۷ و صفحہ ۱۴۶ و ۱۶۷ سے پہلے ہی واقع ہوا ہے۔ نہ کہ ان کے بعد۔ لیکن چونکہ محقق صاحب بالقابہ نے یہ تہیہ کرلیا ہے۔ کہ اپنی اس عجیب و غریب "علمی تحقیقات" میں وہی باتیں بیان کریں گے۔ جو کسی نہ کسی لحاظ سے اپنے اندر ندرت اور عجوبہ کا رنگ رکھتی ہوں۔ اس لئے آپ نے صفحات کی ترتیب میں بھی جدت طبع کا اظہار فرمایا ہے۔ اور صفحہ ۵۷ و کو صفحہ ۱۴۶ و ۱۶۷ سے بعد کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ گویا جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برقی صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی (علیگ) بالقابہ عام قواعد حساب میں ترمیم فرماکر اپنے اس "علمی محاسبہ" میں ایک نئے علم حساب کی بنیاد ڈالنی چاہتے ہیں ؛

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا ساتواں نمونہ

جناب محقق صاحب بالقابہ کی اس "علمی تحقیقات" اور اس "علمی محاسبہ" کا یہاں تک پہنچکر بھی خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ آنجناب ایک کتاب کی ایک ہی عبارت سے اقرار و انکار دونوں کا کام لینے میں بھی کوئی تامل نہیں فرماتے۔ چنانچہ آپ نے کتاب انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۲۷ کی ایک عبارت دو حصوں میں تقسیم فرمادی ہے۔ ایک حصہ تو انکار نبوت کے ثبوت میں تالیف برقی صفحہ ۲۲ میں پیش کیا ہے۔ اور دوسرا "نبوت کے نام تک ترقی" کرنے کے ثبوت میں صفحہ ۲۴ میں۔ اب کیا محقق صاحب بالقابہ کے سوا یہ بات کسی اور کی سمجھ میں آنے کے لائق ہے۔ کہ ۱۸۹۷ء کی مطبوعہ کتاب کی ایک ہی عبارت میں جو صرف سات سطر کی ہے۔ دعوی کے ثبوت کا یہ شدہ مدانکار

آمد ۱۸۹۱ء سے پہلے ہی ہو گئی تھی ؛

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا پانچواں نمونہ

جناب محقق صاحب کی نقل عبارت میں بہ طرز دو مختلف کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے سے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی کتاب کی دو عبارتیں نقل کرنے میں بھی آپ نے یہی محققانہ و عالمانہ طریق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ کی عبارت تو آپ نے نقل کی ہے حضرت اقدس کی تشکیل نبوت کے ثبوت میں (تالیف برنی صفحہ ۲۲ و ۲۳) اور اسی کتاب یعنی ازالہ اوہام کے صفحات ۵۷۵ و ۶۱۴ و ۶۱۷ کی عبارتیں نقل کی ہیں حضرت اقدس کے انکار دعوے نبوت کے ثبوت میں۔ (تالیف برنی صفحہ ۲۰) گویا ایک ہی کتاب میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ آپ نے وہ عقیدہ بھی دکھا دیا ہے۔ جو بقول جناب دورِ اوّل میں تھا۔ اور وہ عقیدہ بھی جس کی تشکیل آپ کے نزدیک دورِ دوئم میں ہوئی ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۷ و ۹ و ۱۷) حالانکہ دورِ اوّل بہ تحقیقاتِ جناب موصوف سنہ ۱۹۰۰ء میں ختم ہو گیا۔ اور دورِ دوئم ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۱۰)

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا چھٹا نمونہ

پھر اس جگہ ایک اور لطیفہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب محقق صاحب نے اس عقیدہ کو جو ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ میں درج ہے بعد کا عقیدہ۔ اور جو صفحہ ۶۱۴ و ۶۱۷ میں درج ہے اُسکو پہلے کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ کتاب کے صفحات کی صحیح ترتیب کے لحاظ سے صفحہ ۵۷۵ میں جو عقیدہ بیان ہوا ہے۔

اُسے پہلے کا۔ اور صفحہ ۶۱۴ و ۷۶۱ میں جو عقیدہ مذکور ہے۔ اُسکو بعد کا
ماننا چاہیئے۔ کیونکہ صفحہ ۵۷۵ صفحہ ۶۱۴ و ۷۶۱ سے پہلے ہی واقع ہُوا
ہے۔ نہ کہ اِن کے بعد۔ لیکن چونکہ محقق صاحب بالقابہ نے یہ تہیّہ کرلیا
ہے۔ کہ ابھی اس عجیب و غریب "علمی تحقیقات" میں وہی باتیں بیان
کریں گے۔ جو کسی نہ کسی لحاظ سے اپنے اندر ندرت اور عجوبہ کا رنگ رکھتی
ہوں۔ اس لئے آپ نے صفحات کی ترتیب میں بھی جدت طبع کا اظہار
فرمایا ہے۔ اور صفحہ ۵۷۵ کو صفحہ ۶۱۴ و ۷۶۱ سے بعد کا ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے۔ گویا جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب ایم۔ اے
ایل ایل۔ بی (علیگ) بالقابہ عام قواعد حساب میں ترمیم فرماکر اپنے اس
"علمی محاسبہ" میں ایک نئے علم حساب کی بنیاد ڈالنی چاہتے ہیں :

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا ساتواں نمونہ

جناب محقق صاحب بالقابہ کی اس "علمی تحقیقات" اور اس "علمی محاسبہ" کا یہاں تک پہنچکر بھی خاتمہ نہیں ہو
جاتا۔ بلکہ آنجناب ایک کتاب کی ایک ہی عبارت سے اقرار و انکار دونوں
کا کام لینے میں بھی کوئی تامل نہیں فرماتے۔ چنانچہ آپ نے کتاب
انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۷۲ کی ایک عبارت دو حصوں میں تقسیم فرمادی
ہے۔ ایک حصہ تو انکار نبوت کے ثبوت میں تالیف برنی صفحہ ۲۲ میں
پیش کیا ہے۔ اور دوسرا "نبوت کے نام تک ترقی" کرنے کے ثبوت
میں صفحہ ۲۴ میں۔ اب کیا محقق صاحب بالقابہ کے سوا یہ بات کسی اور
کی سمجھ میں آنے کے لائق ہے۔ کہ سنہ ۱۸۹۷ء کی مطبوعہ کتاب کی ایک ہی
عبارت میں جو صرف سات سطر کی ہے۔ دعویٰ نبوت کا بہ شد و مد انکار

آمد ۱۸۹۱ء سے پہلے ہی ہو گئی تھی ؛

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا پانچواں نمونہ

جناب محقق صاحب کی نقل عبارت میں یہ طرز دو مختلف کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے سے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی کتاب کی دو عبارتیں نقل کرنے میں بھی آپ نے یہی محققانہ و عالمانہ طریق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ کی عبارت تو آپ نے نقل کی ہے حضرت اقدس کی تشکیل نبوت کے ثبوت میں (تالیف برنی صفحہ ۲۲ و ۲۳) اور اسی کتاب یعنی ازالہ اوہام کے صفحات ۵۷۵ و ۶۱۴ و ۶۱۷ کی عبارتیں نقل کی ہیں حضرت اقدس کے انکار دعوئے نبوت کے ثبوت میں۔ (تالیف برنی صفحہ ۲۰) گویا ایک ہی کتاب میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ آپ نے وہ عقیدہ بھی دکھا دیا ہے۔ جو بقول جناب دورِ اوّل میں تھا۔ اور وہ عقیدہ بھی جس کی تشکیل آپ کے نزدیک دورِ دوئم میں ہوئی ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۷ و ۹ و ۱۷) حالانکہ دور اوّل بہ تحقیقات جناب موصوف سنہ ۱۹۰۰ء میں ختم ہو گیا۔ اور دور دوئم ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا ہے۔ (تالیف برنی صفحہ ۱۰)

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا چھٹا نمونہ

پھر اس جگہ ایک اور لطیفہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب محقق صاحب نے اس عقیدہ کو جو ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ میں درج ہے بعد کا عقیدہ۔ اور جو صفحہ ۶۱۴ و ۶۱۷ میں درج ہے اُسکو پہلے کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ کتاب کے صفحات کی صحیح ترتیب کے لحاظ سے صفحہ ۵۷۵ میں جو عقیدہ بیان ہوا ہے۔

اُسے پہلے کا۔ اور صفحہ ۱۴ ۶ و ۶۱۷ میں جو عقیدہ مذکور ہے۔ اُسکو بعد کا ماننا چاہیئے۔ کیونکہ صفحہ ۵۷۵ صفحہ ۱۴ ۶ و ۶۱۷ سے پہلے ہی واقع ہُوا ہے۔ نہ کہ اِن کے بعد۔ لیکن چونکہ محقق صاحب بالقابہ نے یہ تہیہ کرلیا ہے۔ کہ اپنی اس عجیب وغریب "علمی تحقیقات" میں وہی باتیں بیان کریں گے۔ جو کسی نہ کسی لحاظ سے اپنے اندر ندرت اور عجوبہ کا رنگ رکھتی ہوں۔ اس لئے آپ نے صفحات کی ترتیب میں بھی جدت طبع کا اظہار فرمایا ہے۔ اور صفحہ ۵۷۵ کو صفحہ ۱۴ ۶ و ۶۱۷ سے بعد کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ گویا جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی (علیگ) بالقابہ عام قواعد حساب میں ترمیم فرماکر اپنے اس "علمی محاسبہ" میں ایک نئے علم حساب کی بنیاد ڈالنی چاہتے ہیں :

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا ساتواں نمونہ

جناب محقق صاحب بالقابہ کی اس "علمی تحقیقات" اور اس "علمی محاسبہ" کا یہاں تک پہنچکر بھی خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ آنجناب ایک کتاب کی ایک ہی عبارت سے اقرار و انکار دونوں کا کام لینے میں بھی کوئی تامل نہیں فرماتے۔ چنانچہ آپ نے کتاب انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۲۷ کی ایک عبارت دو حصوں میں تقسیم فرمادی ہے۔ ایک حصہ تو انکار نبوت کے ثبوت میں تالیف برنی صفحہ ۲۲ میں پیش کیا ہے۔ اور دوسرا "نبوت کے نام تک ترقی" کرنے کے ثبوت میں صفحہ ۲۴ میں۔ اب کیا محقق صاحب بالقابہ کے سوا یہ بات کسی اور کی سمجھ میں آنے کے لائق ہے۔ کہ ۱۸۹۷ء کی مطبوعہ کتاب کی ایک ہی عبارت میں جو صرف سات سطر کی ہے۔ دعوی نبوت کا بہ شدومد انکار

بھی ہو۔ اور پھر اُسی میں "نبوت کے نام تک ترقی کرنے کا اظہار بھی ہو۔
اور پھر جناب محقق صاحب ایم۔اے۔ایل ایل۔بی کا یہ دعویٰ بھی صحیح ہو۔
کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے دَور اوّل میں یعنی ۱۹۰۰ء تک کسی
قسم کی بھی نبوت کا دعوٰی نہیں کیا تھا۔ بلکہ نبوت کے جتنے بھی دعوے
کئے ہیں۔ وہ سب کے سب دَور دوئم یعنی ۱۹۰۰ء کے بعد ۱۹۰۱ء
میں کئے ہیں ؛

محقق صاحب کے کارنامۂ "علمی تحقیق" کا آٹھواں نمونہ

یہ "علمی تحقیقات" اور "علمی محاسبہ" بھی جیسی نُدرت رکھتا ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ لیکن جناب محقق صاحب نے
اس پر بھی بس نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ "محدثیت کے دعوے کی ابتدا اور انتہا"
کا عنوان قائم کر کے حضرت اقدس کی کتاب نشان آسمانی مطبوعہ ۱۸۹۲ء
کے حوالے سے حضور کے دعویٰ محدثیت کی ابتدار دکھائی ہے۔ اور
شہادت القرآن مطبوعہ ۱۸۹۴ء وازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء۔ اور
حمامۃ البشریٰ مطبوعہ ۱۸۹۴ء کے حوالجات نقل کر کے سب سے آخر میں
دعویٰ محدثیت کی انتہار دکھانے کے لئے توضیح مرام مطبوعہ ۱۸۹۰ء
کا حوالہ پیش کیا ہے۔ جو مذکورہ بالا تمام کتابوں سے پہلے کی مطبوعہ
کتاب ہے۔ حتیٰ کہ ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء سے بھی پہلے کی۔ اور طُرّہ
یہ کہ محقق صاحب مکرّم نے سب سے آخر میں توضیح مرام کا حوالہ درج کرنے
کے بعد یہ مصرع بھی چست فرمایا ہے۔ ع ابتدا وہ تھی انتہا یہ ہے۔
یعنے نشان آسمانی مطبوعہ ۱۸۹۲ء میں حضرت اقدس کے جس دعوٰی
محدثیت کی ابتدا ہو کر شہادت القرآن مطبوعہ ۱۸۹۴ء اور حمامۃ البشریٰ

مطبوعہ ۱۸۹۴ئ میں ترقی ہوتی رہی تھی۔ اس دعوے کی انتہا توضیح مرام مطبوعہ ۱۸۹۰ئ میں ہوئی تھی۔ اب جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب کے سوا کون ہے۔ جو اس "علمی تحقیقات" اور اس "علمی محاسبہ" کی قدر شناسی کر سکے۔ اور آنجناب۔ کے سوا کس کے فہم میں یہ نادر اور نازک بات آسکتی ہے۔ کہ جس دعوے کی ابتدا ۱۸۹۲ئ اور ترقی ۱۸۹۴ئ میں ہوئی تھی۔ اس کی انتہا ۱۸۹۰ئ میں ہوئی ہے۔

اللہ!! اللہ!! جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی۔ پروفیسر معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد جیسے قابل ذی علم۔ اور عالی درجہ اصحاب بھی جب سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مخالفت میں قلم اٹھاتے ہیں۔ تو یہ حالت ہو جاتی ہے۔ اور ایسی ایسی عجیب و غریب صورتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مگر مقصد اس پر بھی حاصل نہیں ہوتا۔

کیا یہ انتہائی تعجب کی بات نہیں۔ کہ "علمی تحقیقات" اور "علمی محاسبہ" کے یہ نمونے جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ یہ انھیں محقق صاحب بالقابہ کے طبع وقاد و ذہن نقاد کے نتائج ہیں۔ جن کی تقریر کا تو بقول خود یہ حال ہو۔ کہ ؎

نقریر اپنی رات عجب کام کر گئی
نکلی لبوں سے تھی کہ دلوں میں اتر گئی (تالیف برنی ص۲۱)

اور تحریر کا یہ عالم ہے۔ کہ جس کام کی ابتدا کے لئے آپ کسی خاص زمانے اور خاص وقت کی تعیین و تحدید فرما دیتے ہیں۔ زور قلم اس کام کی انتہا کے زمانے کو اس کی ابتدا کے زمانے سے بھی پہلے ہی گھسیٹ لاتا ہے۔ کبھی مہینوں پہلے۔ اور کبھی سالوں ؎

51

آپ کی تقریر بھی بے مثل ہے تحریر بھی
آپ بھی تصویر ہیں اور آپکی تصویر بھی

حضرت مسیح موعودؑ کے دور اول میں دعویٰ نبوت کرنیکے ثبوت

اگرچہ آنجناب والاخطاب کا یہ "علمی محاسبہ" اتنا دلکش و دلچسپ ہے۔ کہ جس صفحہ پر بھی نظر پڑتی ہے ع

کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا ایں جاست

کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ اصل مضمون سے دُور ہو جانا کہیں ناظرین کی گرانیٔ طبع کا موجب نہ ہو جائے۔ ہم پہلی بات کی طرف عود کرکے کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دَور اوّل میں دعویٰ نبوت کرنے کی صرف وہی ایک عبارت نہیں ہے۔ جو جناب محقق صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۵ کے حوالہ سے نقل کرکے دَور دوئم کی عبارت قرار دی ہے۔ بلکہ مندرجہ ذیل عبارتیں بھی جو دَور اوّل کی تصنیفات میں پائی جاتی ہیں۔ جناب محقق صاحب کے اس دعوے کو باطل کرتی ہیں۔ کہ حضرت اقدس نے "اپنی نبوت کی تشکیل" دَور دوئم میں شروع کی ہے۔

پہلا حوالہ

حضرت اقدس توضیح مرام مطبوعہ ۱۸۹۱ء میں جو دعویٰ مسیحیت و ماموریت کے تشریح و وضاحت پیش کئے جانے کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ عذر پیش ہو۔ کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور وحی جو انبیاء پر ہوتی ہے۔ اس پر مُہر لگ چکی ہے۔ تو میں کہتا ہوں نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے۔ اور نہ ہر ایک طور

سے وحی الٰہی پر مُہر لگائی گئی ہے۔ بلکہ جُزوی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے۔ مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہے گا۔ نبوت تامہ نہیں ہے۔ بلکہ جیساکہ میں ابھی بیان کرچکا ہوں۔ وہ ایک جزوی نبوت ہے"

(توضیح مرام طبع اوّل صفحہ ۱۸ و ۱۹)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ ایک قسم کی نبوت کا دعویٰ تو حضرت اقدس کو توضیح مرام ہی کے وقت سے تھا۔ جس کو آپ جزوی نبوت بتاتے۔ اور جس کے حصول کے لئے آنحضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی و متابعت اور استمداد کی شرط لگاتے تھے۔ جیساکہ آپ نے اسی نبوت جزوی کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ "انسان کامل کی اقتدا سے ملتی ہے۔ جو مستجمع جمیع کمالات نبوت تامہ ہے۔ یعنے ذات ستودہ صفات حضرت سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم"

(توضیح مرام طبع اوّل صفحہ ۱۹)

دُوسرا حوالہ

لیکن جب باوجود توضیح مرام اور ازالہ اوہام کی منقولہ بالا عبارتوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اس امر کی تصریحات کی موجودگی کے کہ اب کوئی ایسا نبی جو صاحب نبوت تامہ وحقیقیہ یعنی جدید شریعت لانے والا ہو۔ نہیں آسکتا۔ آپؑ کے دعوے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ کہ آپ نے نبوت تامہ و حقیقیہ وتشریعیہ کا دعویٰ کیا ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا۔ کہ نبی وہی ہوتا ہے۔ جو جدید شریعت لائے۔ تو آپ نے یہ غلط فہمی دُور

کرنے کے لئے اپنی کتاب انجام آتھم مطبوعہ جنوری ۱۸۹۷ء کے حاشیہ صفحہ ۲۷ میں ایک ایسے شخص کے خیالات کا جواب دیتے ہوئے جو حضرت اقدس کے دعوئے نبوت کو نبوتِ تشریعیہ و مستقلہ کا دعویٰ سمجھ رہا تھا تحریر فرمایا۔کہ :-

" صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے۔کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعوے نہیں کیا ہے۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا۔کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانیکا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جلشانہٗ کیطرف سے مجھے ملے ہیں۔ اور جن میں یہ لفظ نبوت و رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں۔کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے۔ وہ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں۔یہی ہے۔کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔ وَمَنْ قَالَ بَعْدَ رَسُوْلِنَا وَسَیِّدِنَا اِنِّیْ نَبِیٌّ وَّرَسُوْلٌ عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ وَالْاِفْتِرَاءِ وَتَرْکِ الْقُرْاٰنِ وَاَحْکَامِ الشَّرِیْعَۃِ

الْغَيَّ اِ فَهُوَ كَافِرٌ كَذَّابٌ - غرض ہمارا مذہب یہی
ہے - کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعوےٰ کرے - اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے
اور اس پاک سرچشمہ سے جُدا ہو کر آپ ہی براہِ راست
نبی اللہ بننا چاہے - وہ ملحد و بے دین ہے "

تیسرا حوالہ

حضرت اقدس نے اس عبارت میں پہلی عبارتوں سے بھی بڑھکر صراحت اور وضاحت فرما دی تھی - کہ آپکی مراد نبوت سے نبوت "تامہ تشریعیہ مستقلہ" نہیں ہے - لیکن جب مخالفین نے بلا وجہ یا شرارت سے اس کے بعد بھی سکوت اختیار نہ کیا - اور آپ کی طرف حقیقی نبوت کا دعویٰ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے - منسوب کرنے پر پہلے سے بھی زیادہ زور دیا - تو حضرت اقدس نے ان کو سمجھانے کے لئے مئی ۱۸۹۷ء میں سراج منیر صفحہ ۲ میں تحریر فرمایا - کہ :-

" ناحق کی نکتہ چینیوں سے پرہیز کرو - اور فاسقانہ خیالات سے اپنے تئیں بچاؤ - جھوٹے الزام مت لگاؤ - کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعوےٰ کیا ہے "

اور صفحہ ۳ میں فرمایا - کہ :-

" ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں - کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے - اور نہ پُرانا - قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے "

اور اس کے آگے چل کر تحریر فرمایا - کہ :-

"یہ الفاظ رسول اور مُرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا کی طرف سے بے شک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں ہیں۔ ایسے ہی وہ نبی کرکے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے۔ جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو۔ سمجھ لے۔ میرے پر یہ کھولا گیا ہے۔ کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رُو سے آسکتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم نبی۔ توبہ کرو اور خدا سے ڈرو۔ حد سے مت بڑھو۔ اگر دل سخت نہیں ہو گئے۔ تو اس قدر کیوں دلیری ہے۔ کہ خواہ نخواہ ایسے شخص کو کافر بنایا جاتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں کی رُو سے خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔ اور قرآن کریم کو خاتم الکتب تسلیم کرتا ہے۔ تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ اور اہل قبلہ ہے۔ اور شریعت کے حلال کو حلال۔ اور حرام کو حرام سمجھتا ہے۔" (سراج منیر صفحہ ۳ و ۴ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

چوتھا حوالہ اور اس کے بعد پھر ۱۸۹۹ء میں اپنے نبوت کے دعوے کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ آیا ہے۔ یعنے بطور مجاز و استعارہ کے۔ اسی وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے

حق میں ہیں۔ دیکھو صفحہ ۴۹۸ میں یہ الہام ہے۔ ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی۔ اس جگہ نبیوں سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو صفحہ ۵۰۴ براہین احمدیہ میں یہ الہام "جری اللہ فی حُلل الانبیاء" جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں"۔ اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا ہے۔ اور نبی بھی"۔ (ایام الصلح اردو صفحہ ۷۵ مطبوعہ ۱۸۹۹ء)

پانچواں حوالہ اور صحیفہ مورخہ ۷ راگست ۱۸۹۹ء مطبوعہ الحکم جلد سوئم نمبر ۲۹ میں فرماتے ہیں :-

"بہت سے الہام ہیں۔ جن میں اس عاجز کی نسبت نبی اور رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے۔ جو ایسا سمجھتا ہے۔ کہ اس نبوت سے مراد حقیقی نبوت و رسالت ہے۔ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے مراد صرف اسی قدر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے۔ کہ خدا سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا۔ یا معارف پوشیدہ بتلانے والا۔ سو اس حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے مطابق اعتقاد رکھنا مذموم نہیں"۔

مذکورۃ الصدر حوالہ جات کے نتائج یہ سب عبارتیں سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے کی ہیں۔ اور ان سے مندرجہ ذیل تین باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

اوّل یہ کہ سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے زمانہ میں بھی جو جناب محقق صاحب بالمقابل

"یہ الفاظ رسول اور مُرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا کی طرف سے بے شک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں ہیں۔ ایسے ہی وہ نبی کرکے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے۔ جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو۔ سمجھ لے۔ میرے پر یہ کھولا گیا ہے۔ کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلّی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رُو سے آسکتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم نبی۔ توبہ کرو اور خدا سے ڈرو۔ حد سے مت بڑھو۔ اگر دل سخت نہیں ہوگئے۔ تو اس قدر کیوں دلیری ہے۔ کہ خواہ نخواہ ایسے شخص کو کافر بنایا جاتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں کی رُو سے خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔ اور قرآن کریم کو خاتم الکتب تسلیم کرتا ہے۔ تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ اور اہل قبلہ ہے۔ اور شریعت کے حلال کو حلال۔ اور حرام کو حرام سمجھتا ہے۔" (سراج منیر صفحہ ۳ و ۴ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

چوتھا حوالہ اور اس کے بعد پھر ۱۸۹۹ء میں اپنے نبوت کے دعوے کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ آیا ہے۔ یعنے بطور مجاز و استعارہ کے۔ اس وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے

حق میں ہیں۔ دیکھو صفحہ ۴۹۸ میں یہ الہام ہے۔ هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی۔ اس جگہ نبیوں سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو صفحہ ۵۰۴ براہین احمدیہ میں یہ الہام "جری اللہ فی حلل الانبیاء"۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں"۔ اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا ہے۔ اور نبی بھی "۔ (ایام الصلح اردو صفحہ ۷۵ مطبوعہ ۱۸۹۹ء)

پانچواں حوالہ

اور صحیفہ مورخہ ۷ راگست ۱۸۹۹ء مطبوعہ الحکم جلد سوئم نمبر ۲۹ میں فرماتے ہیں :۔

"بہت سے الہام ہیں۔ جن میں اس عاجز کی نسبت نبی اور رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے۔ جو ایسا سمجھتا ہے۔ کہ اس نبوت سے مراد حقیقی نبوت و رسالت ہے۔ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے مراد صرف اسی قدر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے۔ کہ خدا سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا۔ یا معارف پوشیدہ بتلانے والا۔ سو اس حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے مطابق اعتقاد رکھنا مذموم نہیں"۔

مذکورۃ الصدر حوالہ جات کے نتائج

یہ سب عبارتیں ۱۹۰۰ء سے پہلے کی ہیں۔ اور ان سے مندرجہ ذیل تین باتیں ثابت ہوتی ہیں :۔

اوّل یہ کہ ۱۹۰۰ء سے پہلے زمانہ میں بھی جو جناب محقق صاحب بالمقابلہ

کے بیان کے مطابق حضرت اقدس کی زندگی کے پہلے اور نہایت ہی خوش اعتقادی کے دَور کا زمانہ تھا۔ حضور نبوت غیر تامہ و غیر حقیقیہ و غیر مستقلہ کے مدعی تھے۔ اور نبوت تامہ و حقیقیہ و مستقلہ کا آپ کو انکار تھا:

دوئم یہ کہ نبوت غیر تامہ و غیر حقیقیہ و غیر مستقلہ سے آپ وہ نبوت مراد لیتے تھے۔ جو شریعت جدیدہ والی اور براہ راست بغیر وسیلۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ملنے والی نہ ہو۔ بلکہ غیر تشریعی اور حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی میں حضور کے وسیلہ و طفیل و فیضان سے ملنے والی ہو۔ اور نبوت تامہ و حقیقیہ و مستقلہ سے آپ کے نزدیک وہ نبوت مراد تھی۔ جس کے ساتھ نئی شریعت ہو۔ اور جو بغیر وسیلۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم براہ راست ملنے والی ہو:

سوئم یہ کہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کا آنا قرآن شریف کی آیت کے خلاف، اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کے بالکل منافی خیال فرماتے تھے۔ جو نئی شریعت لائے۔ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر براہ راست درجہ نبوت پائے۔ اور آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کو قرآن شریف کی رو سے ممنوع اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی خیال نہیں فرماتے تھے۔ جو نئی شریعت نہ لائے۔ اور جو آپ کی پیروی و غلامی اور آپ کے وسیلہ و فیضان سے مرتبہ نبوت پائے۔

یہ ہے مسئلہ ختم نبوت اور اپنے دعوئے نبوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ عقیدہ جو مذکورہ بالا حوالہ جات کی رو سے حضور کی زندگی کے دَور اوّل میں ہونا ثابت ہوتا ہے:

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا جو دعویٰ دَور اوّل میں تھا وہی دَور دوئم میں رہا

اب ہم ذیل میں آپ کے دَور دوئم کی تصانیف سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دور دوئم میں بھی اس مسئلہ میں آپ کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ اور اس میں قطعاً فرق نہیں آیا۔

پہلا ثبوت چنانچہ کشتی نوح مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۱۵ میں فرماتے ہیں :۔

"روئے زمین پر نوع انسانی کے لئے اب کوئی کتاب نہیں۔ مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ خدا ایک اور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں۔ مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی"

دوسرا ثبوت اور ریویو برمباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی و عبداللہ چکڑالوی مطبوعہ نومبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۶ و ۷ میں فرماتے ہیں:۔

"وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ - یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ رسول اور خاتم الانبیاء ہیں . . . .
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے

کے بیان کے مطابق حضرت اقدس کی زندگی کے پہلے اور نہایت ہی خوش اعتقادی کے دور کا زمانہ تھا۔ حضور نبوت غیر تامہ و غیر حقیقیہ و غیر مستقلہ کے مدعی تھے۔ اور نبوت تامہ حقیقیہ و مستقلہ کا آپ کو انکار تھا:

دوئم یہ کہ نبوت غیر تامہ و غیر حقیقیہ و غیر مستقلہ سے آپ وہ نبوت مراد لیتے تھے۔ جو شریعت جدیدہ والی اور براہ راست بغیر وسیلۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ملنے والی نہ ہو۔ بلکہ غیر تشریعی اور حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی میں حضور کے وسیلہ و طفیل و فیضان سے ملنے والی ہو۔ اور نبوت تامہ و حقیقیہ و مستقلہ سے آپ کے نزدیک وہ نبوت مراد تھی۔ جس کے ساتھ نئی شریعت ہو۔ اور جو بغیر وسیلۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم براہِ راست ملنے والی ہو:

سوئم یہ کہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کا آنا قرآن شریف کی آیت کے خلاف۔ اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کے بالکل منافی خیال فرماتے تھے۔ جو نئی شریعت لائے۔ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر براہ راست درجہ نبوت پائے۔ اور آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کو قرآن شریف کی رو سے ممنوع اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں فرماتے تھے۔ جو نئی شریعت نہ لائے۔ اور جو آپؐ کی پیروی و غلامی اور آپؐ کے وسیلہ و فیضان سے مرتبہ نبوت پائے۔

یہ ہے مسئلہ ختم نبوت اور اپنے دعوئے نبوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ عقیدہ جو مذکورہ بالا حوالہ جات کی رو سے حضور کی زندگی کے دور اول میں ہونا ثابت ہوتا ہے:

حضرت اقدس بانی مسیح موعودؑ کا جو دعویٰ دَورِ اوّل میں تھا وہی دَورِ دوئم میں رہا

اب ہم ذیل میں آپ کے دَورِ دوئم کی تصانیف سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دورِ دوئم میں بھی اس مسئلہ میں آپ کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ اور اس میں قطعاً فرق نہیں آیا۔

پہلا ثبوت

چنانچہ کشتی نوح مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۱۵ میں فرماتے ہیں :-

"روئے زمین پر نوعِ انسانی کے لئے اب کوئی کتاب نہیں۔ مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ خدا ایک اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں۔ مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔"

دوسرا ثبوت

اور ریویو بر مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی وعبداللہ چکڑالوی مطبوعہ نومبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۶ و ۷ میں فرماتے ہیں :-

"وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۔ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ رسول اور خاتم الانبیاء ہیں . . . .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے

معنے یہ ہیں۔کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوض نبوت منقطع ہو گئے۔اور اب کمال نبوت صرف اُس کو ملے گا۔جو اپنے اعمال پر اتباع نبوی کی مُہر رکھتا ہو"

تیسرا ثبوت | مواہب الرحمٰن مطبوعہ جنوری ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۶۶ میں فرماتے ہیں :-

" ما مسلمانیم بکتاب الٰہی ایمان مے آریم۔کہ سیدنا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نبیؐ خدا و رسُول خدا ہست۔و دین او بہتر است و ایمان مے آریم کہ او خاتم الانبیا است بعد او پیغمبرے نیست۔مگر آنکہ از فیض او پرورش یافتہ باشد و موافق وعدۂ او ظاہر شد"

چوتھا ثبوت | اور رسالہ الوصیت مطبوعہ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۱۰ و ۱۱ میں فرماتے ہیں :-

" اس خدا تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں۔مگر ایک دروازہ جو قرآن مجید نے کھولا ہے۔اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکی ہیں۔ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں۔اس کے اندر ہیں۔نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی۔اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی۔جو اس میں موجود نہیں۔اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔ . . . . . . لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ا

فیض رسانی سے قاصر نہیں۔ بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کی پیروی سے خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ (الہام) کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے۔ جو پہلے ملتا تھا۔ . . . . . .
اور جب وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رُو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے۔ اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے ۔"

پانچواں ثبوت

اور حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں :-

" اور جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا۔ اس کی نظر محدود نہ تھی۔ . . . . . . اور وہ خاتم الانبیاء بنے۔ مگر ان معنوں سے نہیں۔ کہ آئندہ اس سے رُوحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے۔ بجز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور اس کی اُمت کے لئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ۔"

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دعویٰ میں بلحاظ حقیقت کوئی تبدیلی نہیں ہوئی

اگر یہ اقتباسات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے دَور دوئم کی تصانیف کے ہیں۔ آپ کے دَور اول کی تصانیف کے ان پانچ اقتباسوں کے ساتھ ملا کر یکجائی نظر سے دیکھے جائیں۔ جو اس سے پیشتر صفحہ ۷۰ تا ۷۵ میں اس امر کے ثبوت میں پیش ہو چکے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر تشریعی و غیر مستقل نبوت کا دعویٰ اپنے دَور اوّل ہی میں کیا تھا۔ تو صاف طور پر معلوم ہوگا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا سید الانبیاء حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے اور اپنے دعویٰ نبوت کے متعلق جو اعتقاد دَور اول میں تھا۔ وہی دَور دوئم میں رہا۔ یعنے جس طرح دَور اوّل میں آپ نبوت تشریعیہ و مستقلہ کے مدعی نہ تھے۔ بلکہ ایسی نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی خیال فرماتے تھے۔ اسی طرح دَور دوئم میں بھی آپ نے کبھی نبوت تشریعیہ و مستقلہ کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اسے ختم نبوت کے مفہوم کے منافی خیال فرماتے رہے ؛

تبدیلی عقیدہ کی حقیقت

اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسئلہ ختم نبوت اور اپنے دعویٰ نبوت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ امام جماعت احمدیہ کی کتاب القول الفصل صفحہ ۲۴۔ اور حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱ میں حضرت مسیح موعودؑ کی جس تبدیلی عقیدہ کا ذکر ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس تبدیلی عقیدہ سے مراد جیسا کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی انہی کتابوں میں بار بار تصریح فرمائی ہے۔ صرف اس قدر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دَور اول میں اپنی

نبوت کو ولائت۔ جزئی نبوت۔ اور محدثیت سے تعبیر فرماتے تھے۔
مگر دَور دوئم میں خدا تعالےٰ کی طرف سے تفہیم اور انکشاف ہونے پر آپ
نے اپنی نبوت کو ولایت۔ جزئی نبوت یا محدثیت کہنا چھوڑ دیا۔ اور اسے
غیر تشریعی۔ ظلی۔ بروزی اور اُمتی نبوت کی اصطلاحات سے تعبیر فرمانے لگے ؛

اور اپنی نبوت کے متعلق آپ کی یہ تبدیلی درحقیقت صرف ایک لفظی
استعمال و ترک استعمال کی تبدیلی تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
خاتم النبیین ہونے کے متعلق حضرت اقدس کی اعتقادی حالت پر کچھ بھی
اثر ڈالنے والی نہ تھی۔ کیونکہ اپنی نبوت کو جزئی نبوت اور محدثیت کہنے کے
وقت بھی آپ کا اعتقاد یہی تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین
ہیں۔ اور حضور کے بعد کوئی حقیقی اور مستقل نبی یعنی شریعت جدیدہ لانیوالا۔
اور براہ راست نبوت پانے والا نہیں آسکتا۔ اور اپنی نبوت کو جزئی نبوت
اور محدثیت کہنا چھوڑ دینے کے بعد بھی آپ کا یہی اعتقاد رہا ؛

بیان مندرجہ بالا سے ثابت ہے۔ کہ جناب محقق صاحب بالقابہ نے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوئی نبوت میں ارتقار ثابت کرنے
کی جو کوشش کی ہے۔ وہ بالکل ہی بے سُود رہی ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ
آپ اسے ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ بلکہ خود آپ ہی کی
پیشکردہ تحریروں نے آپ کے خیالات کی کماحقہٗ تردید کردی ؛

محقق برنی صاحب کی چند اور ناکامیاں

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ جناب محقق صاحب بالقابہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر دعاوی میں جو ارتقار و ترتیب بتائی ہے۔ وہ بھی سراسر خلاف واقع ہے۔ اور یہ مزعومہ ومفروضہ ترتیب ثابت

کرنے کے لئے آپ نے اپنی "علمی تحقیقات" اور اعلیٰ قابلیت کے جو کمالات اور جوہر دکھائے ہیں۔ وہ ناظرین کے لیۂ بے حد دلچسپی اور تفریح کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔

اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ آپ نے تالیف برقی کی تمہید میں حضرت اقدس کے دعاوی کی جو ترتیب ظاہر کی ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ ولایت۔ مجددیت۔ محدثیت۔ لغوی نبوت۔ اصطلاحی نبوت۔ باطنی نبوت۔ جزوی نبوت۔ ظلی نبوت۔ بروزی نبوت۔ امتی نبوت۔ مستقل نبوت۔ کامل نبوت۔ لازمی نبوت۔ اور اس سے پہلے ہی آپ نے یہ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ حضرت اقدس نے یہ سب دعوے "درجہ بدرجہ" یکے بعد دیگرے کئے ہیں۔ (تالیف برقی صفحہ ۱۷)

پہلی ناکامی

بہت صاف بات ہے۔ کہ اگر کسی ضابطہ و قاعدہ سے کام کرنے والا کوئی منصف مزاج و حق پسند طالب تحقیق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ دعویٰ کرتا۔ جو جناب محقق صاحب بالقابہ نے کیا ہے۔ اور پھر اس کا ثبوت بھی پیش کرنا چاہتا۔ تو اس کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں تھا۔ کہ وہ ولایت کے دعویٰ سے لے کر لازمی نبوت کے آخری دعوے تک تمام دعاوی کے ثبوت میں یکے بعد دیگرے درجہ بدرجہ حضرت اقدس کی کتب سے حوالہ جات پیش کرے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ تو متانت و وقار کے ساتھ خاموشی کو غنیمت سمجھے۔ اور فضول گوئی سے پرہیز کرے۔ لیکن چونکہ محقق صاحب بالقابہ کی "علمی تحقیقات" کا عالم ہی نرالا ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی۔ اور جب آپ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دعاوی

میں اپنی مزعومہ و مفروضہ ترتیب وارتقاء کا ثبوت دینے بیٹھے تو سب سے پہلے " ولایت کے مقام سے نبوت کے نام تک ترقی" کا عنوان قائم کر کے اس کے ذیل میں پہلا حوالہ مجموعہ اشتہارات حصہ سوئم کے اس اشتہار سے پیش کیا ہے ۔ جس کا عنوان "مولوی غلام دستگیر صاحب کے اشتہار کا جواب" ہے ۔ اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ولایت، اور مجددیت دونوں کا دعویٰ کیا ہے۔ اور دوسرا حوالہ جنگ مقدس صفحہ ۷۰ سے پیش کیا ہے۔ جس میں حضرت اقدس نے اپنے نشانوں کا نام کرامت رکھا ہے ۔ اس کے بعد آپ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ولایت کے دعویٰ کے بعد آہستہ آہستہ بالتدریج نبوت کا دعویٰ کیا ہے ۔ سراج منیر صفحہ ۳ ۔ اور حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۷ کے وہ حوالے پیش کئے ہیں۔ جن کو ہم اس کتاب کے صفحہ ۷۲ تا ۷۴ میں اس امر کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت غیر تشریعیہ وغیر مستقلہ کا دعویٰ دَور اول ہی میں کیا تھا پیش کر آئے ہیں۔ اور جناب محقق صاحب نے ان دونوں حوالوں سے حضرت اقدس کے دعویٰ نبوت کا استدلال کر کے ۔ ہمارے دعوے کی تائید۔ اور اپنے اس دعوے کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی نبوت کی تشکیل دور دوئم میں کی ہے۔ نہایت صفائی سے خود ہی تردید کر دی ہے۔ کیونکہ سراج منیر اور انجام آتھم دونوں حضرت اقدس کی دَور اوّل کی تصانیف ہیں۔ نہ کہ دور دوئم کی ؛

ارتقاء ثابت کرنیکا نرالا طریق

یہ تو ایک ضمنی بات تھی ۔ ہم کو اس جگہ جس امر کی وضاحت منظور ہے ۔ وہ یہ ہے۔

کرنے کے لئے آپ نے اپنی "علمی تحقیقات" اور اعلیٰ قابلیت کے جو کمالات اور جوہر دکھائے ہیں۔ وہ ناظرین کے لئے بے حد دلچسپی اور تفریح کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔

اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ آپ نے تالیف برنی کی تمہید میں حضرت اقدس کے دعاوی کی جو ترتیب ظاہر کی ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ ولایت۔ مجددیت۔ محدثیت۔ لغوی نبوت۔ اصطلاحی نبوت۔ باطنی نبوت۔ جزوی نبوت۔ ظلّی نبوت۔ بروزی نبوت۔ امتی نبوت۔ مستقل نبوت۔ کامل نبوت۔ لازمی نبوت۔ اور اس سے پہلے ہی آپ نے یہ ظاہر فرد یا ہے۔ کہ حضرت اقدس نے یہ سب دعوے "درجہ بدرجہ" یکے بعد دیگرے کئے ہیں۔ (تالیف برنی صفحہ ۱۷)

پہلی ناکامی

بہت صاف بات ہے۔ کہ اگر کسی ضابطہ و قاعدہ سے کام کرنے والا کوئی منصف مزاج وحق پسند طالب تحقیق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ دعویٰ کرتا۔ جو جناب محقق صاحب بالقابہ نے کیا ہے۔ اور پھر اس کا ثبوت بھی پیش کرنا چاہتا۔ تو اس کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں تھا۔ کہ وہ ولایت کے دعویٰ سے لے کر لازمی نبوت کے آخری دعوے تک تمام دعاوی کے ثبوت میں یکے بعد دیگرے درجہ بدرجہ حضرت اقدس کی کتب سے حوالہ جات پیش کرے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ تو متانت و وقار کے ساتھ خاموشی کو غنیمت سمجھے۔ اور فضول گوئی سے پرہیز کرے۔ لیکن چونکہ محقق صاحب بالقابہ کی "علمی تحقیقات" کا عالم ہی نرالا ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی۔ اور جب آپ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دعاوی

میں اپنی مزعومہ و مفروضہ ترتیب وارتقا کا ثبوت دینے بیٹھے تو سب سے پہلے "ولایت کے مقام سے نبوت کے نام تک ترقی" کا عنوان قائم کرکے اس کے ذیل میں پہلا حوالہ مجموعہ اشتہارات حصہ سوئم کے اس اشتہار سے پیش کیا ہے۔ جس کا عنوان "مولوی غلام دستگیر صاحب کے اشتہار کا جواب" ہے۔ اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ولایت، اور مجددیت دونوں کا دعوی کیا ہے۔ اور دوسرا حوالہ جنگ مقدس صفحہ ۷۶ سے پیش کیا ہے۔ جس میں حضرت اقدس نے اپنے نشانوں کا نام کرامت رکھا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ولایت کے دعویٰ کے بعد آہستہ آہستہ بالتدریج نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ سراج منیر صفحہ ۳۔ اور حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۷ کے وہ حوالے پیش کئے ہیں۔ جن کو ہم اس کتاب کے صفحہ ۲۷ تا ۲۷ میں اس امر کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت غیر تشریعیہ وغیر مستقلہ کا دعویٰ دَور اول ہی میں کیا تھا پیش کر آئے ہیں۔ اور جناب محقق صاحب نے ان دونوں حوالوں سے حضرت اقدس کے دعویٰ نبوت کا استدلال کرکے۔ ہمارے دعوے کی تائید اور اپنے اس دعوے کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی نبوت کی تشکیل دور دوئم میں کی ہے۔ نہایت صفائی سے خود ہی تردید کر دی ہے۔ کیونکہ سراج منیر اور انجام آتھم دونوں حضرت اقدس کی دَور اوّل کی تصانیف ہیں۔ نہ کہ دور دوئم کی ؛

ارتقاء ثابت کرنیکا نرالا طریق

یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ ہم کو اس جگہ جس امر کی وضاحت منظور ہے۔ وہ یہ ہے۔

کہ جدید تعلیم یافتہ محقق برنی صاحب ایم۔اے (علیگ) نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ولایت کے مقام سے ترقی کر کے نبوت کا نام پانے کے مقام تک پہنچنے کا ثبوت جس طریق سے پیش کیا ہے۔ وہ نہایت ہی نرالا ہے۔ یعنی آپ ثابت تو یہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ پہلے تو حضرت اقدس نے ولایت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ تدریجی ترقی کے ساتھ آخر میں نبوت کے دعوے تک پہنچے ہیں۔ لیکن دعویٰ ولایت و مجددیت کے ثبوت میں جو اشتہار آپ نے مجموعہ اشتہارات سے پیش کیا ہے۔ وہ تو ہے اپریل ۱۸۹۷ء کا مطبوعہ۔ اور حضور کے دعویٰ نبوت کے ثبوت میں جن کتابوں سے حوالجات پیش کئے ہیں۔ وہ ہیں اس اشتہار سے پہلے کی مطبوعہ۔ یعنی کتاب انجام آتھم ہے جنوری ۱۸۹۷ء کی۔ اور سراج منیر مارچ ۱۸۹۷ء کی ؛

اب کون کہہ سکتا ہے۔ کہ محقق برنی صاحب بالقابہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ ولایت و مجددیت اور نبوت میں جو ترتیب اور تدریجی ترقی ثابت کرنی چاہی تھی۔ وہ ان کے پیش کردہ حوالجات سے ثابت ہوگئی ہے۔ کیونکہ ان کی ترتیب طرح سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلے حضرت اقدس کا دعویٰ نبوت کا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ولایت و مجددیت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہاں اگر سال کے مہینوں کی موجودہ ترتیب بدل دی جائے۔ اور جناب محقق صاحب اپنے علمی اعجاز کے زور سے اپریل کو جنوری اور مارچ سے پہلے کر سکیں۔ تو بے شک جو ترتیب اور تدریجی ترقی وہ حضرت اقدس کے دعوے میں ثابت کرنی چاہتے ہیں۔ وہ ان کے پیش کردہ حوالجات سے ثابت ہو جائے گی۔

یعنی اپریل کے مارچ اور جنوری سے پہلے ہو جانے کی حالت میں یہ ثابت ہو جائے گا۔ کہ حضرت اقدس نے دعوئ ولایت و مجددیت پہلے کیا ہے۔ اور دعوئ نبوت اس کے بعد۔ کیونکہ محقق صاحب نے دعویٰ ولایت و مجددیت کے ثبوت میں جس اشتہار کا حوالہ پیش کیا ہے۔ وہ اپریل ۱۸۹۷ء کا ہے۔ اور جنوری کے دعوئ نبوت کے ثبوت میں جن کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ وہ جنوری ۱۸۹۷ء و مارچ ۱۸۹۷ء کی ہیں۔

لیکن اگر جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب ایم۔اے (علیگ۔۔۔) اپریل کے مہینے کو مارچ اور جنوری کے مہینوں سے پہلے نہ لا سکے۔ اور مہینوں کی رائج الوقت ترتیب بدستور برقرار رہی۔ تو پھر آپ حضرت اقدس کے دعوے میں جو ترتیب و تدریجی ترقی ثابت کرنے کے در پے ہیں۔ وہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی ::

ایک سوال اور اس کا جواب اگر اس جگہ یہ سوال پیدا ہو۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام انجام آتھم اور سراج منیر میں جو جنوری اور مارچ ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی ہیں۔ جزئی نبوت کا دعویٰ کر چکے تھے۔ تو اشتہار مذکورہ بالا میں جو اپریل میں شائع ہوا ہے۔ ولایت اور مجددیت کا دعوئ کیوں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جیسا کہ ہم اس سے پیشتر ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دَورِ اوّل میں اپنی نبوت کی تاویل کر کے اُسے جزئی نبوت۔ محدثیت اور ولایت سے تعبیر فرماتے تھے۔ اور ان اصطلاحات کے معانی میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کو ایک دوسرے کے ہم معنی قرار دیتے تھے۔ اور اس وجہ سے ایک کو دوسری کی جگہ استعمال فرما لیتے تھے۔

چنانچہ انجام آتھم صفحہ ۲۷ کے حاشیہ کی جو عبارت جناب محقق صاحب نے نقل کی ہے۔ اگر آپ اس سے ایک صفحہ آگے یعنی صفحہ ۲۸ ملاحظہ فرماتے۔ تو آپ کو معلوم ہو جاتا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس نبوت کا صفحہ ۲۷ کے حاشیہ میں دعویٰ کیا ہے۔ اُسے حضور ولایت ہی کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ بعض اوقات خدا تعالےٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ (نبی اور رسول) استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں۔ اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے "

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو دعویٰ انجام آتھم میں کیا تھا۔ وہی دعویٰ اشتہار مذکورہ بالا میں کیا ہے۔ ان میں کوئی تعارض نہیں :

اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۸ کے حاشیہ سے جو عبارت محقق صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ دَور دوئم کی ہے۔ اور اس میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنی نبوت کے لئے ظلّی نبوت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اور اس سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ دَور اوّل میں آپ اپنی نبوت کو جزئی نبوت ۔ محدثیت اور ولایت بھی فرماتے تھے۔ مگر دَور دوئم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے انکشاف ہونے پر ان اصطلاحات کو ترک کر کے اُسے ظلی نبوت وغیرہ اصطلاحات سے تعبیر فرمانے لگے :

محقق صاحب کی دوسری ناکامی | جناب محقق صاحب نے تمہید میں تو

ولایت کے دعوے کے بعد مجددیت کے دعوے کو رکھا تھا۔ مگر دعاوی میں ترتیب کا ثبوت دیتے ہوئے آپ نے اسے بالکل ہی اڑا دیا۔ اور اس کی جگہ "محدثیت کے دعوے کی ابتدا و انتہا" کا عنوان قائم کیا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ مجموعۂ اشتہارات کے مذکورہ بالا اشتہار میں ولایت کے دعوے کے ساتھ مجددیت کے دعوے کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس لئے اسے علیحدہ عنوان کے ذیل میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ تو پھر سوال یہ ہے۔ کہ جب اس میں ولایت کے دعوے کے ساتھ ہی مجددیت کے دعاوی کا ذکر بھی موجود ہے۔ تو پھر جناب محقق صاحب کے اس دعوے کے باطل ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دعاوی درجہ بدرجہ یعنے علی الترتیب اور ایک دوسرے کے بعد کئے ہیں۔ پس یہ بات بہر حال تسلیم کرنی پڑے گی۔ کہ جناب محقق صاحب نے تمہید میں جس ترتیب کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ ثابت نہیں ہو سکی۔ (وہوالمقصود)

محقق صاحب کی تیسری ناکامی

ولایت کے بعد دوسرے درجہ پر محدثیت کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے آپ نے نشان آسمانی صفحہ ۳۸۔ شہادت القرآن صفحہ ۲۷۔ ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸۱۔ اور توضیح مرام صفحہ ۹ کے حوالہ جات درج کئے ہیں۔ مگر آپ کی جدت طرازی کا وہی عالم ہے۔ جو اس سے پیشتر ظاہر ہو کر موجب تفریح ناظرین ہو چکا ہے۔ یعنی آپ نے ولایت اور محدثیت کے دعاوی میں ترتیب اور تدریج ثابت کرتے ہوئے جن کتابوں کے حوالہ جات سے استدلال کیا ہے اُنکی تالیف کی

تاریخی ترتیب بالکل نظر انداز کر دی ہے۔ حالانکہ کسی مدعی کے دعاوی میں ترتیب اور ارتقاء جبھی ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ دعاوی جو زماناً مقدم قرار دئے گئے ہوں۔ وہ اس کی ابتدائی کتابوں سے۔ اور وہ دعاوی جو مؤخر قرار دئے گئے ہوں۔ وہ بعد کی کتابوں سے دکھائے جائیں۔ مگر جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق صاحب نے اس نہایت ضروری امر کی جس پر ساری بحث کا انحصار ہے۔ قطعاً پرواہ نہیں کی۔ اور جس دعوے کو چاہا۔ مقدم قرار دے دیا۔ اور جس کو چاہا مؤخر۔ مقدم کو مقدم ثابت کرنے کے لئے مؤخر کتب کے حوالہ جات پیش کر دئے۔ اور مؤخر کو مؤخر ثابت کرنے کے لئے مقدم کتب کے۔ اور سمجھ لیا۔ کہ دعاوی میں ارتقاء ثابت ہو گیا۔ اور ہم کو یہ وہ بات سوجھی ہے۔ کہ "جس سے عام تو کیا خاص لوگ بھی بے خبر ہیں" (تالیف برنی صفحہ ۷) اور یہ ہمارا وہ "محاسبہ علمی" اور کارنامہ عملی ہے۔ کہ منکرین سابقین میں سے کسی کے ذہن نے اس کی طرف سبقت نہیں کی۔

چنانچہ آپ نے ولایت کے دعوے کو سب سے پہلا اور ابتدائی دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اشتہار مورخہ ۱ اپریل ۱۸۹۷ء اور جنگ مقدس مطبوعہ ۱۸۹۳ء کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ مگر جن کتابوں سے محدثیت کے دعوے کو ولایت کے بعد دوسرے نمبر پہ ثابت کرنے کے حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں سے اکثر کتابیں جنگ مقدس اور اشتہار مذکورہ بالا سے پہلے کی شائع شدہ ہیں۔ مثلاً کتاب نشان آسمانی ۱۸۹۲ء کی مطبوعہ ہے۔ اور توضیح مرام و ازالہ اوہام ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء کی۔ اور یہ محقق صاحب نے ارتقائی حالت کے ثبوت کے لئے پیش کی ہیں:

محقق صاحب کا باطل جوش تحقیق

اب ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

کہ یہ جناب فضیلت مآب محقق صاحب کے باطل جوش تحقیق کا لغو نتیجہ ہے۔ کہ جو دعویٰ کتابوں کی اشاعت کے لحاظ سے پہلے ہونا چاہیئے۔ اُسے آپ بعد میں۔ اور جو بعد میں ہونا چاہیئے۔ اُسے پہلے بتا رہے ہیں۔ بس اگر کوئی ترتیب مانی جا سکتی ہے۔ تو وہ آپ کی پیش کردہ تحریرات کی تاریخوں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اس ترتیب کے بالکل خلاف اور برعکس ہو گی۔ جو آپ نے ثابت کرنی چاہی ہے ؛

اصل حقیقت

مگر دراصل حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کی اصل حقیقت وہی ہے۔ جو ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ دعویٰ تو آپ کا ابتداء ہی سے نبوت کا تھا۔ مگر دور اوّل میں آپ اسے کبھی جزئی نبوت کے نام سے تعبیر فرماتے تھے۔ اور کبھی ولایت اور اور محدثیت کے نام سے۔ اور ان اصطلاحات کو ہم معنی سمجھنے کی وجہ کر کسی جگہ ان کو منفرد طور پر۔ اور کسی جگہ اکٹھی استعمال فرماتے تھے۔ مگر دور دوئم میں ان سب کو ترک کر کے۔ بروزی ظلی اور اُمتی نبوت وغیرہ اصطلاحات اختیار فرمائیں۔ لیکن دعویٰ کی حقیقت تمام زمانہ میں ایک ہی رہی۔ جو فرق ہوا نام میں ہوا۔ چنانچہ جناب محقق صاحب بالفاظ ہم کے پیش کردہ تمام حوالہ جات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

خبط العشواء

آنجناب نے تمہید میں تیسرے نمبر پر محدثیت کے دعوے کو رکھا تھا۔ مگر اپنی خود ساختہ ترتیب کا ثبوت دیتے ہوئے اسے دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے۔ حالانکہ تمہید میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس خبط العشواء کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کو اصل حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ اور آپ بغیر کسی ضابطہ و قاعدے کی

پابندی کے بوجھ میں آتا ہے اُلٹی سیدھی لکھتے چلے جارہے ہیں:۔

محقق صاحب کا بے اصولا پن

آنجناب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "مسیحیت کے دعوے کی ابتدا وانتہا" بتاتے ہوئے۔ تحریک احمدیت صفحہ ۴۰۔ ازالہ اوہام صفحہ ۷۷ و ۱۸۱ و ۱۹۹۔ ایک غلطی کا ازالہ۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۴۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹ و ۳۹۰۔ النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۱۹۶۔ اور کشتی نوح صفحہ ۴۷ کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ ان میں سے تحریک احمدیت اور النبوۃ فی الاسلام نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف ہیں۔ اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی۔ بلکہ مولوی محمد علی صاحب کی تصانیف ہیں۔ حالانکہ جناب محقق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ و ۱۷ میں بڑی سنجیدگی سے دو مرتبہ ناظرین پر یہ بات ظاہر کی ہے۔ کہ آپ نے "قادیانی مخصوص اعتقادات" کے متعلق جس قدر حوالہ جات درج کئے ہیں۔ وہ سب کے سب "خود بانیٔ مذہب جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے صاحبزادے میاں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے" پیش کئے ہیں۔

محقق صاحب کی چوتھی ناکامی

اصل بات یہ ہے۔ کہ مولوی محمد علی صاحب نے تحریک احمدیت صفحہ ۴۰ میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک عبارت اصل ماخذ کا حوالہ دئے بغیر نقل کی ہے۔ اور جناب محقق صاحب کو چونکہ اپنی خود ساختہ ترتیب ثابت کرنے میں اس کی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے یہ عبارت تحریک احمدیت ہی کے

حوالہ سے نقل کر دی۔ اور اصل ماخذ کا نہ تو آپ کو علم تھا۔ اور نہ آپ کے نزدیک اس کی ضرورت۔ کیونکہ اگر آپ ان امور کی ضرورت سمجھنے والے ہوتے۔ تو آپ کے اس مایۂ فخر و ناز "علمی محاسبہ" اور "علمی تحقیقات" کے قلعہ کی پہلی بنیادی اینٹ بھی قائم ہونی ناممکن تھی۔ چہ جائیکہ اسکی تکمیل:

غرض چونکہ آپ نے "تحریک احمدیت" کی عبارت کا ماخذ معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ اس لئے جس ترتیب کے ثابت کرنے کے لئے آپ نے یہ نقل کی تھی۔ اس کو ثابت کرنے کی جگہ اس کی لغویت کی اثبات کا موجب بن گئی۔ کیونکہ تحریک احمدیت میں یہ عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُس اشتہار میں سے ہے جو حضور کی سب سے پہلی تصنیف یعنی براہین احمدیہ کے ساتھ بیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ نقل کی گئی ہے۔ اور اس میں مجدد ہونے کے علاوہ صاف بالفاظ میں مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی بھی موجود ہے۔ اور یہی وہ دعوی ہے۔ جو ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۹۔ اور حضورؑ کی دیگر تصانیف کے حوالوں سے ثابت ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا۔ کہ مثیل مسیح ہونے کا دعوٰے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتداء ہی میں کیا تھا۔ چنانچہ جناب محقق صاحب بالقابہ نے خود تسلیم کیا ہے۔ کہ یہ عبارت "مسیحیت کے دعوے کی ابتداء" ہے۔ پس جب مسیحیت کے دعوے کی ابتدا جناب محقق صاحب کو براہین احمدیہ کے زمانہ سے ہی مسلّم ہے۔ تو پھر اس دعوے کو ترتیب میں تیسرے نمبر پر قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

جناب محقق صاحب بالقابہ نے ازالہ اوہام کے حوالہ جات	**محقق صاحب کا مفروضہ ارتقاء انہیں کے مسلّمات سے باطل ہے**

دوسرے نمبر پر دعویٰ محدثیت کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ اور پھر تیسرے نمبر پر مسیحیت کے دعوے کے ثبوت میں بھی۔ اور اس کے بعد سب سے آخر "نبوت کے دعوے کی تشکیل" کے ثبوت میں بھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تینوں دعاوی ایک ہی کتاب ازالہ اوہام میں کئے تھے۔ مگر باوجود اس کے جدید تعلیم یافتہ محقق صاحب یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ کہ ان دعاوی میں ہماری مجوزہ ترتیب اور ہمارا مزعومہ ارتقاء پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے یہ تمام دعاوی ازالہ اوہام ہی میں موجود ہیں۔ اور جناب محقق صاحب نے آپ کے دعاوی میں جو ترتیب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ خود انہیں کے مسلّمات کی رُو سے باطل ہے۔

اس موقعہ پر یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ محقق برنی صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی میں ارتقائی مدارج کی جو ترتیب بیان کی تھی۔ اُسے آپ نے دوسرے ایڈیشن میں کسی قدر تبدیل کر کے اس میں بعض درمیانی مدارج کا اضافہ کیا ہے۔ مگر آپ کی قائم کردہ یہ نئی ترتیب بھی واقعات سے اُسی قدر غیر مطابق ہے۔ جس قدر کہ پہلی۔ کیونکہ اسے ثابت کرتے ہوئے بھی آپ نے حوالہ جات اسی غلط طریق پر پیش کئے ہیں۔ جس کی لغویت ہم بارہا ظاہر کر چکے ہیں۔ یعنی ابتدائی کتابوں کے حوالے انتہائی یا درمیانی دعاوی کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ اور آخری کتابوں کے حوالے ابتدائی دعاوی کے ثبوت میں ۔

متفرق اعتراضات کے جوابات

فاضل محقق برنی صاحب بالقابہ نے فصل اوّل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی میں ارتقاء ثابت کرنے کے علاوہ بعض دیگر متفرق امور پر بھی کچھ اعتراض کئے ہیں۔ اب ہم اُن پر نظر کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض اور اُس کا جواب

آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ آپنے نعوذ باللہ "مستقل نبوت کا کہ اُس کی وحی قرآن کریم کے ہم پلہ اور مساوی قرار پائے" دعویٰ کیا ہے۔ مگر یہ آپ کا سراسر افترا اور بہتان ہے۔ جس کی خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام بار بار تردید فرما چکے ہیں۔ اور ہم جناب محقق صاحب کو چیلنج کرتے ہیں۔ کہ وہ حضرت اقدس کی کوئی ایسی تحریر پیش کریں۔ جس میں حضورؑ نے مستقل نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ اور ہم کہے دیتے ہیں۔ کہ آپ ہرگز کوئی ایسی تحریر پیش نہیں کرسکیں گے۔ اور آپ ایسی کوئی تحریر کیونکر پیش کرسکتے ہیں۔ جبکہ حضرت اقدس نے اپنے ان مخالفین کی بڑے شد و مد سے بار بار تردید کی ہے۔ جو لوگوں کو آپ سے بدظن اور متنفر کرنے کے لئے آپ کی طرف مستقل نبوت کا دعویٰ منسوب کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں:-

۱۔ "نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہوگئی ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد جو تمام گذشتہ صحیفوں سے افضل ہی کوئی کتاب نہیں

اور شریعت محمدیہ کے بعد اور کوئی شریعت نہیں۔ اور میرا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبی رکھا ہے۔ اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکتوں میں سے ایک ظلّی امر ہے۔ اور میں اپنی ذات میں تو کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ میں نے جو کچھ پایا ہے۔ اُسی مقدس وجود (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے پایا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے نزدیک میری نبوت سے مراد صرف کثرت مکالمہ و مخاطبہ (الہام الٰہیہ) ہے۔ اور جو اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کا مدعی ہو۔ یا اپنے آپ کو کچھ سمجھے۔ یا اپنی گردن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی رسّی سے باہر نکالے۔ تو اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ پر مرسلین کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ پس یہ کسی کا حق نہیں۔ کہ حضورؐ کے **کے بعد مستقل نبوت کا دعوےٰ کرے۔** اور آپ کے بعد صرف کثرت مکالمہ باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی آپکی اتباع ہی سے مل سکتی ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی قسم۔ مجھے یہ مقام صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شعاؤں کی پیروی کے انوار سے حاصل ہوا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے میرا نام مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے۔ نہ کہ حقیقی طور پر۔"

(ترجمہ عبارت عربیہ)

(۲) اور چشمہ معرفت جو حضورؑ کی سب سے آخری کتاب ہے۔ اُس کے صفحہ ۳۱۹ میں فرماتے ہیں :-

"میری کتابوں کے یہودیوں کی طرح معنی محرّف و مبدّل کرکے اور بہت کچھ اپنی طرف سے ملاکر میرے پر صدہا اعتراض کئے گئے ہیں۔ کہ گویا میں **مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔** اور قرآن شریف کو چھوڑتا ہوں۔ اور گویا میں خدا کے نبیوں کو گالیاں دیتا ہوں، اور توہین کرتا ہوں۔ اور گویا میں معجزات کا منکر ہوں۔ سو میری یہ تمام شکایات خدا تعالےٰ کی جناب میں ہیں۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ وہ اپنے فضل سے میرے حق میں فیصلہ کرے گا۔"

(۳) پھر آپ اپنے سب سے آخری خط میں جو آپنے ایڈیٹر "اخبار عام" لاہور کے نام لکھا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے اسلام سے مجھے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ میں **مستقل طور پر** اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ **اور اپنا علیحدہ کلمہ اور قبلہ بناتا** ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتدار اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ **ایسا دعوےٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔** اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر کتاب میں ہمیشہ مَیں یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم **کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے**

پر تہمت ہے۔ اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے۔ کہ میں خدا تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں۔ اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا۔ اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے۔ اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے۔ کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔ دوسرے پر وہ نہیں کھولتا۔ اور انہیں امُور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔"

(خط مندرجہ اخبار عام مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ مستقل نبوت کے دعوے کا الزام سراسر بہتان اور افترا ہے ؛

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اب ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ جناب محقق صاحب بالقابہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو یہ بات منسوب کی ہے۔ کہ گویا حضورؑ نے اپنی وحی کا درجہ و مرتبہ "قرآن کریم کے ہم پلہ اور مساوی" قرار دیا ہے۔ یہ بھی امر واقع کے بالکل خلاف۔ اور آپ کے افتراؤں میں سے ایک نہایت ہی ذلیل اور سخت قابلِ نفرت افترا ہے ؛

آپ نے اپنے اس دعویٰ باطل کو ثابت کرنے کی غرض سے اپنی تالیف کے صفحہ ۳۹ و ۴۰ میں زیر عنوان "مرزا صاحب کی وحی" حضرت اقدس کی تحریرات سے چند حوالے پیش کئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی

یہ مضمون نہیں ہے۔ کہ میری وحی درجہ و مرتبہ میں قرآن کریم کی وحی کے برابر ہے۔ بلکہ یہ مضمون ہے۔ کہ میں وحی خدا سے جو کچھ سنتا ہوں۔ اُسے خطا سے پاک جانتا ہوں۔ اور جیسا کہ قرآن شریف کی وحی کے خطا سے منزّہ ہونے پر میرا ایمان ہے۔ ویسا ہی اُس وحی کے خطا سے منزہ ہونے پر بھی میرا ایمان ہے۔ جو خدا کی طرف سے مجھے ہوتی ہے۔ اور وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ وہ اُسی خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اُس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اور مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توریت۔ انجیل اور قرآن کریم پر۔ اور میرے اس دعویٰ کی بنیاد حدیث نہیں۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے۔ جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے متعارض نہیں ؏

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وحی و رجہ میں قرآنی وحی کے مساوی قرار نہیں دی

حضرت اقدس کے ان تمام حوالہ جات کی عبارتیں جو امر زیر بحث کے متعلق محقق برنی صاحب بالتعاہم نے پیش کئے ہیں۔ یہ مضمون ہے۔ جو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ آنجناب نے اس مضمون سے کون سے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ حضرت اقدس نے اپنی وحی درجہ و مرتبہ میں قرآنی وحی کے ہم پلہ اور مساوی قرار دی ہے۔ اس مضمون کا مطلب تو صرف اس قدر ہے۔ کہ حضرت اقدس کو

اپنی وحی کے منزہ عن الخطاء اور خدا کی طرف سے ہونے پر بھی بغیر ایک ذرہ
فرق کے ویسا ہی ایمان تھا۔ جیسا کہ حضورؑ کو اور تمام انبیاء اور اپنے آقا و
مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کے منزہ عن الخطاء اور
اور منجانب اللہ ہونے پر۔ مگر اس پر ایمان رکھنے سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا
جاسکتا ہے۔ کہ حضرت اقدس تمام وحیوں کو درجہ و مرتبہ میں برابر جانتے۔
اور اپنی وحی کو درجہ و مرتبہ میں قرآنی وحی کے ہم پلہ و مساوی مانتے تھے۔
کیونکہ دو یا چند چیزوں کے متعلق یہ ایمان رکھنا کہ یہ سب خدا کی طرف سے
ہیں۔ اور بات ہے۔ اور ان سب کو درجہ و مرتبہ میں ہم پلہ و مساوی سمجھنا اور بات ہے

محقق صاحب کے اپنے مسلّمات

کیا یہ امر محقق صاحب چشتی قادری فاروقی اور اُن کے تمام ہمخیالوں بلکہ رُوئے
زمین کے تمام مسلمانوں کے مسلّمات میں سے نہیں ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ
حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ بلکہ ہر نبی کی وحی منزہ عن الخطاء اور خدا تعالےٰ کی
طرف سے تھی۔ ہے اور ضرور ہے۔ لیکن کیا وہ یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ تمام
انبیاء کی وحی درجہ و مرتبہ میں حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی وحی کے برابر ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس اگر وہ یہ نہیں مانتے۔ اور یقیناً نہیں
مانتے۔ تو پھر حضرت اقدس کے اس ارشاد سے کہ مجھے اپنی وحی کے منزّہ
عن الخطاء اور خدا کی طرف سے ہونے پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ حضرت
موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کے منزّہ
عن الخطاء اور خدا کی طرف سے ہونے پر۔ یہ نتیجہ کس طرح نکال سکتے ہیں۔
کہ حضرت اقدس نے اپنی وحی کا درجہ و مرتبہ قرآنی وحی کے ہم پلّہ اور
مساوی قرار دیا ہے ؛

محقق صاحب خود زیر الزام آگئے

کیا محقق ربنی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) اس امر پر ایمان نہیں رکھتے۔ کہ تمام نبی درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر کیا وہ اس امر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ درجہ میں بھی سب نبی برابر ہیں۔ اگر وہ درجہ میں سب کے برابر ہونے پر ایمان نہیں رکھتے۔ تو حضرت اقدس کے اس ارشاد سے کہ جس طرح اور نبیوں کی وحی کے خدا کی طرف سے ہونے پر میرا ایمان ہے۔ اسی طرح اپنی وحی کے بھی خدا ہی کی طرف سے ہونے پر میرا ایمان ہے۔ ناواقفوں کو اس مغالطہ میں ڈالنا کیوں روا رکھتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس نے اپنی وحی کا درجہ و مرتبہ قرآنی وحی کے برابر قرار دیا ہے۔ اگر اُن کے استنباط نتائج کا یہی عالم ہے۔ تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت اقدس پر تو جو الزام وہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ قائم نہیں کر سکے۔ لیکن اپنے ہی مسلمہ طریق استنباط کی رُو سے وہ خود بہت آسانی سے اس الزام کے نیچے آجائیں گے۔ وہ کسی طرح اس امر سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ان کے نزدیک تمام نبیوں کی وحی منزہ عن الخطاء اور خدا کی طرف سے تھی۔ اور چونکہ جن چیزوں کے خدا کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھا جائے۔ وہ ان کے خیال میں درجہ و مرتبہ میں مساوی ہوتی ہیں۔ لہذا انہیں یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ وہ تمام نبیوں کی وحی کو درجہ و مرتبہ میں برابر سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو دوسرے انبیاء کی وحی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور قرآن شریف توریت و انجیل پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا۔ ؎

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را + چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

انبیاء کی وحی منجانب اللہ ہونے میں برابر ہے۔

دنیا میں کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہوا ہے۔ جس کو اپنی وحی کے خطا سے پاک اور خدا کی طرف سے ہونے پر ایمان نہ ہو۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی منزّہ عن الخطار اور خدا کی طرف سے ہونے میں مساوی ہوتی ہے۔ مگر اس سے ان وحیوں کے درجہ اور رُتبہ میں مساوات ہر گز لازم نہیں آتی۔ جس طرح خدا کے نبی و رسول ہونے کے لحاظ سے تمام نبی و رسول برابر ہوتے ہیں۔ کسی میں کوئی فرق نہیں مانا جاتا۔ جیسا کہ آیت شریفہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ سے ظاہر ہے۔ اسی طرح ان کی وحیوں میں بھی اس لحاظ سے کہ وہ سب خدا کی طرف سے ہیں۔ کوئی فرق نہیں مانا جاتا۔ سب برابر سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن جس طرح درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ آیت شریفہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ کا منشاء ہے۔ اسی طرح درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے نبیوں کی وحی بھی ایک دوسرے پر فضیلت رکھتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ کن ارشاد

اگرچہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے حضرت اقدس کا مقصد اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے۔ مگر ہم حضورؑ کی کتاب نزول المسیح صفحہ ۱۱۴ سے ایک حوالہ بھی نقل کئے دیتے ہیں۔ تا حضور ہی کے الفاظ سے یہ ثابت ہو جائے۔ کہ حضور تمام نبیوں کی وحی میں صرف منزّہ عن الخطار اور منجانب اللہ ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ مگر درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے ضرور فرق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"شاید کوئی بھول جائے اس لئے بار بار کہا جاتا ہے۔ کہ کلام الٰہی

سے مراد وہی کلام ہے۔ جو زمانہ کے لئے تازہ طور پر اترتا ہے۔
اور اپنی طبعی خاصیت سے ملہم اور اس کے ہم نشینوں پر ثابت
کرتا ہے۔ کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں۔ اور ایسا ملہم طبعاً
اس میں اور خدا کے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے
من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ گو دوسری وجوہ
سے کچھ فرق ہو"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت سے نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے۔ کہ آپ کا اپنی وحی پر بھی ویسا ہی ایمان ظاہر کرنا جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی پر آپ کا ایمان تھا۔ یہ صرف اس لحاظ سے ہے۔ کہ آپ اپنی وحی کو بھی اسی طرح خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ان سب انبیاء علیہم السلام کی وحی کو۔ ورنہ درجہ وغیرہ دوسرے وجوہ سے تو آپ کے نزدیک بھی سب انبیاء کی وحی یکساں نہیں۔ بلکہ اس میں فرق تھا۔

قرآن مجید سے حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کی تصدیق

علاوہ ازیں خود قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی من حیث الوحی یعنے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے کے لحاظ سے دوسرے انبیاء کی وحی کی طرح قرار دی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔
إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهٖ
(سورہ نساء ع۲۳) یعنی ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے۔ جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف کی تھی۔

اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی وحی خدا

کی وحی ہونے کے لحاظ سے مساوی قرار دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی خدا کی طرف سے ہے۔ بالکل اسی طرح دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن کیا کوئی سہروردی صاحب صدیقی یا نقشبندی صاحب عثمانی یا کوئی مجددی صاحب۔ علوی یا جناب محقق برنی صاحب چشتی قادری فاروقی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ اس کا یہ مطلب لیتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت نوحؑ اور ان کے بعد کے نبیوں کی وحی کو خدا تعالےٰ اپنی طرف سے قرار دیتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کو بھی اپنی ہی طرف سے۔ لہٰذا حضرت نوح۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام کی وحی درجہ و مرتبہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کے ہم پلہ و مساوی ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس جب جناب محقق صاحب بالقابہ حضرت نوحؑ اور اُن کے بعد کے نبیوں کی وحی کے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کے بھی خدا ہی کی طرف سے ہونے کا یہ مطلب نہیں لیتے۔ کہ سب کی وحی درجہ و مرتبہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کے برابر ہے۔ تو اُن کو حضرت اقدس کے اس ارشاد سے کہ میں اپنی وحی کے بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے پر ویسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ قرآنی وحی کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر۔ یہ نتیجہ نکالنے کا کہ آپ دونوں وحیوں کو درجہ و مرتبہ میں ہم پلہ و مساوی جانتے ہیں۔ کیا حق ہے۔

"الفضل" کے ایک حوالہ میں تحریف	محقق صاحب بالقابہ نے اپنے اسی بے اصل و باطل اتہام کو ثابت کرنے

کے لئے ایک یہ حوالہ الفضل مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۱۵ء سے بھی نقل کیا ہے۔

"قرآن کریم اور الہامات مسیح موعودؑ دونوں خدا تعالیٰ کے کلام ہیں۔ دونوں میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے قرآن کو مقدم رکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور مسیح موعودؑ سے جو باتیں ہم نے سنیں۔ وہ حدیث کی روایت سے معتبر ہیں۔ کیونکہ حدیث ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نہیں سُنی"۔ (تالیف بری صفحہ ۴ طبع اول و صفحہ ۹۹ طبع دوم)

صداقت شعار محقق صاحب نے اس حوالہ کے نقل کرنے پر ہی بس نہیں فرمایا۔ بلکہ اس فقرہ پر کہ "قرآن کو مقدم رکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا" خط بھی کھینچ دیا ہے۔ حالانکہ الفضل میں یہ فقرہ اس طرح ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح ہے۔ "اس لئے مقدم رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ اور "الفضل" میں یہ فقرہ ایک سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے سائل کا سوال یہ ہے۔ کہ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں سے مقدم کس کو رکھا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔ کہ یہ سوال دونوں (قرآن کریم اور الہام مسیح موعود) میں اختلاف ہونے کی حالت میں پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ کسے مقدم رکھا جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کا اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں۔ کہ قرآن کریم مقدم نہیں ہے۔ یا اس کو مقدم نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے۔ کہ یہ سوال کہ دونوں میں سے مقدم کس کو رکھا جائے۔ یہ تو اختلاف کی حالت میں پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن جب اختلاف ہے ہی نہیں۔ تو

پھر اس کے پیدا ہونے کی گنجائش کہاں۔

عبارت مذکورہ بالا کا یہ ایسا واضح مطلب تھا۔ کہ کسی منصف مزاج طالب تحقیق کا تو ذکر ہی کیا۔ جناب محقق صاحب بالقابہ جیسے مہربان مکرم بھی اس کا کچھ اور مطلب نہیں لے سکتے تھے۔ حالانکہ آنجناب کو بڑی ضرورت لاحق تھی۔ کہ کسی طرح حضرت اقدس پر اپنی وحی کو قرآنی وحی کے مساوی اور ہم پلہ بلکہ اپنی نبوت کو اس سے بھی بدرجہا زیادہ قرار دینے کا اتہام لگائیں۔ اور یہ امر آپ کی طرز عمل سے بخوبی ظاہر ہے۔ کیونکہ جب آپ نے اپنی مذکورہ ضرورت کسی طرح پوری ہوتے نہ دیکھی۔ اور آپ اس عبارت سے وہ مطلب نہ نکال سکے۔ جو آپ کی ضرورت شدیدہ پوری کر دینے والا تھا۔ تو آپ اس عبارت میں تصرف فرمانے پر مجبور ہوئے۔ اور آپ نے صرف دو لفظ اس میں اپنی طرف سے شامل فرما دیئے۔ یعنی "قرآن کو"۔ اگرچہ دو لفظ بظاہر کوئی بساط نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ جدید تعلیم یافتہ ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ قادری صاحب بالقابہ کے چیدہ و پسندیدہ تھے۔ اس لئے انہوں نے عبارت کے مطلب کی کایا ہی پلٹ دی۔ یعنی آپ کے تصرف بے جا کی وجہ سے فقرہ کی صورت چونکہ یہ ہو گئی۔ کہ "قرآن کو مقدم رکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا"۔ لہٰذا مطلب یہ بن گیا۔ کہ "الفضل" میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ (حضرت اقدس) مرزا صاحب کے الہامات کے مقابلہ میں قرآن کو مقدم رکھنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے الہامات ہی مقدم رکھے جانے کے لائق ہیں۔ قرآن کو مقدم رکھے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

ایک صاف سیدھی اور پاکیزہ عبارت سے بعد تصرف یہ باطل اور ناپاک مطلب ہے کہ قادری محقق صاحب بالقابہ و فرط مسرت سے پھولے جامے میں نہیں سماتے کہ ہم نے کس صفائی سے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو اپنی وحی کے وحیٔ قرآنی سے مساوی و ہم پلہ بلکہ اس سے بھی افضل و اعلیٰ ہونے کا دعوےٰ تھا۔ اے کاش اپنے اس مایۂ ناز "علمی محاسبہ" کے وقت اُن کو اُس آخری محاسبہ کا بھی کچھ خیال ہوتا۔ جس کا وقت آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ جس میں کوئی زبانی چالاکی کام دے سکتی ہے ؛

محقق صاحب کے تصرف بیجا کا ایک اور کرشمہ

دیانت پسند محقق صاحب نے جس فقرے میں دو لفظ بڑھا کر اپنی شانِ تحقیق میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس کے آخر میں جو عبارت لکھی ہے۔ وہ بھی آنجناب کے تصرف بیجا کا ایک اور بیّن کرشمہ ہے۔ کیونکہ وہ عبارت ہرگز اس موقعہ کی نہیں ہے۔ جس موقعہ کی آپ نے ظاہر کی ہے۔ بلکہ ایک دوسرے موقع کی ہے۔ اور ایک اور سوال کے جواب میں ہے۔

کسی سائل نے یہ سوال کیا ہے۔ کہ "جب ایک حدیث میں جو صحیح سمجھی جاتی ہو اور قول مسیح موعود میں بظاہر تخالف ہو۔ تو مقدم کس کو کیا جائیگا۔"

اس سوال کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ دیا ہے۔ کہ "مسیح موعود سے جو باتیں ہم نے سُنی ہیں۔ وہ حدیث کی روایت سے معتبر ہیں۔ کیونکہ حدیث ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نہیں سُنی۔ سچی حدیث اور مسیح موعود کا قول مخالف نہیں ہو سکتے۔"

اس عبارت کا مطلب بھی بالکل صاف تھا۔ کہ حدیثیں مختلف زبانوں میں گھومتی ہوئیں ہم تک پہنچی ہیں۔ اور مسیح موعودؑ کی باتیں ہم نے خود حضور کی زبان سے سُنی ہیں۔ اس لئے وہ باتیں حدیث کی روایت سے معتبر ہیں۔ یعنی راویوں نے جو روایت کی ہے۔ اس سے معتبر ہیں۔ نہ کہ صحیح حدیث سے۔ جو درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو۔ کیونکہ صحیح حدیث کے متعلق تو حضرت خلیفۃ المسیح نے صاف فرما دیا تھا۔ کہ "سچی حدیث اور مسیح موعود کا قول مخالف نہیں ہو سکتے"

لیکن چونکہ سوال و جواب ساتھ نقل ہونے کی حالت میں قادری محقق صاحب کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے آنجناب نے سوال سے جواب کو علیحدہ کرکے اسے اُس فقرے کے آخر میں شامل کر دیا۔ جو آپ نے قرآنی وحی کو مقدم رکھے جانے کے متعلق خود گھڑا تھا۔ اور جب مطلب اس پر بھی پورا ہوتا نہ دیکھا۔ تو آخری فقرہ جس کو ہم نے جلی قلم سے لکھا ہے۔ اُڑا دیا۔ اور نقل نہ کیا۔ اور اس طرح ناواقفوں کو اس مغالطہ میں ڈالنے کا سامان پیدا کر دیا۔ کہ گویا احمدی حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر حضرت اقدس مرزا صاحب کے قول کو ترجیح دیتے۔ اور اس سے افضل سمجھتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

حقیقی محقق کا ایک ضروری فرض اور محقق برنی صاحب

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ ایک حقیقی محقق کا جو کسی مصنف کے دعاوی اور عقائد کی تحقیقات اس کی تصانیف کے ذریعہ کرنی چاہیے۔ یہ فرض بھی ہے۔ کہ وہ اس کے کسی مبہم یا محتمل کلام یا عبارت کے وہ معنی نہ لے۔ جو

اس کی منشاء کے خلاف ہوں۔ اور انہیں معنوں کو منشائے متکلم کے مطابق سمجھے۔ جو اس کی متفرق مقامات کی تصریحات سے ثابت ہوتے ہوں مگر افسوس ہے۔ کہ جدید تعلیم یافتہ قادری محقق صاحب بالقابہ نے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی مبہم و محتمل عبارات لے ہی نہیں۔ بلکہ صاف اور واضح عبارات کے وہ معنی لئے ہیں۔ جو اُن کی منشاء اور بیسیوں مقامات کی عبارات کے بالکل ہی خلاف ہیں۔

قرآنی وحی کے افضل ہونے پر حضرت اقدس کے واضح ارشادات

جن عبارات کے معنی منشائے متکلم کے خلاف لئے ہیں۔ اُن کا حال تو بطور نمونہ اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ ان میں ان معنی کا ہرگز احتمال نہیں ہے۔ جو محقق صاحب نے لئے ہیں اب ہم حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں سے چند ایسی عبارتیں بھی نقل کئے دیتے ہیں۔ جو محقق صاحب کے مزعومہ معنی کو بالکل باطل قرار دیتی ہیں۔ اور جن کی موجودگی میں حضرت اقدس کی کسی مبہم اور محتمل عبارت کے معنی بھی ان کے خلاف نہیں لئے جاسکتے۔ چہ جائیکہ کسی صاف اور واضح عبارت کے۔ کیونکہ ان میں حضرت اقدس نے بڑی صراحت و وضاحت سے یہ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ وحی قرآنی تمام انبیاء علیہم السلام کی وحیوں سے فوقیت و فضیلت رکھتی ہے۔

پہلا ارشاد چنانچہ حضرت اقدس تحفۂ بغداد مطبوعہ ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"والقرآنُ مَخصوصٌ بِالقطعیۃِ التامۃِ ولہٗ مرتبۃٌ

فَوْقَ مَرْتَبَةِ كُلِّ كِتَابٍ وَكُلِّ وَحْيٍ"۔ یعنی قرآن مجید قطعیت تامہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کا مرتبہ ہر ایک کتاب اور وحی سے بالاتر ہے۔"

دُوسرا ارشاد

اور کشتی نوح صفحہ ۲۴ میں فرماتے ہیں:۔

" تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں۔ جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلاواسطہ قرآن تمہیں نجات دے سکے۔ ۔ ۔ ۔ قرآن وہ کتاب ہے۔ جس کے مقابل پر تمام ہدائتیں ہیچ ہیں۔"

تیسرا ارشاد

اور تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۴ میں فرماتے ہیں:۔

" میں اُسی (خدا) کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ جیسا کہ اُس نے ابراہیمؑ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا۔ اور پھر اسحاقؑ سے اور اسمٰعیلؑ سے اور یعقوبؑ سے اور یوسفؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مسیح ابن مریمؑ سے اور سب کے بعد ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہمکلام ہُوا۔ کہ آپ پر سب سے زیادہ روشن اور پاک وحی نازل کی۔ ایسا ہی اُس نے مجھے بھی مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا"

اب ہر خدا ترس اور منصف مزاج بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ ان حوالہ جات کی موجودگی میں برنی صاحب بالقابہ کا حضرت اقدس پر

یہ الزام۔ کہ آپ، اپنی وحی کو درجہ ومرتبہ میں قرآنی وحی کے ہم پلہ ومساوی قرار دیتے تھے۔ راستی وانصاف سے کہاں تک تعلق رکھتا ہے۔

اس معاملہ میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ کہ حوالہ جات منقولہ صدر میں کشتی نوح اور تجلیات الٰہیہ کی عبارتیں بھی ہیں۔ جن میں سے پہلی کتاب تو ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہے۔ اور دوسری ۱۹۰۶ء کی۔ یعنے دونوں اس دَور کی ہیں۔ جسے برنی صاحب نے حد درجہ کی بداعتقادی کا دَور قرار دیا ہے۔ اور جس میں آپ کے نزدیک حضرت اقدس ہوتے ہوتے کیا سے کیا ہو گئے تھے۔ (تالیف برنی صفحہ ۱۷)

حضرت اقدس نے خلاف قرآن احادیث کو مردود قرار دیا ہے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی پر بحث کے سلسلہ میں محقق صاحب بالقابہ نے ایک ضمنی اعتراض میں آپ کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلانے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ آپ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ کو ردّی کی طرح پھینک دینے کا اعلان کیا ہے۔ اور فاضل محقق برنی صاحب نے اس دلخراش امر کا یقین دلانے کے لئے اپنی مخصوص دیانت کے جوش میں حضرت اقدس کی ایک عبارت نقل کر کے اس کے صرف اتنے حصہ پر کہ "دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں" خط کھینچ دیا ہے۔ تا ناواقف اس مغالطہ میں پڑیں۔ کہ گویا حضرت اقدس نے یہ تمام حدیثوں کے متعلق لکھا ہے۔ حالانکہ آپ نے تمام حدیثوں کے متعلق یہ نہیں لکھا۔ بلکہ صرف ان حدیثوں کے متعلق لکھا ہے۔ جو خلاف قرآن ہیں۔ اور کتب احادیث میں غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات

سمجھ کر درج کر دی گئی ہیں۔ ورنہ درحقیقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ حضورؐ کی دوسری احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہیں۔ اور قرآن شریف کے بھی خلاف۔

حضرت اقدس نے جس جس جگہ حدیثوں کو ردّ کر دینے کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ اِسی قسم کی حدیثوں کے متعلق فرمایا ہے۔ نہ کہ کسی موافق قرآن و صحیح حدیث کے متعلق۔ آپ کی کوئی ایسی تحریر پیش نہیں کی جا سکتی۔ جس میں کسی ایک صحیح حدیث موافق قرآن کے ردّ کر دینے کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہو۔ بلکہ برخلاف اس کے صاف و صریح الفاظ میں جابجا اس امر کی تاکید موجود ہے۔ کہ ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی جو مطابق قرآن ہو۔ قبول کر لو۔ اور خلاف قرآن پاکر بھی آسانی سے کسی حدیث کو ردّ نہ کرو۔ بلکہ کوشش کرو۔ کہ وہ مطابق قرآن ہو جائے۔ لیکن اگر کسی طرح بھی مطابق نہ ہو سکے۔ تو تم یہ سمجھ کر۔ کہ وہ درحقیقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ بلکہ ایک ایسا جعلی اور موضوع قول ہے۔ جس کے قبول کرنے سے قرآن شریف کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ اُسے ترک کر دو۔[1]

اعجاز احمدی کے حوالہ کا مطلب

یہ اُمور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیگر تحریرات سے بھی ثابت ہیں۔ وہاں اعجاز احمدی کے خاص اس حوالہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جسے محقق برنی صاحب نے حضرت اقدس کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلانے کے لئے کہ گویا آپ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ پھینک دینے کے قابل بتاتے تھے۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۰ سے پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

[1] دیکھو حضورؐ کی تعلیم مندرجہ کشتی نوح صفحہ ۵۸ و ۵۹۔

"ہم خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے اس دعوے کی حدیث بنیاد نہیں۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے۔ جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں"

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ اس موقعہ پر صرف ان حدیثوں کا ذکر ہے۔ جو حضرت اقدس کے دعوے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے آپ صحیح اور مطابق قرآن احادیث کو تو مانتے اور قبول فرماتے ہیں جیسا کہ حضور کے اپنے دعوے کی تائید میں ان کو پیش کرنے کا اظہار فرمانے سے ظاہر ہے۔ اور جب مطابق قرآن احادیث کو حضورؑ کا ماننا ثابت ہے۔ تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے۔ کہ ردی کی طرح پھینک دینے کا ذکر صرف انہیں احادیث سے متعلق ہے۔ جو مخالف قرآن ہوں۔ اور اس میں کیا کلام ہے۔ کہ جو حدیث مخالف قرآن ہو۔ وہ اسی لائق ہے۔ کہ ردی کی طرح پھینک دی جائے۔ کیونکہ درحقیقت وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ بلکہ کوئی جعلی اور وضعی قول ہے۔ جو غلطی سے حضور کی طرف منسوب ہو جانے کی وجہ سے حدیث کہلا رہا ہے۔ اور اگر اسے قبول کر لیا جائے۔ تو نعوذ باللہ قرآن مجید کو رد کرنا پڑتا ہے۔

اعجاز احمدی کے بعض اور حوالے

اگرچہ محقق صاحب کے اعتراض کی حقیقت تو انہیں کے پیشکردہ حوالہ نے آئینہ کر دی ہے۔ لیکن ہم چند حوالے اسی کتاب سے اور بھی پیش کرتے

ہیں۔ تا حقیقت واضح سے واضح تر ہو جائے :۔

آنجناب بالقابہ نے اعجاز احمدی کے جس مضمون سے مندرجہ بالا حوالہ پیش کیا ہے۔ حضرت اقدس اس سے پہلے اسی مضمون کے متعلق صفحہ ۲۷ و ۲۸ میں احادیث متعلقہ مہدی کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ان حدیثوں میں اس قدر تناقض ہے۔ کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کرو۔ تو فی الفور ملجائیگی۔ پس اس سے قرآن شریف کی بینات کو چھوڑنا۔ اور ایسی متناقض حدیثوں کے لئے ایمان ضائع کرنا کسی ابلہ کا کام ہے۔ نہ عقلمند کا۔"

اس حوالہ سے بھی ثابت ہے۔ کہ حضرت اقدس نے صرف مخالف قرآن احادیث کو ردّ کر دینے کا اظہار فرمایا ہے۔ نہ کہ کسی صحیح حدیث کو۔

پھر اس سے چند سطر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :۔

"مناسب ہے کہ حدیث کے لئے قرآن کو نہ چھوڑا جائے۔ ورنہ ایمان ہاتھ سے جائے گا۔" (صفحہ ۲۸)

اس ارشاد میں بھی یہی تعلیم ہے۔ کہ جب کوئی حدیث قرآن شریف سے مخالف ہو۔ تو قرآن شریف نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ حدیث ترک کر دی جائے۔ اگر قرآن شریف چھوڑا جائے گا۔ تو ایمان ضائع ہوگا۔ اور یہ جیسی صحیح و پاک اور موافق عقل و نقل تعلیم ہے۔ محتاج بیان نہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ محقق صاحب بالقابہ نے تو حضرت اقدس کے ایک فقرے سے جو خلاف قرآن اور وضعی حدیثوں کے پھینک دینے کے متعلق تھا۔ آج ناواقفوں کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ جب دو آدمیوں کی موت ایک ہی پیشگوئی میں بیان کی گئی ہو۔
اور ایک ان میں سے میعاد کے اندر مر جائے۔ تو جو دوسرا باقی ہے۔ اس
کی بھی کمر ٹوٹ جاتی ہے "

اب صرف یہ امر قابلِ غور رہ جاتا ہے۔ کہ کیا فی الواقع سلطان محمد نے
توبہ اور رجوع کیا؟ اب اس کے ثبوت بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

ثبوت اوّل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بکرات و مرات
اس امر کی اشاعت فرمائی۔ کہ سلطان محمد اور اس کے اقارب
نے توبہ اور عاجزی کے خطوط لکھے۔ اور ان پر خوف طاری ہوا۔ ایک جگہ
تحریر فرماتے ہیں " احمد بیگ میعاد کے اندر فوت ہوگیا۔ اور اس کا فوت
ہونا اس کے داماد اور تمام عزیزوں کے لئے سخت ہم و غم کا موجب ہوا۔ چنانچہ
ان کی طرف سے توبہ اور رجوع کے خط اور پیغام بھی آئے " (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ)
اب کیا مرزا سلطان محمد یا اس کے اقارب نے کبھی اس دعویٰ کی تردید کی؟
ہرگز نہیں۔ پس جبکہ علی الاعلان اور سب مخالفین کے سامنے یہ دعوے
کیا گیا۔ اور مدعا علیہم کی طرف سے انکار نہ ہوا۔ تو پھر اس کی صداقت میں
کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

ثبوت دوم حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اس دعویٰ کے اثبات
کے لئے مخالفین کو پُر زور الفاظ میں چیلنج کیا۔ اور لکھا۔

" فیصلہ تو آسان ہے۔ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو۔ کہ تکذیب
کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس
سے اس کی موت تجاوز کرے۔ تو میں جھوٹا ہوں۔ ورنہ اے نادانوں صادقوں
کو جھوٹے مت ٹھہراؤ۔ . . . . اور ضرور ہے۔ کہ یہ وعید کی موت اس سے

تھمی رہے۔ جب تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اُسے بے باک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے۔ تو اٹھو اور اس کو بے باک اور مکذب بناؤ۔ اور اس سے اشتہار دلاؤ۔ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو" (انجام آتھم صفحہ ۳۲ حاشیہ)

اس تحدی کے بعد حضور علیہ السلام بارہ برس زندہ رہے۔ مگر کسی سے ممکن نہ ہو سکا۔ کہ وہ اس سے تکذیب کا اشتہار دلاتا۔ معلوم ہوا۔ کہ اس نے اس "تکذیب واستہزاء" کو جو بنائے پیشگوئی تھی چھوڑ دیا تھا:

ثبوت سوم مرزا سلطان محمد نے ۱۹۱۳ء میں ایک شخص کے نام حسب ذیل خط لکھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نے رجوع اختیار کر لیا تھا:-

از انبالہ چھاؤنی ۱۴ مارچ ۱۹۱۳ء

برادرم مکرم سلمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازشنامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمت گذار۔ شریف النفس۔ خدا یاد۔ پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے اُن کے مُریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں۔ کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں انکا شرف حاصل نہ کر سکا:

(نیاز مند سلطان محمد از انبالہ رسالہ ۹)

یہ خط ۱۹۱۳ء کا ہے۔ جس میں مرزا سلطان محمد کا صاف اقرار موجود ہے۔ کہ میں اب بھی حضرت مرزا صاحب کو نیک سمجھتا ہوں۔ اور پہلے بھی سمجھتا تھا۔

ناظرین! آپ ان حالات پر نگاہ کریں۔ اور پھر تصور کریں۔ کہ یہ الفاظ وہ شخص لکھتا ہے۔ جس کی بیوی کے متعلق پیشگوئی تھی۔ کیا اب بھی کسی منصف مزاج

کو اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ کہ سلطان محمد نے یقیناً توبہ اور رجوع کیا تھا۔

پیشگوئی کی بنا رجیساکہ ہم اس سے پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تحریرات سے ثابت کر آئے ہیں۔ تکذیب تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبہ سے اور میرے اقارب سے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت۔ مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکار اور دوکاندار خیال کرتے ہیں۔ اور بعض نشانوں کو دیکھکر بھی قائل نہیں ہوتے۔"

(تتمہ اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء)

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس پیشگوئی کی بنا نفس پرستی وغیرہ پر نہ تھی۔ بلکہ محض تکذیب اور استہزاء پر تھی۔ اور یہ وعیدی پیشگوئی تھی۔ کیونکہ اس میں عذاب کی خبر دی گئی تھی۔ اور وعیدی پیشگوئی کے متعلق علماء سلف کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ تھوڑے رجوع سے بھی ٹل جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سے ہم اس کی دو مثالیں پیش کر آئے ہیں۔ پس سلطان محمد نے چونکہ تکذیب اور استہزاء چھوڑ دیا۔ اور حضرت اقدس کے متعلق اس نے اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس سے عذاب بھی ٹال دیا۔ اور محمدی بیگم کا حضرت اقدس کیساتھ نکاح چونکہ اس کی موت سے مشروط تھا۔ اس لئے جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا ؟

خطوط لکھنے پر اعتراض کا جواب

محقق صاحب نے اس ضمن میں حضرت اقدس کے بعض خطوط جو آپ نے مرزا احمد بیگ وغیرہ کو رشتہ دینے کے متعلق لکھے تھے۔ نقل کئے ہیں۔ ان خطوط

پر حضرت اقدس کی زندگی میں بھی بعض لوگوں نے ازراہِ شرارت اعتراض کیا تھا۔ حضورؑ نے ان کو جو جواب دیا۔ ہم اُسے یہاں درج کرتے ہیں :۔

" افسوس یہ لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔ انبار در انبار ان کے دامن میں جھوٹ کی نجاست ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ عیسائی کہا کرتے تھے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں فتح کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ تو آپ نے جنگیں کیوں کیں۔ اور دشمنوں کو حیلوں تدبیروں سے قتل کیوں کیا۔ آج اسی قسم کے اعتراض یہ لوگ پیش کر رہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے ان کے تالیف قلوب کے لئے حیلوں سے کیوں کوشش کی۔ اور کیوں احمد بیگ کی طرف ایسے خط لکھے۔ مگر افسوس یہ دونوں یعنی عیسائی اور یہ نئے یہودی یہ نہیں سمجھتے۔ کہ پیشگوئیوں میں جائز کوشش کرنا حرام نہیں کیا گیا۔ جس شخص کو خدا خبر دے۔ کہ فلاں بیمار اچھا ہو جائے گا۔ اس کو منع نہیں ہے۔ کہ وہ دوا بھی کرے۔ کیونکہ شاید دوا کے ذریعہ سے اچھا ہونا مقدر ہو۔ غرض ایسی کوشش نہ عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک ممنوع ہے۔ نہ اسلام میں "

(اعجاز احمدی صلا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ جواب نہایت معقول اور مدلل ہے۔ اس لئے اس موضوع پر ہم مزید کچھ عرض نہیں کرنا چاہتے ؎

جناب محقق برنی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی فصل اول میں حضرت مسیح موعودؑ کے ذاتی حالات کے متعلق چند اقتباسات درج کئے ہیں جن کا بیشتر حصہ آپ نے سلسلہ احمدیہ کے معاند حکیم محمد علی امرتسری کے رسالہ "سودائے مرزا" سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے بعض پر ہم اس سے پیشتر دوسری

ڈال چکے ہیں۔ اور اب صرف مندرجہ ذیل امور پر نظر کرنا باقی ہے :۔

۲ دو زرد چادریں

امر اول یہ کہ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی چند ایسی تحریریں درج کی ہیں۔ جنمیں حضور نے مسیح موعود کی اس علامت کا ذکر کرتے ہوئے جو احادیث میں آئی ہے۔ کہ وہ دو زرد چادروں میں نازل ہوگا۔ لکھا ہے کہ اس سے مراد علم تعبیر رویا میں دو بیماریاں ہیں۔ اور پھر اس علامت کو اپنے اوپر چسپاں کر کے تحریر فرمایا ہے۔ کہ مجھے دعویٰ ماموریت کی ابتداء سے دوران سر اور کثرت پیشاب کی تکلیف ہے۔

محقق صاحب نے حسب عادت یہ ظاہر نہیں فرمایا۔ کہ ان تحریرات کو نقل کرنے سے آپ کا مدعا کیا ہے۔ یعنی آپ کو ان کے کس حصہ پر اعتراض ہے۔

احادیث میں مسیح موعود کی یہ علامت کہ وہ دو زرد چادروں میں نازل ہوگا مذکور ہے[1]۔ اور علم تعبیر رؤیا میں زرد کپڑے پہننے کی تعبیر بیماری سے کیگئی ہے[2]۔ محقق صاحب جب چاہیں تصدیق کر سکتے ہیں ؛

رہا حضرت اقدس کا یہ لکھنا کہ میں بیمار ہوں۔ سو یہ امر قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیماری نبوت کے منافی نہیں ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ کہ وہ سخت بیماری میں مبتلا ہوئے۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی لکھا ہے۔ کہ حضورؐ کو درد شقیقہ کا دورہ ہو جاتا تھا[3]۔ اور اس کی وجہ سے آپکو کئی کئی دن تک سخت تکلیف رہتی تھی۔ حتیٰ کہ نماز بھی گھر ہی میں ادا فرماتے تھے ؛

جنون یا مالیخولیا مراقی

محقق صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش بھی کی ہے۔ کہ حضورؑ کو جنون یا مالیخولیا مراقی کا عارضہ بھی تھا۔ انبیاء کے مخالفین کا یہ آخری حربہ ہے۔

[1] مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ بن مریم [2] تعطیر الانام [3] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۷۹

کہ وہ انہیں مجنون کہتے ہیں۔" تا اس طرح پر دنیا کی نگاہ میں ان کی اہمیت کم کریں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے۔ کہ وہ ایک طرف تو انہیں مجنون کہتے ہیں۔ مگر دوسری طرف ان کے مقابلہ میں ایڑی چوٹی تک کا زور خرچ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کا عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ مجنون کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس کی باتوں کیطرف قطعًا توجہ نہیں کی جاتی۔ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس یہ ہوتا ہے۔ کہ پوری کوشش کے ساتھ ان کی باتوں کی تردید کی جاتی ہے۔ اور ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے ان کی مخالفت کی جاتی ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ انبیاء کے ساتھ ان کے مخالفین کا عملی سلوک وہ نہیں ہوتا۔ جو وہ عام طور پر مجانین کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان کا انہیں مجنون قرار دینا۔ خود ان کی اپنی حماقت اور پاگل پن کا بیّن ثبوت ہے ؛

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ازالہ اوہام طبع اول کے صفحہ ۳۶ و ۳۷ میں اپنے مخالفین کی نکتہ چینیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"دوسری نکتہ چینی یہ ہے۔ کہ مالیخولیا یا جنون کی وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یُوں تو مَیں کسی کے مجنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خوش ہوں۔ کیونکہ ہمیشہ سے ناسمجھ لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں۔ اور قدیم سے ربانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے۔ اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے۔ کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو براہین احمدیہ میں طبع ہو چکی ہے۔ کہ تجھے مجنون کہیں گے۔ لیکن حیرت تو اس بات میں ہے۔ کہ اس دعویٰ میں کون سی جنون کی علامت پائی جاتی ہے۔ کون سی خلاف عقل بات ہے۔ جس کی وجہ سے معترضین کو جنون

ہو جانے کا شک پڑ گیا۔ اس بات کا فیصلہ ہم معترضین ہی کی کانشنس اور عقل پر چھوڑتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے بیانات اور اپنے مخالفین کی حکایات رکھ دیتے ہیں۔ کہ ہم دونوں گروہوں میں سے مجنون کون ہے۔ اور عقل سلیم کس کی طرز تقریر کو مجانین کی باتوں کے مشابہ سمجھتی اور کس کے بیانات کو قول موجہ قرار دیتی ہے"

حضرت مسیح موعودؑ نے یہ الفاظ اپنے دعویٰ کے ابتدائی ایام میں تحریر فرمائے تھے۔ جبکہ حضورؑ کی جماعت ابھی نہایت قلیل تھی۔ خدا کی قدرت حضورؑ کی کتاب ازالہ اوہام کی اشاعت کے بعد ایک زمانہ آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر اور انہیں معقول سمجھ کر آپ کی جماعت میں داخل ہوا۔ اور آپ کی جماعت میں داخل ہونے والوں میں سے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی ہیں۔ اور مشہور اطباء بھی۔ پھر ان میں بڑے بڑے فلاسفر بھی ہیں۔ اور دنیاوی علوم کے ماہر بھی۔ اب یہ فیصلہ کرنا ناظرین کے اختیار میں ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو مجنون قرار دیں۔ یا حضورؑ کے مخالفین کو ؛

محقق صاحب نے اسی ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بعض دیگر اصحاب کی ایسی تحریریں بھی درج کی ہیں۔ جن میں حضورؑ کی نسبت مراق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان تحریرات میں مراق کا لفظ طبی اصطلاح کے طور پر مالیخولیا مراقی کے معنوں میں نہیں بولا گیا۔ بلکہ ضعف معدہ کی وجہ سے دوران سر کے معنوں میں بولا گیا ہے۔ مراق کا لفظ اپنی اصل وضع میں پیٹ کی جھلی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور اس جھلی میں نقص کی وجہ سے جو بیماری پیدا ہو۔ اس پر بھی مراق کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے۔ اور مسبب بول کر سبب ؛

مقوّیات کا استعمال

امر دوئم یہ کہ آنجناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض ایسے خطوط نقل کئے ہیں۔ جو حضورؑ نے اپنے احباب کو لکھے۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے بعض مقوّی ادویات مثلاً بادام روغن۔ مشک عنبر وغیرہ استعمال فرمائیں۔ محقق صاحب کے ان خطوط کو نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ان چیزوں کا استعمال قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں:-

"منشی الٰہی بخش اور اس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں۔ کہ میں بید مشک اور کیوڑہ استعمال کرتا ہوں۔ یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں تعجب ہے۔ کہ حلال اور طیب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ . . . . . شہادت مل سکتی ہے۔ کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کب پڑتی ہے۔ میں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں۔ جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے۔ یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب محنت کرتا ہوں۔ تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ قریب ہے غش آ جائے۔ اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے۔" (اخبار الحکم مورخہ ۱۰ ارجولائی ۱۹۰۲ء صہ)

گو اسلام کی تعلیم کی رُو سے حلال وطیّب اشیاء کا استعمال ہر حالت میں جائز ہے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ مشک وغیرہ ادویہ کا استعمال جس غرض سے کرتے تھے۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے مذکورہ بالا الفاظ حق پسند اصحاب کیلئے کافی تشفی کا موجب ہیں ؎

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اوہام باطلہ کی تردید کرتے ہوئے

جو یہ سمجھتے تھے۔ کہ صلحاء کو خدا تعالےٰ کی عطا کردہ نعمتیں استعمال نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ صرف کفار اور بے ایمانوں کے لئے ہیں۔ فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (اعراف ع۴) یعنی کہدو کس نے حرام کی ہیں وہ زینت کی چیزیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور پاکیزہ رزق۔ کہدو یہ چیزیں مومنوں کے لئے ہیں اس دنیاوی زندگی میں۔ اور خالص طور پر انہیں کے لئے ہونگی قیامت کے دن ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں۔ الزَّهَادَةُ لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ (ترمذی ابواب الزہد) یعنی زہد کا معیار یہ نہیں ہے۔ کہ انسان حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کرے۔

مولانا شبلی نعمانی سیرت النبی جلد سوئم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و خصائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضور " اکثر مشک اور عنبر استعمال فرماتے تھے "

اب سوچنا چاہیئے۔ کہ جب قرآن مجید کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ سے یہ ثابت ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کا استعمال جائز ہے تو کیا کسی مسلمان کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کسی شخص کے مشک و عنبر استعمال کرنے پر اعتراض کرے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ اعتراض تو دراصل اس شخص پر نہیں ہوگا جو یہ اشیاء استعمال کرتا ہے۔ بلکہ بالواسطہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ہوگا۔

اسی ضمن میں محترم محقق صاحب چشتی قادری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور خط بھی درج کیا ہے۔ جو حضور نے

ٹانک وائن

مقوّیات کا استعمال

امر دوئم یہ کہ آنجناب محقق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض ایسے خطوط نقل کئے ہیں۔ جو حضورؑ نے اپنے احباب کو لکھے۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے بعض مقوّی ادویات مثلاً بادام روغن۔ مشک۔ عنبر وغیرہ استعمال فرمائیں محقق صاحب کے ان خطوط کو نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ان چیزوں کا استعمال قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں:۔

"منشی الٰہی بخش اور اس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں۔ کہ میں بید مشک اور کیوڑہ استعمال کرتا ہوں۔ یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں تعجب ہے۔ کہ حلال اور طیّب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ . . . . . شہادت مل سکتی ہے۔ کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کب پڑتی ہے۔ میں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں۔ جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے۔ یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب محنت کرتا ہوں۔ تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ قریب ہے غش آجائے۔ اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے۔" (اخبار الحکم مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۲ء صـ۳)

گو اسلام کی تعلیم کی رُو سے حلال و طیّب اشیاء کا استعمال ہر حالت میں جائز ہے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ مشک وغیرہ ادویہ کا استعمال جس غرض سے کرتے تھے۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے مذکورہ بالا الفاظ حق پسند اصحاب کیلئے کافی تشفی کا موجب ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اوہام باطلہ کی تردید کرتے ہوئے

جو یہ سمجھتے تھے۔ کہ صلحاء کو خدا تعالےٰ کی عطا کردہ نعمتیں استعمال نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ صرف کفار اور بے ایمانوں کے لئے ہیں۔ فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (اعراف ع ۴) یعنی کہدو کس نے حرام کی ہیں وہ زینت کی چیزیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور پاکیزہ رزق۔ کہ دو یہ چیزیں مومنوں کے لئے ہیں اس دنیاوی زندگی میں۔ اور خالص طور پر انہیں کے لئے ہونگی قیامت کے دن :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں۔ اَلزَّھَادَۃُ لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ (ترمذی ابواب الزہد) یعنی زُہد کا معیار یہ نہیں ہے۔ کہ انسان حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کرے۔

مولانا شبلی نعمانی سیرت النبی جلد سوئم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضور "اکثر مشک اور عنبر استعمال فرماتے تھے"۔

اب سوچنا چاہیئے۔ کہ جب قرآن مجید کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارکہ سے یہ ثابت ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کا استعمال جائز ہے۔ تو کیا کسی مسلمان کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کسی شخص کے مشک وعنبر استعمال کرنے پر اعتراض کرے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ اعتراض تو دراصل اس شخص پر نہیں ہوگا۔ جو یہ اشیاء استعمال کرتا ہے۔ بلکہ بالواسطہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ہوگا۔

اسی ضمن میں محترم محقق صاحب چشتی قادری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور خط بھی درج کیا ہے۔ جو حضور نے

ٹانک وائن

اپنے ایک مخلص مُرید حکیم محمد حسین صاحب مرحوم قریشی ساکن لاہور کو لکھا۔ اور جس میں انہیں "ٹانک وائن" کی بوتل بھیجنے کا ارشاد فرمایا۔ فاضل محقق صاحب نے یہ خط درج کرنے کے بعد حکیم محمد علی امرتسری کے رسالہ سے حسب ذیل الفاظ بھی نقل کئے ہیں:-

"ٹانک وائن" کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم کی گئی ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں۔ حسب ارشاد پلومر کی دوکان سے دریافت کیا گیا۔ جواب حسب ذیل ملا۔

"ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے۔ جو ولایت سے سربند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت صہ ہے (۲۱ ستمبر ۱۹۳۳ء)"

ہم نے ارشاد خداوندی اِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا کے ماتحت اس کی تحقیق کی۔ تو ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی محقق صاحب کی پیش کردہ مذکورہ بالا شہادت صریح جھوٹی نکلی۔ ذیل میں ہم اپنی تحقیق کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ ٹانک وائن کے متعلق سب سے پہلے ہم نے اپنے ہاں کے میڈیکل آفیسر جناب ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب سے دریافت کیا۔ کہ اس کے اجزاء کیا ہیں اور کن امراض میں استعمال ہوتی ہے۔ اور کیا اسے نشہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب مکرم نے اس کا حسب ذیل جواب عنایت فرمایا:-

"ٹانک وائن عموماً سٹرنز وائن آف کاڈلور آئل کو کہتے ہیں۔ جو دوائی کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس کے اجزاء یہ ہیں۔ آئرن پیپٹون۔ آئرن اینڈ امونیا سائٹریٹ۔ بیف اینڈ کاڈلور پیپٹونز۔ لائم اینڈ سوڈیم گلسرد فاسفیٹس۔ کسکارا۔ اور الکوہال ۱۶ فیصدی۔ یہ ٹانک اعصابی کمزوری میں نیز خون اور دوران خون کی کمزوری میں استعمال ہوتی ہے۔ نمونیا اور انفلوئنزا کے حملہ کے بعد جو کمزوری لاحق ہوتی ہے۔ اس کے دور کرنے کے لئے بھی اسے استعمال

کیا جاتا ہے۔ اسکی خوراک ایک چمچہ بھر ہے۔ اس سے قطعًا نشہ نہیں ہوتا۔ اور نہ اِسے کوئی نشہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بلکہ یہ ایک دوائی ہے۔ اور دوائی کے طور پر مذکورہ بالا امراض میں استعمال کی جاتی ہے "

صرف ایک رائے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ہم نے اپنے ایک دوست کو خاص اسی غرض سے کہ وہ پلومر اور دیگر دوا فروشوں سے اس کے متعلق مزید تحقیقات کریں لاہور بھیجا۔ انہوں نے پلومر کی دوکان پر جا کر مندرجہ ذیل غیر جانبدارانہ طریق پر تحقیقات کی:۔

ہمارا دوست۔ (پلومر کی دوکان کے منیجر سے مخاطب ہو کر) مہربانی کر کے ٹانک وائن کی ایک بوتل دیجئے۔

منیجر صاحب۔ آپکو سٹرنز وائن آف کاڈلِور آئیل چاہیئے یا بالنز وائن یا وِنکارنس یا

ہمارا دوست۔ جسے ٹانک وائن کہتے ہیں۔

اس پر منیجر صاحب نے بغیر مزید تاخیر اور تامل کے سٹرنز وائن آف کاڈلور آئل کی بوتل باندھ کر حوالہ کر دی۔ اور کیش میمو پر اس کی قیمت للعہ لکھکر وصول کر لی۔

اس کے بعد یہ سوال کرنے پر کہ کیا اسے نشہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے؟ منیجر صاحب نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ چنانچہ کیش میمو پر جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ انہوں نے صاف الفاظ میں لکھدیا۔ کہ "ٹانک وائن نشہ کے طور پر استعمال نہیں کی جاتی"

مذکورہ بالا شہادت سے پلومر کے ہاں کی "ٹانک وائن" کی حقیقت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان محقق برنی صاحب کے شاہد ڈاکٹر عزیز احمد کی تحقیقات کا پتہ بھی لگجاتا ہے۔ کہ وہ کس نگاہ سے دیکھے جانیکے لائق ہے:

اب ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تالیف برنی کے دونوں ایڈیشنوں کے اعتراضات کے جوابات دینے سے فارغ ہو چکے ہیں۔ گذشتہ اوراق میں ہم نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپکی جماعت کے مذہب کی کماحقہ وضاحت کر دی ہے۔ اور طالبانِ حق پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ احمدیت اور اسلام ہم معنی اور مترادف ہیں:

آخر میں ہم حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ کلمات جن میں آپ نے ایک معترض کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اپنا مذہب بیان فرمایا ہے۔ اور اس وجہ سے ہمارے اس بیان سے انتہائی مناسبت اور تعلق رکھتے ہیں۔ درج کرتے ہیں :-

ہمارا مذہب کیا ہے

مختصراً عرض ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

۱۔ اللہ تعالیٰ تمام صفات کاملہ سے موصوف اور ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ ہے۔ اپنی ذات میں یکتا اور صفات میں بے ہمتا ہے۔ اپنے افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ۔ اور اپنے تمام عبادات میں وحدہٗ لاشریک ۔

۲۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ان پر ایمان لانا لابد ہے ۔

۳۔ تمام کتب الٰہیہ اور تمام رسولوں اور نبیوں پر ہمارا ایمان ہے ۔

۴۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المکی المدنی محمد بن عبد اللہ ابن آمنہ۔ خاتم النبیین۔ رسول رب العالمین ہیں۔ اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن کریم بلا تحریف و تبدیل و کمی و زیادتی کے اسی ترتیب موجودہ پر ہم کو نبی کریم سے پہنچا ۔

۵۔ تقدیر کا مسئلہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء جو ہیں اور جو ہونگی۔ اور جو ہو چکیں سب کا اتم و اکمل طور پر علم ہے۔ جزئیات کا بھی وہ عالم ہے۔ اور نیکی کا ثمرہ نیک اور بدی کا بد ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کرتا ہے۔ ویسا ہی پاتا ہے۔ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ

۶۔ بعد الموت نفس کو بقا ہے۔ قبر سے لیکر حشر و نشر، صراط، جہنم و بہشت کے واقعات جو کچھ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ سب صحیح ہیں ؛

۷۔ صحابہ کرامؓ کو ابوبکرؓ و عمرؓ سے معاویہؓ و مغیرہ رضی اللہ عنہ تک کسی کو برا نہیں کہتے۔ اور نہ دل میں ان کی نسبت بد اعتقاد ہیں۔ اہل بیت کو بدل، اپنا محبوب و پیارا بالیقین کرتے ہیں۔ تمام بی بیاں حضرت نبی کریمؐ کی حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ سے لیکر اور تمام خاندان نبوت۔ علی رضی اللہ عنہ اور امام حسن سبط اکبر اور امام حسین سبط اصغر شہید کربلا اور انکی والدہ بتول زہرا سیدہ نساء اہل الجنہ سب کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ گروہ بدل بیقین کرتے ہیں۔ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین ؛ اولاد امجاد مولا مرتضیٰ علیہ السلام کو علی بن حسین زین العابدین اور محمد باقر العلوم اور جعفر الصادق سے لیکر زید بن علی اور اولاد صادق علیہ السلام میں حسن عسکری تک سب کو علماء باعمل اور ائمہ دین مانتے ہیں ؛

امام ابو حنیفہ۔ مالک۔ شافعی اور احمد کو ائمہ فقہا سے۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد اور نسائی کو ائمہ محدثین سے۔ خواجہ معین الدین چشتی۔ شیخ عبد القادر جیلانی۔ خواجہ نقشبند۔ شیخ احمد سرہندی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور ابو الحسن شاذلی کو ائمہ تصوف سے یقین کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو مکرم، معظم اور واجب التعظیم اعتقاد کرتے ہیں ؛

کتاب و سنت پر عمل ہے۔ اگر بتصریح وہاں مسئلہ نہ ملے۔ تو فقہ حنفیہ پر اس تک میں عمل کر لیتے ہیں۔ تمام رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور حج بیت اللہ کرتے ہیں۔ فضائل میں ترقی اور رذائل سے بچنے میں لگے رہتے ہیں ؛

باایں ہمہ لوگ اور آپ ہم پر کیوں خفا ہیں۔

ا۔ اس لئے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ مکالمہ الٰہیہ کا کیا۔ مگر اس دعویٰ کی بناء

بس پر تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں الآن کما کان ہے۔ پس اگر وہ پہلے کسی سے بولتا اور کلام کرتا تھا۔ تو اب وہ کیوں نہیں بولتا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں دعا ہے۔ کہ الٰہی انبیاء۔ صدیقوں۔ شہداء اور صلحاء کی راہ عطا فرما۔ اور ان راہوں میں ایک راہ مکالمہ کی بھی ہے۔ پس اگر ہم مکالمہ کے مدعی ہیں۔ تو کیا کفر کیا؟ بنی اسرائیل کو اس لیے عبادت عجل پر ملامت ہوئی۔ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا۔ کہ ان کا معبود اُن سے بات نہیں کرتا۔ اور ان کو ہدایت نہیں فرماتا۔ پس اس وقت کیوں مکالمات الٰہیہ سے انکار کرتے ہیں ؛

۲۔ دعویٰ امامت و تجدید دین۔ اس کی بناء مکالمات اور حدیث عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا اور سورہ نور کی آیت استخلاف پر کہ ہمیشہ مجدد گذرتے رہے۔ اس صدی کو کیوں خالی مانتے ہیں ؛

۳۔ دعویٰ مہدویت جس کا مدار وہی مکالمات تھے۔ اور حدیث لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيسٰى یہ صحیح حدیث اسفار حدیث میں موجود ہی منجملہ انکی ابن ماجہ میں بھی ہی ؛

۴۔ دعویٰ عیسیٰ بن مریم ہونے کا۔ اس کا مدار بھی مکالمہ الٰہیہ تھا۔ اور قرآن کریم کی آیت وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ہ تھی۔ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مؤمن جس سے خطا ہو جائے۔ وہ امرأۃ فرعون کی مثل ہے۔ کہ شیطان کے ماتحت ہے۔ وہ تو دعائیں کرے۔ نَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ الآیہ۔ اور اس آیت میں ذکر ہے۔ دوسری قسم کے مؤمن کا۔ دوسرا مؤمن وہ ہے جو محصن ہے۔ وہ مریم ہوتا ہے۔ اور جب اس پر کلام الٰہی کا نفخ ہوتا ہے۔

تو مریم سے ابن مریم ہو جاتا ہے ؎

۵۔ آپ کا دعویٰ کہ ابن مریمؑ مر گئے۔ اس کے دلائل کے لئے آپ نے اسّی ۸۰ رسالے لکھے ؎

۶۔ جو طبعی موت سے مر گئے۔ وہ دنیا میں بایں جسم عنصری واپس نہیں آتے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ؎

۷۔ آپ نے ہزاروں پیشگوئیاں کیں۔ جو صحیح ہوئیں۔ جو بظاہر کسی کو نظر آتا ہے۔ کہ صحیح نہیں ہیں۔ ان پر مرزا صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے ؎

آپ نے بایں کہ محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین مانا۔ اور اُن کے عشق و محبت میں ہزاروں صفحے لکھے۔۔

بے ریب لکھا ہے۔ کہ میں نبی بمعنی پیشگوئی کرنے والا ہوں۔ مجھے احادیث اور کلام الٰہی میں نبی کہا گیا۔ مگر نہ نبی تشریع۔ اور یہی مذہب تمام صوفیاء کرام کا ہے "

(کلام امیر المومنین مندرجہ اخبار بدر مورخہ ۷، ۱۰ ستمبر ۱۹۰۸ء)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ملک فضل حسین مینیجر بکڈپو پبلشر نے اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام چوہدری اللہ بخش پرنٹر چھپوا کر قادیان سے شائع کیا